حقائق نہج البلاغہ

فخر المحققین سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی اعلی اللہ مقامہ

(نقن صاحبؒ)

نہج البلاغہ پر نقن صاحب کی پانچ تحریریں

ترتیب: مولانا مقبول حسین علوی



مرکز افکار اسلامی



حقائق نہج البلاغہ

سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

- ثنائے پروردگار
- ابوالآئمہ کی تعلیمات
- نہج البلاغہ کا مقدمہ
- نہج البلاغہ کا استناد
- تعزیت نامہ



مرکز افکار اسلامی

حقائق نہج البلاغہ

مصنف: سید العلماء علامہ سید علی نقی نقویؒ (نقن صاحب)
ترجمہ: مولانا مقبول حسین علوی
اشاعت اول: جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ دسمبر ۲۰۲۳ء
ناشر: مرکز افکار اسلامی
کتاب ملنے کا پتہ: جامعہ جعفریہ جنڈ ضلع اٹک
ویب سائٹ: www.afkareislami.com
ای میل: afkareislami@yahoo.com
واٹس ایپ: 0092 302 5230406



بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

ابوالائمہ کے تعلیمات

نہج البلاغہ کا مقدمہ

نہج البلاغہ کا استناد

فخر المحققین سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی اعلی اللہ مقامہ

تعزیت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

امیر المومنین، امام الموحدین سید العارفین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بابِ مدینۃ العلم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپؑ نے علم جیسی نعمت الٰہی پر فخر کرتے ہوئے بارہا اُس کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت کمیلؒ کا ہاتھ پکڑ کر علم کی اہمیت بتاتے ہوئے اور مال سے بہتری کی دلیلیں دیتے ہوئے ایک وقت اپنے سینۂ اقدس کی طرف دستِ مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هَا! اِنَّ هٰهُنَا لَعِلْمًا جَمًّا لَوْ اَصَبْتُ لَهُ حَمَلَةً!۔

دیکھو! یہاں علم کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، کاش! اس کے اُٹھانے والے مجھے مل جاتے۔[1]

کبھی فرماتے ہیں:

فَاِنَّهُمْ عَيْشُ الْعِلْمِ، وَمَوْتُ الْجَهْلِ۔

اہل بیتؑ ہی علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں۔[2]

کبھی اپنے علم پر فخر کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے مقابلے سے رد کرتے ہیں۔

فرمایا:

اَيْنَ الَّذِيْنَ زَعَمُوْٓا اَنَّهُمْ ﴿الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ دُوْنَنَا، كَذِبًا وَّ بَغْيًا عَلَيْنَا، اَنْ رَّفَعَنَا اللّٰهُ وَ وَضَعَهُمْ، وَ اَعْطَانَا وَ حَرَمَهُمْ، وَ

---

[1] نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷، ص ۸۵۹

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۵، ص ۴۱۷

اَدْخَلَنَا وَ اَخْرَجَهُمْ. بِنَا يُسْتَعْطَى الْهُدٰى، وَ يُسْتَجْلَى الْعَمٰى۔

کہاں ہیں وہ لوگ کہ جو جھوٹ بولتے ہوئے اور ہم پر ستم روا رکھتے ہوئے یہ ادّعا کرتے ہیں کہ وہ راسخون فی العلم ہیں نہ ہم؟ چونکہ اللہ نے ہم کو بلند کیا ہے اور انہیں گرایا ہے اور ہمیں (منصبِ امامت) دیا ہے اور انہیں محروم رکھا ہے اور ہمیں (منزلِ علم میں) داخل کیا ہے اور انہیں دور کر دیا ہے۔ ہم ہی سے ہدایت کی طلب اور گمراہی کی تاریکیوں کو چھانٹنے کی خواہش کی جا سکتی ہے۔[1]

سمندرِ علم کا غوطہ زن امام دوسروں کی علمی پیاس بجھانے کے لیے اُنہیں دعوت دیتا ہے۔

فَاسْئَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ۔

جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔[2]

ایک مقام پر علم کے حصول کے لیے یُوں دعوت دی۔

اَيُّهَا النَّاسُ! سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ. فَلَاَنَا بِطُرُقِ السَّمَآءِ اَعْلَمُ مِنِّیْ بِطُرُقِ الْاَرْضِ۔

اے لوگو! مجھے کھو دینے سے پہلے مجھ سے پوچھ لو اور میں زمین کی راہوں سے زیادہ آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔[3]

علماء کرام ہمیشہ اس خزانۂ علم سے موتی نکالتے اور علم دوست طبقہ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ انہی علماء میں سے السید رضیؒ نے امامؑ کے کلام کے منتخب حصے کو جمع کیا اور نہج البلاغہ نام رکھا۔ ۴۰۰ھ میں مکمل ہونے والی کتاب پر مسلسل کام ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔ نہج البلاغہ کو عام کرنے کے لحاظ سے سید العلماء علامہ علی نقی النقوی المعروف نقن صاحب کا کافی حصہ ہے۔ علامہ

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۲، ص ۴۰۹

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۹۱، ص ۳۰۹

[3] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۷، ص ۵۳۱

مفتی جعفر حسینؒ کے ترجمہ کو اہمیت ملی تو اُس میں نقن صاحب کا جو کردار ہے وہ انہوں نے مفتی صاحب کی تعزیت کے لیے لکھی گئی تحریر میں خود واضح فرمایا ہے اور یہ تعزیت نامہ اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔ اس مجموعہ میں سید العلماء کی پانچ قلمی کاوشیں شامل ہیں۔

(۱) ثنائے پروردگار

نہج البلاغہ کے ایک مہم موضوع معرفت پروردگار پر مبنی یہ کتاب بہت مہم کتاب ہیں۔ نقن صاحب کا نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ترجمہ رجب ۱۳۷۱ھ میں سرفراز اخبار میں شائع ہوا اور رجب ۱۳۷۶ھ میں وہ مضمون مزید اضافوں سے اس کتاب میں شائع ہوا۔

(۲) ابوالائمہ کے تعلیمات

اس کتاب پر ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کی تاریخ لکھی ہے۔ اخبار الواعظ لکھنؤ میں ایک مضمون "سیرۂ علوی کا ایک ورق" شائع ہوا تھا بعد میں یہ مضمون اسی کتاب میں شامل کرلیا گیا۔ اس میں "نہج البلاغہ کا استناد" کا بھی تذکرہ ہے۔

(۳) نہج البلاغہ کا استناد

نقن صاحب اور دیگر علماء کی تحریروں سے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ نہج البلاغہ پر نقن صاحب کا یہ پہلا کام تھا۔ ہمیں جو نسخہ ملا وہ امامیہ مشن لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوا ہے اور اس پر شعبان ۱۳۷۵ھ کی تاریخ لکھی ہے۔ لندن سے انگریزی میں ایک عراقی پروفیسر خلوصی کے نہج البلاغہ پر ہونے والے اعتراضات کا مفصل اور مدلل جواب جو منہاج نہج البلاغہ کے نام سے علامہ سید سبط الحسن ہنسویؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

اُس کے صفحہ "ب" پر لکھتے ہیں کہ اس کا جواب "مشہور مؤلف و وسیع النظر بزرگ جناب آغا

سلطان مرزا ریٹائرڈ سیشن جج مؤلف کتاب "البلاغ المبین نے لکھا ہے۔

اور البلاغ المبین میں آغا سلطان مرزا نے نہج البلاغہ کا استناد کی تمام عبارتیں نقل کیں اور لکھا۔ ان الفاظ کو ہم نے جناب علامہ مولوی سید علی نقی صاحب لکھنوی کے رسالہ استناد سے لیا ہے۔ [1]

تو واضح ہوا کہ نقن صاحب کا یہ رسالہ ان دونوں بزرگوں کی تحریر سے پہلے لکھا گیا ہے۔

(۴) نہج البلاغہ کا مقدمہ

علامہ مفتی جعفر حسینؒ کے اردو ترجمہ نہج البلاغہ کا مقدمہ ایک بہترین تحریر ہے۔ نقن صاحب کی علامہ مفتی جعفر حسین کے تعزیتی خط کی تحریر اور اس مقدمہ کے "نہج البلاغہ کا استناد" کے ساتھ تقابل سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ "نہج البلاغہ کا استناد" ہی میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے لکھا گیا ہے۔

(۵) تعزیت نامہ

علامہ مفتی جعفر حسینؒ کی رحلت پر لکھے گئے خط میں نقن صاحب نے نہج البلاغہ سے مفتی صاحب کے عشق اور خود اپنے کام کا تذکرہ کیا ہے۔



مرکز افکار اسلامی جہاں نئی نسل تک مختلف طریقوں سے نہج البلاغہ پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے وہیں نہج البلاغہ پر کیے جانے والی بزرگان کی محنتوں کو بھی سامنے لانا اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔

علامہ علی نقیؒ کی چار کتابیں مختصر ہونے کے باوجود خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ مرکز افکار اسلامی کی طرف سے یہ چاروں کتابیں اور تعزیت نامہ الگ الگ بھی شائع کرائی جا چکی ہیں اور اب اس کام کو یکجا کر کے پیش کیا جا رہا ہے تا کہ قارئین کے لیے اس کا حصول آسان ہو جائے۔

---

[1] ج ۲، ص ۳۵۴

امید ہے نقن صاحب کی اس محنت سے جہاں قوم کو کلام امیر المومنینؑ کو سمجھنے میں مدد ملے گی وہیں نہج البلاغہ پر ہونے والے اعتراضات کے مدلّل جوابات بھی میسّر ہوں گے۔ خاص کر جوان طلاب اگر دقت کریں گے تو کلام امامؑ کو عام کرنے کے لیے اُن میں ہمت بڑھے گی۔ پروردگار سید العلمائؒ کے درجات بلند فرمائے اور ان محققین کی محنتوں سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور مرکز افکار اسلامی کی ان کوششوں کو قبل فرمائے۔

والسلام

مقبول حسن علوی

۱۷/۱۰/۲۰۲۳


maablib.org

ثنائے پروردگار

از کلام امام العارفین امیر المومنین

حضرت علی بن ابیطالب صلوات اللہ وسلامہ علیہ

ترجمہ وحواشی

سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی

تعارف

چہاردہ سالہ یادگار مرتضوی کے موقع پر یہ رسالہ جو پیش کیا جا رہا ہے ایک عظیم الشان سلسلہ کا آغاز ہے۔

جناب سید رضی اعلی اللہ مقامہ کا یہ یادگار کارنامہ تھا کہ انہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے کلام کو جس کے لیے ادباء کا یہ مقولہ ہے کہ وہ "تحت کلام الخالق وفوق کلام المخلوق" ہے، یکجا کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا مگر یہ ضرورت شدید طور پر محسوس ہوتی تھی کہ اسے موضوعات کی ترتیب کے ساتھ مرتب و مدون کیا جاتا۔

اب جناب سید العلماء مدظلہ نے اس کارنامہ کی ابتدا کر دی ہے جس کا پہلا حصہ جو الہیات کے عظیم مسائل پر مشتمل ہے "ثنائے پروردگار" کے زیر عنوان پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ترجمہ اور مختصر حواشی بھی سرکار سید العلماء کے قلم سے ہیں جو عظیم ادبی اور علمی خصوصیات کے حامل ہیں۔

امید ہے کہ افراد قوم اس رسالہ کی صحیح طور پر قدر کریں گے اور اس کی بیش از بیش اشاعت کی کوشش فرمائیں گے۔

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی سیکرٹری امام مشن لکھنؤ

۱۳ رجب ۱۳۷۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ۔

(۱)

خطبہ ا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا يَبْلُغُ مِدْحَتَهُ الْقَآئِلُوْنَ. وَ لَا يُحْصِیْ نَعْمَآئَهُ الْعَادُّوْنَ وَ لَا يُؤَدِّیْ حَقَّهُ الْمُجْتَهِدُوْنَ. الَّذِیْ لَا يُدْرِكُهُ بُعْدُ الْهِمَمِ. وَ لَا يَنَالُهُ غَوْصُ الْفِطَنِ. الَّذِیْ لَيْسَ لِصِفَتِهٖ حَدٌّ مَّحْدُوْدٌ. وَ لَا نَعْتٌ مَّوْجُوْدٌ. وَ لَا وَقْتٌ مَّعْدُوْدٌ. وَ لَآ اَجَلٌ مَّمْدُوْدٌ. فَطَرَ الْخَلَآئِقَ بِقُدْرَتِهٖ. وَ نَشَرَ الرِّيَاحَ بِرَحْمَتِهٖ. وَ وَتَّدَ بِالصُّخُوْرِ مَيَدَانَ اَرْضِهٖ. اَوَّلُ الدِّيْنِ مَعْرِفَتُهٗ. وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِيْقُ بِهٖ. وَ كَمَالُ التَّصْدِيْقِ بِهٖ تَوْحِيْدُهٗ. وَ كَمَالُ تَوْحِيْدِهِ الْاِخْلَاصُ لَهٗ. وَ كَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَهٗ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ. لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ اَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوْفِ. وَ شَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهٗ غَيْرُ الصِّفَةِ. فَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ فَقَدْ قَرَنَهٗ. وَ مَنْ قَرَنَهٗ فَقَدْ ثَنَّاهُ. وَ مَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّاَهٗ. وَ مَنْ جَزَّاَهٗ فَقَدْ جَهِلَهٗ. وَ مَنْ جَهِلَهٗ فَقَدْ اَشَارَ اِلَيْهِ. وَ مَنْ

اَشَارَ اِلَيْهِ فَقَدْ حَدَّهُ، وَ مَنْ حَدَّهُ فَقَدْ عَدَّهُ، وَ مَنْ قَالَ: "فِيْمَ؟" فَقَدْ ضَمَّنَهُ، وَ مَنْ قَالَ: "عَلَامَ؟" فَقَدْ اَخْلٰى مِنْهُ. كَائِنٌ لَّا عَنْ حَدَثٍ، مَّوْجُوْدٌ لَّا عَنْ عَدَمٍ، مَعَ كُلِّ شَىْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ، وَ غَيْرُ كُلِّ شَىْءٍ لَّا بِمُزَايَلَةٍ، فَاعِلٌ لَّا بِمَعْنَى الْحَرَكَاتِ وَ الْاٰلَةِ.[1]

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی تعریف تک کلام کرنے والوں کی رسائی نہیں۔[2] اور جس کے نعمت و احسان کی شمار کرنے والوں میں سمائی نہیں[3] اور جس کے حق کی کوشش کرنے والوں سے ادائی نہیں۔[4]

وہ کہ ہمتوں کی بلندی اس تک جا نہیں سکتی[5] اور عقول بشری کی غوطہ زنی اسے پا نہیں سکتی۔

---

[1] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۵ (البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱، ص ۹۱)

[2] اس لیے بھی تکلم پابند مقصور ہے اور اس کے کمال کا پورا تصور ہی افراد مخلوق سے ممکن نہیں اور اس لئے بھی کہ الفاظ وعبارات تمام کے تمام وضع ہوئے ہیں نقائص سے گھرے ہوئے ان معانی کے لئے جو ہمارے حدود نظر میں آتے رہے ہیں لہذا خالق کی ذات تک جو ان تمام نقائص سے مبرا ہے ان کے مفاہیم کی رسائی غیر ممکن ہے۔

[3] جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اس کی نعمتوں کا احصاء ہمارے لئے ممکن نہیں اس بنا پر کہ ہماری اطلاع حدود زمان ومکان میں محصور ہے اور اللہ کی نعمتیں اس قید سے آزاد پھر یہ کہ ہم خود اپنی ہستی کے تمام اسرار پر محیط نہیں تو صرف ایک نفس میں ہمارے کائنات عالم کے کتنے اجزاء کا دخل ہے اسی کا سمجھنا ہماری دسترس سے باہر ہے چہ جائیکہ ہماری مجموعی زندگی اور پھر ہمارے وجود کے وہ اسباب جو ہماری ہستی کی منزل کو قریب لانے میں کارفرما ہے اور وہ ہمارے حدود ادراک واطلاع سے بالکل خارج ہیں۔

[4] نہ حق معرفت نہ حق اطاعت اور نہ حق شکر اور اسی کا کمال احساس تھا جس کی بنا پر معصومین تک اس کی بارگاہ میں ہمیشہ تضرع وزاری کے ساتھ توبہ واستغفار میں مصروف رہتے تھے۔

[5] ہمت کا تعلق حرکت وعمل سے ہے اور عقل کی غوطہ زنی کا تصور وادراک سے ہے اس لئے پہلے فقرہ میں قریب مکانی اور نیز مقابلہ اور مماثلت کی نفی ہے اور دوسرے میں احاطہ تصوری کی۔

وہ جس کی توصیف کے لیے کوئی حد مقرر نہیں اور کوئی لفظیں موجود نہیں۔[1]
کوئی وقت ابتدا کا نہیں۔[2]
اور کوئی مدت انتہا کی نہیں۔[3]
اس نے کائنات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔[4]
اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے منتشر کیا۔[5]
پہاڑوں سے اپنی زمین کی ڈگمگاہٹ میں میخوں کا کام لیا۔[6]
دین کی پہلی منزل اس کی معرفت ہے۔[7]
اور اس کی معرفت کا لازمی جز و اس کی تصدیق ہے۔[8]
اور تصدیق کا لازمی جز و اس کی وحدت کا اقرار ہے۔[9]

---

[1] حد نہیں لہذا پورا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور لفظی نہیں لہذا جتنا تصور بھی ہو جائے اس کا اظہار ناممکن۔
[2] کیونکہ وہ ازلی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے۔
[3] اس لیے کہ وہ ابدی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ موجود رہنے والا ہے، کبھی اس کو فنا نہیں۔
[4] یعنی اس کو اشیاء کی تخلیق میں مادہ کی ضرورت نہیں تا کہ مادہ کو ازلی ماننا لازم ہو نیز یہ کہ عالم اس کی ذات کا طبعی اثر نہیں ہے تا کہ ذات کے ساتھ اسے بھی قدیم مانا جائے بلکہ اس کی قدرت واختیار کا نتیجہ ہے لہذا جب چاہا وہ اسے وجود میں لایا۔
[5] نمایاں طور پر ہوا کا اس لئے ذکر کیا کہ ذی روح کی بقا کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے اور اسی لیے اس کے واسطے منتشر کرنے کا وصف بیان ہوا کہ کوئی مقام اس سے خالی نہیں ہے۔ خلائق کو پیدا کرنا کمال قدرت کا ظہور ہے اور ان کے بقا کا سامان پہلے سے مہیا کر دینا رحمت کا مظاہرہ ہے جو ربوبیت کے ماتحت ہے۔
[6] قرآن میں بھی ہے" والجبال اوتادا" اس کی تفصیل خود نہج البلاغہ کے ایک دوسرے خطبہ میں یہ ہے کہ جب پانی پر زمین قائم ہوئی تو وہ مضطرب یعنی ڈانواں ڈول تھی۔ پہاڑوں کے بارے اس میں ثبات وقیام پیدا ہوا۔
[7] کیونکہ بھیجنے والی کی ہستی ہی جب تک معلوم نہ ہو رسالت کیسی اور شریعت کہاں کی اور پابندی کس طرف سے اور پھر جزاو سزا کا کیا سوال؟
[8] شک اور تذبذب کی منزل تک تصور رہتا ہے۔ ایمان بغیر تصدیق کے حاصل نہیں ہو سکتا جو اس کے وجود اور کردگاری کو دل سے مان لینے کے ساتھ وابستہ ہے۔
[9] کئی میں کا ایک ماننا حقیقت میں اس ایک کا نہ ماننا ہے جو کسی حیثیت سے اپنا شریک نہیں رکھتا پھر تصدیق اس کی کہاں رہ گئی؟

اور وحدت کے اقرار کا تتمہ اس کی بارگاہ میں خلوص ہے۔ [1]

اور خلوص کا ضروری تکملہ اس سے صفات کی نفی ہے۔ [2]

کیونکہ ہر صفت اس کی مظہر ہوتی ہے کہ وہ موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف اس کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ صفت کے علاوہ ہے۔ [3]

تو جس نے اللہ کے لیے اوصاف قرار دیئے اس نے اس کا ساتھی بنا دیا۔ [4]

اور جس نے اس کا ساتھی تجویز کر لیا اس نے اسے ایک سے زیادہ مان لیا۔ [5]

اور جس نے ایک سے زیادہ مان لیا اس نے اس کے اجزاء قرار دے لیے۔ [6]

اور جس نے اس کے اجزاء قرار دے لیے وہ اس سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ [7]

اور جو اس سے بے خبر ہو گیا اس نے اسے اشارہ کے قابل سمجھا۔ [8]

---

[1] عبادت کا خلوص بھی جس سے بت پرستی کا سد باب ہو جائے اور معرفت کا خلوص بھی جس سے خود اس کی ذات میں کسی قسم کی شرکت کا تصور باقی نہ رہ جائے۔

[2] مقام معرفت میں خلوص اسی وقت ہو گا جب اس کی ذات میں صفات کی آمیزش تسلیم نہ کی جائے اس لئے کہ اگر اس کی ذات کے ساتھ آٹھ صفتیں اور ہو گئیں جیسا کہ منتسبین اسلام کی اکثریت کا قول ہے تو اس کی وحدت کا پورا اقرار ہوا ہی نہیں۔

[3] یہ کہنا کہ صفات اس کے عین ذات ہیں اس معنی سے درست ہے کہ ذات کے علاوہ صفات کے وجود ہی سے انکار کیا جائے ورنہ صفت صفت ہوتے ہوئے عین ذات ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا صفات کو ماننے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں زائد بر ذات مانا جائے تو وہ سب خرابیاں لازم آئیں گی جن کا اس کے بعد تذکرہ کیا گیا ہے۔

[4] ذات اور اس کے ساتھ اس کے اوصاف جو مثل ذات قدیم ہیں۔

[5] کم از کم نو (۹) جبکہ صفات کی تعداد آٹھ (۸) مانی جائے مگر چونکہ معیار بطلان میں عدد کی خصوصیت کو دخل نہیں ہے بلکہ دو (۲) مان لینا اتنا ہی باطل ہے جتنا دو کروڑ ماننا اس لیے جناب امیر علیہ السلام نے خصوصیت عدد کو نظر انداز کرتے ہوئے ہوئے "ثناہ" کی لفظ فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ اسے ایک سے زیادہ مانا۔

[6] ذات اور صفات جس کے لئے منطقی طور پر مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز سے ترکب لازم ہے۔

[7] کیونکہ وہ وہی ہے جو بسیط حقیقی ہے جس کے اجزاء نہیں ہیں۔

[8] اشارہ کے قابل جسم ہوتا ہے اور مرکب ہونا جسمیت کا مستلزم ہے۔

اور جس نے اسے اشارہ کے قابل سمجھ لیا اس نے اسے محدود مان لیا اور جس نے اسے محدود مان لیا وہ اسے اور دوسری چیزوں کی قطار میں لے آیا۔[۱]

اور جس نے کہا وہ کاہے میں ہے اس نے اسے کسی ظرف میں سمجھ لیا اور جس نے کہا وہ کاہے پر ہے تو اس نے کہیں کہیں اس سے خالی ہونے کا تصور کر لیا۔ وہ ہے اس طرح نہیں کہ ہوا ہو۔ موجود ہے ایسا نہیں کہ پہلے سے معدوم ہو۔[۲]

ہر چیز کے ساتھ ہے مگر اتصال جسمانی کے ساتھ نہیں اور ہر شے سے الگ ہے مگر جسمانی جدائی کی صورت سے نہیں۔ کاموں کا کرنے والا ہے مگر اس معنی سے نہیں کہ اس میں حرکتیں پیدا ہوں اور وہ ذرائع کا محتاج ہو۔

(۲)

خطبہ ۲

اَحْمَدُهُ اسْتِتْمَامًا لِنِعْمَتِهِ، وَ اسْتِسْلَامًا لِعِزَّتِهِ، وَ اسْتِعْصَامًا مِنْ مَعْصِيَتِهِ، وَ اَسْتَعِيْنُهُ فَاقَةً اِلٰى كِفَايَتِهِ، اِنَّهُ لَا يَضِلُّ مَنْ هَدَاهُ، وَ لَا يَئِلُ مَنْ عَادَاهُ، وَ لَا يَفْتَقِرُ مَنْ كَفَاهُ، فَاِنَّهُ اَرْجَحُ مَا وُزِنَ، وَ اَفْضَلُ مَا خُزِنَ، وَ اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، شَهَادَةً مُمْتَحَنًا اِخْلَاصُهَا، مُعْتَقَدًا مُصَاصُهَا، نَتَمَسَّكُ بِهَآ اَبَدًا

---

[۱] اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جیسے سب چیزیں حادث ہیں وہ ہی وہ بھی حادث ہوا اور اس کا محتاج ہوا کہ کوئی دوسرا خالق اسے حیز وجود میں لائے پھر وہ خدا نہیں۔

[۲] دوسرا فقرہ پہلے کی شرح ہے" ہے اور ہوا نہیں" کا مطلب یہی ہے کہ وہ موجود ہے مگر ایسا نہیں کہ نیستی کے بعد ہستی سے متصف ہوا ہو بلکہ وہ سراسر ہستی ہے نیستی کا اس میں گذر نہیں اور اسی لئے وہ اپنے کمال میں محتاج اوصاف نہیں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

مَآ اَبْقَانَا. وَ نَدَّخِرُهَا لِاَهَاوِيْلِ مَا يَلْقَانَا. فَاِنَّهَا عَزِيْمَةُ الْاِيْمَانِ. وَ فَاتِحَةُ الْاِحْسَانِ. وَ مَرْضَاةُ الرَّحْمٰنِ. وَ مَدْحَرَةُ الشَّيْطٰنِ.[1]

اس کی ثناء وصفت کرتا ہوں اس کی نعمت تمام کرانے کے لیے۔[2]

اور اس کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا مظاہرہ کے طور پر۔[3]

اور اس کی معصیت سے تحفظ حاصل کرنے کی خاطر۔[4]

اور اس سے مدد چاہتا ہوں اس بنا پر کہ میں اس کی دستگیری کا محتاج ہوں۔[5]

یقیناً جس کی وہ خصوصی ہدایت کر دے۔[6]

وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور جس کا وہ دشمن ہو جائے۔[7]

---

[1] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ا ص ۳۱ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲ ص ۱۰۶)، یہ اس خطبہ کا ابتدائی حصہ ہے جو صفین سے واپسی کے وقت حضرتؑ نے ارشاد فرمایا۔

[2] وہ ثناء وصفت جو کسی ولی نعمت کی ہو حمد ہونے کے ساتھ شکر کا مصداق ہوتی ہے اور شکر کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ لئن شکرتم لازیدنکم. اگر شکر ادا کرو گے تو اور زیادہ عطا ہوگا۔ اس طرح یہ ثناء وصفت مزید تمامی نعمت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

[3] یہ سبب وہ ہے جو حمد کو بجائے خود ضروری قرار دیتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس پر کیا فائدہ مترتب ہوتا ہے۔ یہ فریضہ عبودیت کا ادا کرنا ہے۔

[4] یہ نفسیاتی اثر ہے جو حمد پر مترتب ہے کہ اس سے نفس میں عظمت الٰہی کا احساس تازہ ہوتا رہتا ہے جو معصیت سے مانع ہے۔ واضح ہونا چاہیے کہ یہ فقرہ حمد کا بذات خود اثر ظاہر کرنے کے لئے ہے قطع نظر اس سے کہ ان الفاظ کا متکلم خود معصوم یعنی معصیت سے لازمی طور پر بری ہے۔

[5] یہ احتیاج امکان کا لازمہ ہے جس کے لحاظ سے قرآن میں آیا ہے: واللہ الغنی وانتم الفقراء۔

[6] یہ خصوصی ہدایت خیر کی راہ میں انسان کی ذاتی جدوجہد سے اس کے استحقاق کی بنا پر شامل حال ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں انہیں ہم اپنے راستوں کی طرف خصوصی ہدایت شامل حال کرتے ہیں۔

[7] یہ دشمنی اس کی بداعمالی پر غضب کی صورت میں ہوتی ہے۔

وہ کبھی پناہ نہیں پائے گا اور جس کا وہ دستگیر ہو وہ کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔ بے شک یہ ثناء و صفت میزان عمل میں ہر عمل سے گراں تر اور ہر اندوختہ سے بہتر ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ایسا اقرار جس کا خلوص آزمایا ہوا اور جس کا کھرا پن مانا ہوا ہے۔ ہم اس اقرار سے وابستہ رہیں گے ہمیشہ جب تک جان میں جان ہے اور اسے ذخیرہ کریں گے ان ہولناک مراحل کے لیے جو ہمیں درپیش ہوں گے کیونکہ یہ ایمان کا مستحکم عقیدہ اور حسن عمل کا سرنامہ۔[1]

اور رضائے پروردگار کا وسیلہ اور شیطان کے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔[2]

(۳)

خطبہ ۴۹

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَطَنَ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ. وَ دَلَّتْ عَلَیْهِ اَعْلَامُ الظُّهُوْرِ. وَ امْتَنَعَ عَلٰی عَیْنِ الْبَصِیْرِ. فَلَا عَیْنُ مَنْ لَّمْ یَرَهُ تُنْكِرُهٗ. وَ لَا قَلْبُ مَنْ اَثْبَتَهٗ یُبْصِرُهٗ. سَبَقَ فِی الْعُلُوِّ فَلَا شَیْءَ اَعْلٰی مِنْهُ. وَ قَرُبَ فِی الدُّنُوِّ فَلَا شَیْءَ اَقْرَبُ مِنْهُ. فَلَا اسْتِعْلَآؤُهٗ بَاعَدَهٗ عَنْ شَیْءٍ مِّنْ خَلْقِهٖ. وَ لَا قُرْبُهٗ سَاوَاهُمْ فِی الْمَكَانِ بِهٖ. لَمْ یُطْلِعِ الْعُقُوْلَ عَلٰی تَحْدِیْدِ صِفَتِهٖ. وَلَمْ یَحْجُبْهَا عَنْ وَّاجِبِ مَعْرِفَتِهٖ. فَهُوَ

---

[1] جیسا کہ اس کے خطبہ میں آ چکا ہے: اول الدین معرفتہ، حسن عمل دین سے وابستہ ہے اور دین کی پہلی منزل اللہ کی معرفت ہے۔

[2] اللہ کا عقیدہ ہی وہ ہے جو انسان کو جذبات نفس کی رو میں چلنے سے روکتا ہے۔ جذبات نفس کے تقاضوں سے انسان کا بچانا ہی شیطان کو دور کرتا ہے۔

الَّذِیْ تَشْهَدُ لَهٗ اَعْلَامُ الْوُجُوْدِ. عَلٰٓی اِقْرَارِ قَلْبِ ذِی الْجُحُوْدِ. تَعَالَی اللهُ عَمَّا یَقُوْلُ الْمُشَبِّهُوْنَ بِهٖ وَ الْجَاحِدُوْنَ لَهٗ عُلُوًّا کَبِیْرًا! [۱]

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو اسرار پوشیدہ کی گہرائی میں اترا ہوا ہے۔ [۲]

اور عالم شہود کی نشانیاں اس کا پتہ دے رہی ہیں۔ [۳]

مگر وہ خود دیکھنے والوں کی آنکھ کے قابو سے باہر ہے۔ [۴]

تو نہ اس شخص کی آنکھ جس نے اسے دیکھا نہیں اس کے انکار کا حق رکھتی ہے اور نہ اس کا دل جو اس کے وجود کا اقرار رکھتا ہے اس کے دیکھنے کا دعویدار ہے۔ [۵]

وہ بلندی میں سب سے آگے ہے تو کوئی چیز اس سے زیادہ بلند نہیں اور پاس ہونے میں سب سے نزدیک ہے تو کوئی چیز اس سے زیادہ نزدیک نہیں تو نہ اس کی بلندی نے اس کے کسی مخلوق سے اسے دور کر دیا ہے اور نہ اس کی نزدیکی نے اسے مکان میں اس کے برابر بنا

---

[۱] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص ۱۰۷ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۴۹، ص ۲۲۰)

[۲] اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسرار پوشیدہ کی انتہائی تہوں سے واقف ہے مگر دوسرے فقرہ کے ساتھ تقابل کی بنا پر یہ مفہوم زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کنہ حقیقت اسرار مخفی کی انتہائی گہرائی میں ہے جس تک رسائی کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

[۳] یعنی وہ اس کی ہستی کو بتا رہی ہیں اسی عام اصول پر کہ نقش بغیر نقاش کے اور اثر بغیر مؤثر کے نہیں ہو سکتا۔

[۴] اس کا دیدار نہیں ہو سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں اس لئے کہ اسے نہ دیکھ سکنا اگر ہمارے قصور نظر کا نتیجہ ہوتا تو باعتبار زمان و مکان اس میں فرق ہو سکتا تھا مگر وہ تو اس کے ”امتناع ذات“ کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی ذات پر زمان و مکان کا فرق کبھی اثر انداز نہیں ہوتا۔

[۵] مقصد یہ ہے کہ تصدیق عقلی اور مشاہدہ بصری میں کوئی تلازم نہیں ہے لہذا نہ دوسرے کی نفی پہلے کی نفی کو مستلزم ہے اور نہ پہلے کا ثبوت دوسرے کے ثبوت کا باعث ہے۔ بعض کتابوں میں یہ فقرہ اس طرح ہے: ”نہ اس شخص کا دل جس نے اسے دیکھا نہیں اس کا انکار کرتا ہے اور نہ اس کی آنکھ جو اس کے وجود کا اقرار کرتا ہے اس کا مشاہدہ کرتی ہے“۔

دیا ہے۔[1]

اس نے عقلوں کو اپنی صفت کی حد بندی سے واقف نہیں کیا ہے اور انہیں بقدر ضرورت معرفت سے روکا نہیں ہے۔[2]

وہ ذات وہ ہے جس کے لیے وجود کی نشانیاں ہٹ دھرمی سے اس کے انکار کرنے والے کے بھی دلی اقرار کی گواہی دیتی ہیں۔[3]

برتر ہے اللہ اور بہت برتر ان باتوں سے جو اس کے ساتھ اس کے غیر کو مشابہ قرار دینے والے (مشرکین) اور اس کا ہٹ دھرمی سے انکار کرنے والے (ملحدین) اس کی نسبت زبان پر لاتے ہیں۔[4]

---

[1] اس بنا پر کہ نہ وہ بلندی جسمانی ہے نہ نزدیکی۔ وہ بلندی باعتبار شرف وجوب ہے اور یہ نزدیکی بلحاظ احاطہ علم وقدرت۔

[2] یہ نتیجہ ہے ابتدا کے دونوں فقروں کے اس مفہوم کا جسے ہم نے معرفت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

[3] بعض لوگ "شعوری" طور پر اس کے وجود کے منکر بھی ہیں۔ مگر دلائل اتنے قوی ہیں اور ان کا اثر انسانی تحت الشعور میں اتنا راسخ ہے کہ ان منکرین کا دل بھی لاشعوری طور پر اس کا اقرار کرتا ہے۔

[4] یہ بھی بطور لف ونشر سابق کلمات ہیں کے نتیجے ہیں۔ "وہ اسرار پوشیدہ کی گہرائی میں اترا ہوا ہے"۔ بلندی میں سب سے آگے اور عقول اس کی صفت کی حد سے واقف نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعالی عما یقول المشبھون علوا کبیرا دوسری چیزوں کو اس کے مثل و مانند قرار دینے والوں کے مزعومات سے برتر ہے۔ اور عالم شہود کی نشانیاں اس کا پتا دیتی ہیں۔ "سب سے نزدیک ہے ایسا کہ کوئی اس سے زیادہ نزدیک نہیں" اور اس نے انہیں بقدر ضرورت اپنی معرفت سے محروم نہیں کیا۔ اس لئے تعالی عما یقول الجاحدون علوا کبیرا وہ ہٹ دھرمی سے انکار کرنے والوں کی باتوں سے بالاتر ہے۔

(۴)

خطبہ ۶۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَسْبِقْ لَهٗ حَالٌ حَالًا. فَیَكُوْنَ اَوَّلًا قَبْلَ اَنْ یَّكُوْنَ اٰخِرًا، وَ یَكُوْنَ ظَاهِرًا قَبْلَ اَنْ یَّكُوْنَ بَاطِنًا.

كُلُّ مُسَمًّى بِالْوَحْدَةِ غَیْرُهٗ قَلِیْلٌ. وَ كُلُّ عَزِیْزٍ غَیْرُهٗ ذَلِیْلٌ. وَ كُلُّ قَوِیٍّ غَیْرُهٗ ضَعِیْفٌ. وَ كُلُّ مَالِكٍ غَیْرُهٗ مَمْلُوْكٌ. وَ كُلُّ عَالِمٍ غَیْرُهٗ مُتَعَلِّمٌ. وَ كُلُّ قَادِرٍ غَیْرُهٗ یَقْدِرُ وَ یَعْجِزُ. وَ كُلُّ سَمِیْعٍ غَیْرُهٗ یَصَمُّ عَنْ لَّطِیْفِ الْاَصْوَاتِ، وَ یُصِمُّهٗ كَبِیْرُهَا، وَ یَذْهَبُ عَنْهُ مَا بَعُدَ مِنْهَا. وَ كُلُّ بَصِیْرٍ غَیْرُهٗ یَعْمٰى عَنْ خَفِیِّ الْاَلْوَانِ وَ لَطِیْفِ الْاَجْسَامِ. وَ كُلُّ ظَاهِرٍ غَیْرُهٗ غَیْرُ بَاطِنٍ. وَ كُلُّ بَاطِنٍ غَیْرُهٗ غَیْرُ ظَاهِرٍ. لَمْ یَخْلُقْ مَا خَلَقَهٗ لِتَشْدِیْدِ سُلْطَانٍ، وَ لَا تَخَوُّفٍ مِنْ عَوَاقِبِ زَمَانٍ، وَ لَا اسْتِعَانَةٍ عَلٰى نِدٍّ مُّثَاوِرٍ، وَ لَا شَرِیْكٍ مُّكَاثِرٍ، وَ لَا ضِدٍّ مُّنَافِرٍ، وَ لٰكِنْ خَلَآئِقُ مَرْبُوْبُوْنَ، وَ عِبَادٌ دَاخِرُوْنَ. لَمْ یَحْلُلْ فِی الْاَشْیَآءِ فَیُقَالَ: هُوَ فِیْهَا كَآئِنٌ، وَ لَمْ یَنْاَ عَنْهَا فَیُقَالَ: هُوَ مِنْهَا بَآئِنٌ. لَمْ یَؤُدْهُ خَلْقُ مَا ابْتَدَاَ. وَ لَا تَدْبِیْرُ مَا ذَرَاَ. وَ لَا وَقَفَ بِهٖ عَجْزٌ عَمَّا خَلَقَ. وَ لَا وَلَجَتْ عَلَیْهِ شُبْهَةٌ فِیْمَا قَضٰى وَ قَدَّرَ. بَلْ قَضَآءٌ مُّتْقَنٌ، وَ عِلْمٌ مُّحْكَمٌ، وَ اَمْرٌ مُّبْرَمٌ. اَلْمَاْمُوْلُ مَعَ النِّقَمِ، الْمَرْهُوْبُ

مَعَ النِّعَمِ.[1]

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جہاں یہ بات ممکن نہیں کہ پہلے کچھ ہو اور بعد کو کچھ اور[2] پہلے اول ہو اور پھر آخر اور پہلے آشکار ہوا اور پھر پوشیدہ[3]

اس کے سوا جسے ایک کہا جائے اس میں قلت ہوگی اور اس کے سوا جو بھی غالب ہو وہ کبھی مغلوب ہوگا، اور اس کے سوا جو طاقتور ہو وہ کبھی کمزور ہوگا، اور اس کے سوا جو مالک ہوگا وہ کسی کا مملوک ہوگا، اور اس کے سوا جو عالم ہو وہ کسی دوسری سے علم حاصل کئے ہوئے ہوگا، اور اس کے سوا جو قادر ہو وہ کبھی قادر ہوگا اور کبھی عاجز، اور اس کے سوا جو سننے والا ہو وہ بہت دھیمی آواز کے سننے سے قاصر اور بہت تیز آواز کی برداشت سے عاجز ہوگا اور جو دور آواز ہو وہ اسے سنائی نہ دے گی، اور اس کے سوا جو دیکھنے والا ہو وہ ہلکے رنگوں اور اور باریک چیزوں کے دیکھنے سے مجبور رہے گا، اس کے سوا جو آشکار ہو وہ پوشیدہ نہ ہوگا اور جو اس کے سوا پوشیدہ ہو وہ آشکار نہ ہوگا، اس نے جو کچھ پیدا کیا نہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے پیدا کیا نہ زمانہ کی نیرگیوں کا اندیشہ محسوس کر کے "داشتہ آید بکار" کے طور پر، اور نہ کسی حملہ آور حریف کثرت حشم وخدم میں مقابلہ کرنے والے ساجھی اور فخر ومباہات کے میدان میں آنے

---

[1] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ا ص ۱۲۱ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۳ ص ۲۳۷)

[2] کیونکہ تغیر وانقلاب دلیل حدوث ہے اور خالق متعال قدیم بالذات ہے۔

[3] دوسروں کے لئے یہ صفات بطور تضاد ثابت ہوتے ہیں اس لئے ان میں نہ تبدیلی کا امکان ہے اور خالق پر ان اوصاف کا اطلاق باختلاف عبارات ہوتا ہے۔ اس لئے سب نام ایک ساتھ صادق آتے ہیں۔ وہ اول ہے بایں معنی کہ مبداء المبادی ہے اور آخر بایں معنی کہ غایت الغایات اور یہ دونوں باتیں ایک ساتھ ہیں۔ اسی طرح اول ہے ازلی ہونے کے لحاظ سے اور آخر ہے ابدی ہونے کے اعتبار سے اور ازلی وابدی دونوں باتیں وجوب وجود کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے وہ ایک ہی ساتھ حاصل ہیں۔ اسی طرح آشکار ہونا آثار قدرت کے لحاظ سے ہے اور پوشیدہ ہونا کنہ ذات کے اعتبار سے اور یہ دونوں باتیں بھی ایک ہی ساتھ مجتمع ہیں۔

والے کسی مدمقابل کے مقابلہ میں قوت حاصل کرنے کے لیے بلکہ یہ تمام مخلوقات ہیں جن کی اسے تربیت کرنا ہے اور یہ سب کے اس کے بندے ہیں جو اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں وہ کائنات کی تمام چیزوں میں حلول کئے ہوئے نہیں ہے کہ کہا جائے وہ ان کے اندر ہے۔[۱]

اور نہ ان سے دور ہے۔[۲]

کہ کہا جائے وہ ان سے الگ ہے۔ جو کچھ اس نے پہلی ہی دفعہ[۳] پیدا کر دیا اس کے پیدا کرنے یا جو کچھ پیدا کر چکا ہے اس کے انتظام میں اسے کبھی کوئی زحمت پیش نہیں آئی اور نہ کسی مخلوق کے پیدا کرنے سے عاجزی کبھی اس کے سدراہ ہوئی اور نہ جو اس نے فیصلہ کئے اور مقدرات طے کئے ان میں اسے شک و شبہ ہوا بلکہ فیصلہ مضبوط، علم استوار اور معاملہ اٹل ہے۔ سختیوں اور عذابوں میں بھی اس سے امیدوار نعمتوں اور آسائشوں میں بھی اس کا آسرا ہے۔[۴]

(۵)

خطبہ ۸۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلَا بِحَوْلِهٖ، وَ دَنَا بِطَوْلِهٖ، مَانِحِ كُلِّ غَنِیْمَةٍ وَّ فَضْلٍ، وَ كَاشِفِ كُلِّ عَظِیْمَةٍ وَّ اَزْلٍ. اَحْمَدُهٗ عَلٰى عَوَاطِفِ كَرَمِهٖ، وَ سَوَابِغِ نِعَمِهٖ، وَ اُؤْمِنُ بِهٖ اَوَّلًا بَادِیًا، وَ اَسْتَهْدِیْهِ قَرِیْبًا هَادِیًا، وَ اَسْتَعِیْنُهٗ قَادِرًا قَاهِرًا، وَ

---

[۱] اس میں "ہمہ اوست" کی بھی رد ہے جو صوفیہ اور حکماء کے ایک طبقہ کا مسلک ہے اور "تثلیث" کا بھی ابطال ہے جس کے نصاریٰ قائل ہیں اور "اوتار" کے عقیدہ پر بھی ضرب ہے جس کی ہندو جماعت اور نیز باطنیہ اسماعیلیہ وغیرہ معتقد ہیں۔

[۲] کیونکہ دوری بھی صفات اجسام میں سے ہے اور نیز دوری سے علم و قدرت میں کمی کا تصور پیدا ہوتا ہے جو درست نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے وہ رگ گردن سے زیادہ قریب ہے۔

[۳] یعنی بغیر نمونہ کے سامنے رکھے ہوئے۔

[۴] یہی امید و بیم تقاضائے ایمان ہے اور اور اصلاح نفس کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہے۔

اَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ كَافِيًا نَّاصِرًا۔[1]

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو اپنی قوت و قدرت کے اعتبار سے تمام کائنات کی دسترس سے بالا ہے اور اپنے فیض و عطا کے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے۔[2]

ہر دولت و نعمت کا بخشنے والا اور ہر مصیبت اور سختی کا دور کرنے والا ہے۔[3]

میں اس کی ثنا و صفت کرتا ہوں۔ اس کے فضل و کرم کی مہربانیوں اور اس کی بھرپور نعمتوں کی فراوانیوں کی بنا پر۔[4]

اور ایمان لاتا ہوں اس پر کہ وہ ہر ایک سے مقدم اور نمایاں ہے۔ اور رہنمائی کا طلب گار ہوں اس سے کہ وہ قریب اور رہنمائی کا کفیل ہے اور مدد کا خواستگار ہوں اسی سے کہ وہ توانا اور زبردست ہے اور بھروسہ کرتا ہوں اس پر کہ وہی کافی ہے اور مدد پر تیار ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ا ص ۱۴۳ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۰)۔ یہ اس بسیط خطبہ کے ابتدائی فقرات ہیں جو "خطبہ عجیبہ" اور "خطبہ غراء" کے ناموں سے موسوم ہے۔

[2] ان دونوں فقروں میں صنعت طباق و تضاد اس طرح ہے کہ دسترس سے بالا ہونے کا لازمہ بظاہر یہ ہونا چاہیے کہ ہم سے دور ہو اور جب دور ہو تو ہماری اچھائی برائی کی خبر بھی نہ رکھے مگر وہاں ایسا نہیں ہے وہ قدرت و قوت میں دسترس سے بالا ہونے کے باوجود فیض و عطا کے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے۔ اور ہر دکھ درد سے ہمارے باخبر۔ اسی اعتبار سے قرآن میں ہے اقرب من حبل الورید، رگ گردن سے زیادہ نزدیک کہا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں کا اجتماع کسی مخلوق میں نہیں ہوتا۔ مخلوق تو اگر ذرا بڑا اور طاقتور ہوتا ہے تو وہ کمزور اور پست افراد کی طرف نظر بھر کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

[3] یعنی اس کی قدرت کسی دولت و نعمت کے بخشنے اور کسی مصیبت و سختی کے دور کرنے سے قاصر نہیں ہے۔ مگر وہ ایسا کرتا اسی حد تک ہے جس حد تک حکمت و مصلحت کے مطابق ہو۔

[4] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حمد بربنائے شکر ہے۔

(۲)

خطبہ ۸۳

وَ اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. اَلْاَوَّلُ لَا شَيْءَ قَبْلَهٗ. وَ الْاٰخِرُ لَا غَايَةَ لَهٗ. لَا تَقَعُ الْاَوْهَامُ لَهٗ عَلٰى صِفَةٍ، وَ لَا تُعْقَدُ الْقُلُوْبُ مِنْهُ عَلٰى كَيْفِيَّةٍ، وَ لَا تَنَالُهُ التَّجْزِئَةُ وَ التَّبْعِيْضُ. وَلَا تُحِيْطُ بِهِ الْاَبْصَارُ وَ الْقُلُوْبُ.[۱]

میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پہلا ایسا جس کے پہلے کوئی چیز نہیں۔[۲]

اور آخری ایسا جس کی کوئی انتہا نہیں۔[۳]

تصورات اس کی کسی صفت کی تہہ تک پہنچ نہیں سکتے۔[۴]

اور دل اس کے لیے کسی کیفیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔[۵]

اور تقسیم و تجزیہ اسے پا نہیں سکتا۔[۶]

اور آنکھیں اور دل و دماغ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔[۷]

---

[۱] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص ۱۶۱ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۳، ص ۲۷۳)۔

[۲] کیونکہ ازلی ہے، ہمیشہ سے ہے۔

[۳] کیونکہ ابدی ہے اس کے لئے فنا نہیں۔

[۴] اس لئے کہ اس کے لئے ذات کے علاوہ صفات ہیں نہیں اور کنہ ذات کا اس کی تصور غیر ممکن ہے۔

[۵] کیونکہ کیفیات حادث ہوتے ہیں اور وہ ذات واجب میں قائم نہیں ہو سکتے۔

[۶] کیونکہ اگر اجزاء سے مرکب ہو تو اجزاء کا محتاج قرار پائے اور تحلیل اس کی اجزاء کی طرف ہو سکے تو وہ جسم قرار پائے اور جسم کے لئے احتیاج لازم ہے۔

[۷] آنکھیں احاطہ نہیں کر سکتیں یہ "نفی رویت" ہے اور دل و دماغ احاطہ نہیں کر سکتے اس کے معنی وہی ہیں کہ اس کی کنہ حقیقت کا تصور غیر ممکن ہے۔

(۷)

خطبہ ۸۴

قَدْ عَلِمَ السَّرَآئِرَ، وَ خَبَرَ الضَّمَآئِرَ، لَهُ الْاِحَاطَةُ بِكُلِّ شَیْءٍ، وَ الْغَلَبَةُ لِكُلِّ شَیْءٍ، وَ الْقُوَّةُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ.[1]

وہ پوشیدہ رازوں باخبر اور دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ اس کے لیے احاطہ ہے ہر شے پر اور غلبہ ہے ہر چیز پر اور طاقت ہے ہر بات پر۔[2]

(۸)

خطبہ ۸۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَعْرُوْفِ مِنْ غَیْرِ رُؤْیَةٍ، وَ الْخَالِقِ مِنْ غَیْرِ رَوِیَّةٍ، الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ قَآئِمًا دَآئِمًا، اِذْ لَا سَمَآءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ، وَ لَا حُجُبٌ ذَاتُ اِرْتَاجٍ، وَ لَا لَیْلٌ دَاجٍ، وَ لَا بَحْرٌ سَاجٍ، وَ لَا جَبَلٌ ذُوْ فِجَاجٍ، وَ لَا فَجٌّ ذُو اعْوِجَاجٍ، وَ لَآ اَرْضٌ ذَاتُ مِهَادٍ، وَ لَا خَلْقٌ ذُوا اعْتِمَادٍ: ذٰلِكَ مُبْتَدِعُ الْخَلْقِ وَ وَارِثُهٗ، وَ اِلٰهُ الْخَلْقِ وَ رَازِقُهٗ، وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ دَآئِبَآنِ فِیْ مَرْضَاتِهٖ: یُبْلِیَانِ كُلَّ جَدِیْدٍ، وَ یُقَرِّبَانِ كُلَّ بَعِیْدٍ. قَسَمَ اَرْزَاقَهُمْ، وَ اَحْصٰی اٰثَارَهُمْ وَ اَعْمَالَهُمْ، وَ عَدَدَ اَنْفَاسِهِمْ، وَ خَآئِنَةَ اَعْیُنِهِمْ وَ مَا

---

[1] نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۶۲ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۴، ص ۲۷۴)۔

[2] اس فقرے کا پہلا جزو علم سے متعلق ہے اور دوسرے دونوں جزو قدرت سے۔ ان میں سے پہلے میں قدرت کا اظہار ہے مزاحم افراد اور اشیاء کے مقابلہ میں جو اس کے مقاصد میں سدراہ ہونا چاہئیں اور دوسرے میں قدرت کا اظہار ہے اس کے اپنے افعال میں جو اسے مطلوب ہوں۔

تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ مِنَ الضَّمِيْرِ. وَمُسْتَقَرُّهُمْ وَ مُسْتَوْدَعُهُمْ مِنَ الْاَرْحَامِ وَالظُّهُوْرِ. اِلٰٓى اَنْ تَتَنَاهٰى بِهِمُ الْغَايَاتُ.

هُوَ الَّذِي اشْتَدَّتْ نِقْمَتُهٗ عَلٰى اَعْدَآئِهٖ فِيْ سَعَةِ رَحْمَتِهٖ. وَ اتَّسَعَتْ رَحْمَتُهٗ لِاَوْلِيَآئِهٖ فِيْ شِدَّةِ نِقْمَتِهٖ. قَاهِرُ مَنْ عَازَّهٗ. وَ مُدَمِّرُ مَنْ شَاقَّهٗ. وَ مُذِلُّ مَنْ نَاوَاهُ. وَ غَالِبُ مَنْ عَادَاهُ. مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ. وَ مَنْ سَئَلَهٗ اَعْطَاهُ. وَ مَنْ اَقْرَضَهٗ قَضَاهُ. وَ مَنْ شَكَرَهٗ جَزَاهُ.[1]

ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو بغیر دیکھے جانا پہچانا ہوا اور بغیر سوچ بچار کے پیدا کرنے والا ہے۔[2]

جو ہمیشہ سے قائم و برقرار رہا جب نہ آسمان تھا برجوں والا اور نہ پردے تھے بڑے پھاٹکوں والے۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۷۲ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۸، ص ۲۸۴)۔

[2] غور و فکر کی ضرورت ہو تو ایک احتیاج ہے اور احتیاج نقص ہے جس سے ذات الٰہی بری ہے۔ غور و فکر کی ضرورت علم حصولی نظری میں ہوتی ہے اور اللہ کا علم ہر شے کے بارے میں حضوری ہے اس لئے محتاج غور و فکر نہیں ہے۔ غور و فکر کو اگر کام میں تردد کے معنی میں لیا جائے تو وہ اس لیے وہاں نہیں کہیں کہ غور و فکر نتائج سے پورے طور پر عدم واقفیت اور جہات سے مصالح پر عدم احتیاط کی بنا پر ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں جہالت میں داخل ہیں جو خالق متعال کے لئے ممکن نہیں۔

[3] حجب اور سرادقات، پردوں اور سراپا پردوں کا ذکر اکثر کلمات معصومین علیہم السلام اور ادعیہ میں وارد ہے مگر ان کی حقیقت سمجھنے سے ہمارے افہام جو مادیت میں گھرے ہوئے ہیں، قاصر ہیں۔ پردے اور ان کے بڑے بڑے دروازے جن کے لیے ترجمہ میں ہم نے پھاٹک کی لفظ استعمال کی ہے پتہ دیتے ہیں کہ وہاں ایک شے محیط ہے جسے بطور پردہ سمجھا جائے اور پھر اس میں نفوذ کے وسیع راستے ہیں جنہیں ان کا پھاٹک سمجھا جائے۔

نہ سناٹے والی رات اور نہ تھما ہوا سمندر، نہ گھاٹیوں والے پہاڑ اور نہ پیچ و خم رکھنے والی گھاٹیاں، نہ بچھونے کی طرح والی زمین۔[۱]

اور نہ قوت و طاقت والی مخلوق۔ وہی اس خلق کو نیستی سے ہستی میں لانے والا تھا اور وہی اس کے دوبارہ نیست ہونے کے بعد باقی رہنے والا ہے۔[۲]

اور وہی اس مخلوق کا قبلہ حاجت اور اس کا ولی نعمت ہے اور آفتاب و ماہتاب جان کھپائے ہیں اسی کی خوشنودی میں۔[۳]

اور وہ ہر نئے کو پرانا کرتے اور ہر تو دور کو نزدیک لاتے ہیں اس نے سب آدمیوں کی روزیاں تقسیم کیں اور وہ نہ ان کے واقعات کارناموں سانسوں کے شمار و دزدیدہ نگاہیوں، دلوں کی چھپی ہوئی نیتوں اور شکم مادر اور صلب پدر میں ان کے رہنے اور امانت رکھے جانے کے مقاموں سے لے کر ان کے آخری انجاموں تک پر پورا احاطہ رکھتا ہے۔[۴]

وہ وہ ہے کہ جس کا غضب اس کی وسعت رحمت کے باوجود اپنے دشمنوں پر بہت شدید

---

[۱] قرآن میں بھی زمین کو بچھونا کہا گیا ہے والارض مہادا۔ اسے کرویت زمین کے مخالف نہیں سمجھنا چاہیے اسی لئے قرآن و حدیث کی نظر اس مصرف پر ہے جو زمین کا ہمارے لئے ہے۔ وہ پوری بطور کرہ طرح سہی مگر جو حصہ اس کا ہمارے تحت تصرف ہے وہ تو محسوس طور پر بصورت فرش ہی ہے۔

[۲] یہ اسی کی دلیل ہے کہ وہ کوئی قوت نہیں جو اسی کائنات کے اندر جاری و ساری ہو بلکہ وہ ایک ذات ہے جو اس کائنات سے بے نیاز طور پر موجود ہے۔

[۳] یہ تسخیری اطاعت ہے جو کائنات کا ہر ذرہ کر رہا ہے مگر آفتاب و ماہتاب کے حرکات و افعال چونکہ نمایاں زیادہ ہیں اس لیے ان کی خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

[۴] اس سے ان فلاسفہ کی رد ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں۔ اسی لئے جزئیات کے بیان میں یہاں اور بعض دوسرے مقامات پر اس سے بھی زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے جو سننے والے کے ذہن میں زیادہ سے زیادہ اس حقیقت کو جاگزیں بنا دے۔ درحقیقت انسان کو اپنے کردار میں محاسبہ کا اندیشہ جو اصلاح عمل کا محرک ہوتا ہے اس حقیقت کو سمجھنے سے وابستہ ہے کہ اللہ کو جزئی سے بھی جزئی بات کا علم ہوتا ہے۔

ہے اور جس کی رحمت اس کی شدت غضب کے باوجود اپنے دوستوں پر نہایت وسیع ہے۔[۱]

وہ دبا دینے والا ہے اس کا جو عزت میں اس کا مقابلہ کرے اور تباہ کرنے والا ہے اس کا جو اس سے مخالفت کرے اور ذلیل کر دینے والا ہے اس کا جو اس سے لاگ ڈانٹ کرے اور غلبہ پانے والا ہے اس پر جو اس سے عداوت باندھے اور جو اس پر بھروسا کرے وہ اس کے لیے کافی ہے اور جو اس سے مانگے وہ اسے دیتا ہے اور جو اس کو قرضہ دے وہ اسے ادا کرتا ہے۔[۲]

اور جو اس کی نعمتوں کا حق ادا کرے گا وہ اسے صلہ عطا کرے گا۔[۳]

(۹)

خطبہ ۸۹

تُعْرَفُ "بِخُطْبَةِ الْاَشْبَاحِ" وَ هِيَ مِنْ جَلَآئِلِ خُطَبِهٖ علیہ السلام وَ كَانَ سَئَلَهٗ سَآئِلٌ اَنْ يَّصِفَ اللّٰهَ حَتّٰى كَاَنَّهٗ يَرَاهُ عِيَانًا. فَغَضِبَ علیہ السلام لِذٰلِكَ (وَ قَالَ:).

(الف):

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَا يَفِرُهُ الْمَنْعُ وَ الْجُمُوْدُ. وَ لَا يُكْدِيْهِ

[۱] طبعی تقاضوں میں عموماً یک رنگی ہوتی ہے۔ خدا کی رحمت یا اس کا غضب کوئی طبعی تقاضا نہیں جس کا نتیجہ ہمیشہ ایک ہی طرح رونما ہو بلکہ وہ دونوں حکمت کا تقاضا ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک اپنے محل پر ثابت ہے۔

[۲] قرآن میں خیر خیرات کی دعوت دیتے ہوئے یہ الفاظ صرف ہوئے ہیں واقرضوا اللہ قرضاً حسناً۔ چونکہ قرضہ میں یہی ہوتا ہے کہ اپنے پاس سے اس وقت جاتا ہے اور ملتا بعد کو ہے۔ اسی طرح عمل خیر کی جزا اس وقت نہیں ملتی بعد کو ملے گی۔ اس لئے اس کو قرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرض کا ادا کرنا اس کی جزا کا دینا ہے جو بر بنائے وعدہ اللہ کے لیے لازم ہے اور جس کا تخلف ممکن نہیں ہے۔

[۳] نعمتوں کا حق ادا کرنا "شکر" ہے اور اس کا صلہ نعمتوں میں اضافہ ہے جیسے کہ ارشاد ہوا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (سورہ ابراہیم: ۷)

الْاِعْطَآءُ وَ الْجُوْدُ. اِذْ كُلُّ مُعْطٍ مُّنْتَقِصٌ سِوَاهُ. وَ كُلُّ مَانِعٍ مَّذْمُوْمٌ مَا خَلَاهُ. وَ هُوَ الْمَنَّانُ بِفَوَآئِدِ النِّعَمِ. وَ عَوآئِدِ الْمَزِيْدِ وَ الْقِسَمِ. عِيَالُهُ الْخَلَآئِقُ. ضَمِنَ اَرْزَاقَهُمْ. وَ قَدَّرَ اَقْوَاتَهُمْ. وَ نَهَجَ سَبِيْلَ الرَّاغِبِيْنَ اِلَيْهِ. وَ الطَّالِبِيْنَ مَا لَدَيْهِ. وَ لَيْسَ بِمَا سُئِلَ بِاَجْوَدَ مِنْهُ بِمَا لَمْ يُسْئَلُ.

اَلْاَوَّلُ الَّذِىْ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ قَبْلٌ فَيَكُوْنَ شَىْءٌ قَبْلَهٗ. وَ الْاٰخِرُ الَّذِىْ لَيْسَ لَهٗ بَعْدٌ فَيَكُوْنَ شَىْءٌ بَعْدَهٗ. وَ الرَّادِعُ اَنَاسِىَّ الْاَبْصَارِ عَنْ اَنْ تَنَالَهٗ اَوْ تُدْرِكَهٗ. مَا اخْتَلَفَ عَلَيْهِ دَهْرٌ فَيَخْتَلِفَ مِنْهُ الْحَالُ. وَ لَا كَانَ فِىْ مَكَانٍ فَيَجُوْزَ عَلَيْهِ الْاِنْتِقَالُ.

وَ لَوْ وَهَبَ مَا تَنَفَّسَتْ عَنْهُ مَعَادِنُ الْجِبَالِ. وَ ضَحِكَتْ عَنْهُ اَصْدَافُ الْبِحَارِ. مِنْ فِلِزِّ اللُّجَيْنِ وَ الْعِقْيَانِ. وَ نُثَارَةِ الدُّرِّ وَ حَصِيْدِ الْمَرْجَانِ. مَا اَثَّرَ ذٰلِكَ فِىْ جُوْدِهٖ. وَ لَاَ اَنْفَدَ سَعَةَ مَا عِنْدَهٗ. وَ لَكَانَ عِنْدَهٗ مِنْ ذَخَآئِرِ الْاِنْعَامِ مَا لَا تُنْفِدُهٗ مَطَالِبُ الْاَنَامِ. لِاَنَّهُ الْجَوَادُ الَّذِىْ لَا يَغِيْضُهٗ سُؤَالُ السَّآئِلِيْنَ. وَ لَا يُبْخِلُهٗ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّيْنَ.

(ب):

اسی خطبہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الْقَادِرُ الَّذِىْٓ اِذَا ارْتَمَتِ الْاَوْهَامُ لِتُدْرِكَ مُنْقَطَعَ

قُدْرَتِهٖ. وَ حَاوَلَ الْفِكْرُ الْمُبَرَّأُ مِنْ خَطَرَاتِ الْوَسَاوِسِ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ فِيْ عَمِيْقَاتِ غُيُوْبِ مَلَكُوْتِهٖ. وَ تَوَلَّهَتِ الْقُلُوْبُ اِلَيْهِ لِتَجْرِيَ فِيْ كَيْفِيَّةِ صِفَاتِهٖ. وَ غَمَضَتْ مَدَاخِلُ الْعُقُوْلِ فِيْ حَيْثُ لَا تَبْلُغُهُ الصِّفَاتُ لِتَنَاوُلِ عِلْمِ ذَاتِهٖ. رَدَعَهَا وَ هِيَ تَجُوْبُ مَهَاوِيَ سُدَفِ الْغُيُوْبِ. مُتَخَلِّصَةً اِلَيْهِ - سُبْحَانَهٗ - فَرَجَعَتْ اِذْ جُبِهَتْ. مُعْتَرِفَةً بِاَنَّهٗ لَا يُنَالُ بِجَوْرِ الْاِعْتِسَافِ كُنْهُ مَعْرِفَتِهٖ. وَ لَا تَخْطُرُ بِبَالِ اُولِي الرَّوِيَّاتِ خَاطِرَةٌ مِّنْ تَقْدِيْرِ جَلَالِ عِزَّتِهٖ.

اَلَّذِيْ ابْتَدَعَ الْخَلْقَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ امْتَثَلَهٗ. وَ لَا مِقْدَارٍ احْتَذٰى عَلَيْهِ. مِنْ خَالِقٍ مَّعْبُوْدٍ كَانَ قَبْلَهٗ. وَ اَرَانَا مِنْ مَّلَكُوْتِ قُدْرَتِهٖ. وَ عَجَآئِبِ مَا نَطَقَتْ بِهٖ اٰثَارُ حِكْمَتِهٖ. وَ اعْتِرَافِ الْحَاجَةِ مِنَ الْخَلْقِ اِلٰى اَنْ يُّقِيْمَهَا بِمَسَاكِ قُوَّتِهٖ. مَا دَلَّنَا بِاضْطِرَارِ قِيَامِ الْحُجَّةِ لَهٗ عَلٰى مَعْرِفَتِهٖ. وَ ظَهَرَتْ فِي الْبَدَآئِعِ الَّتِيْ اَحْدَثَهَآ اٰثَارُ صَنْعَتِهٖ. وَ اَعْلَامُ حِكْمَتِهٖ. فَصَارَ كُلُّ مَا خَلَقَ حُجَّةً لَّهٗ وَ دَلِيْلًا عَلَيْهِ. وَ اِنْ كَانَ خَلْقًا صَامِتًا. فَحُجَّتُهٗ بِالتَّدْبِيْرِ نَاطِقَةٌ. وَ دَلَالَتُهٗ عَلَى الْمُبْدِعِ قَآئِمَةٌ.

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مَنْ شَبَّهَكَ بِتَبَايُنِ اَعْضَآءِ خَلْقِكَ. وَ تَلَاحُمِ حِقَاقِ مَفَاصِلِهِمُ الْمُحْتَجِبَةِ لِتَدْبِيْرِ حِكْمَتِكَ. لَمْ يَعْقِدْ غَيْبَ ضَمِيْرِهٖ عَلٰى مَعْرِفَتِكَ. وَ لَمْ يُبَاشِرْ قَلْبَهٗ

الْيَقِيْنُ بِاَنَّهٗ لَا نِدَّ لَكَ. وَ كَاَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْ تَبَرُّؤَ التَّابِعِيْنَ مِنَ الْمَتْبُوْعِيْنَ اِذْ يَقُوْلُوْنَ: ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ـ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾. كَذَبَ الْعَادِلُوْنَ بِكَ، اِذْ شَبَّهُوْكَ بِاَصْنَامِهِمْ وَ نَحَلُوْكَ حِلْيَةَ الْمَخْلُوْقِيْنَ بِاَوْهَامِهِمْ، وَ جَزَّاُوْكَ تَجْزِئَةَ الْمُجَسَّمَاتِ بِخَوَاطِرِهِمْ، وَ قَدَّرُوْكَ عَلَى الْخِلْقَةِ الْمُخْتَلِفَةِ الْقُوٰى، بِقَرَآئِحِ عُقُوْلِهِمْ.

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مَنْ سَاوَاكَ بِشَیْءٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَقَدْ عَدَلَ بِكَ، وَ الْعَادِلُ بِكَ كَافِرٌ بِمَا تَنَزَّلَتْ بِهٖ مُحْكَمَاتُ اٰيَاتِكَ، وَ نَطَقَتْ عَنْهُ شَوَاهِدُ حُجَجِ بَيِّنَاتِكَ، وَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَمْ تَتَنَاهَ فِی الْعُقُوْلِ، فَتَكُوْنَ فِیْ مَهَبِّ فِكْرِهَا مُكَيَّفًا، وَ لَا فِیْ رَوِيَّاتِ خَوَاطِرِهَا فَتَكُوْنَ مَحْدُوْدًا مُّصَرَّفًا.

[وَ مِنْهَا]

قَدَّرَ مَا خَلَقَ فَاَحْكَمَ تَقْدِيْرَهٗ، وَ دَبَّرَهٗ فَاَلْطَفَ تَدْبِيْرَهٗ، وَ وَجَّهَهٗ لِوِجْهَتِهٖ فَلَمْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ مَنْزِلَتِهٖ، وَ لَمْ يَقْصُرْ دُوْنَ الْاِنْتِهَآءِ اِلٰى غَايَتِهٖ، وَ لَمْ يَسْتَصْعِبْ اِذْ اُمِرَ بِالْمُضِیِّ عَلٰۤى اِرَادَتِهٖ، وَ كَيْفَ وَ اِنَّمَا صَدَرَتِ الْاُمُوْرُ عَنْ مَّشِيّٓـَٔتِهٖ؟ اَلْمُنْشِئُ اَصْنَافَ الْاَشْيَآءِ بِلَا رَوِيَّةِ فِكْرٍ اٰلَ اِلَيْهَا، وَ لَا قَرِيْحَةِ غَرِيْزَةٍ اَضْمَرَ عَلَيْهَا، وَ لَا تَجْرِبَةٍ اَفَادَهَا مِنْ حَوَادِثِ الدُّهُوْرِ، وَ لَا شَرِيْكٍ اَعَانَهٗ عَلٰى

ابْتِدَاعِ عَجَآئِبِ الْاُمُوْرِ. فَتَمَّ خَلْقُهٗ. وَ اَذْعَنَ لِطَاعَتِهٖ. وَ اَجَابَ اِلٰى دَعْوَتِهٖ. وَ لَمْ يَعْتَرِضْ دُوْنَهٗ رَيْثُ الْمُبْطِئِ. وَ لَآ اَنَاةُ الْمُتَلَكِّئِ. فَاَقَامَ مِنَ الْاَشْيَآءِ اَوَدَهَا. وَ نَهَجَ حُدُوْدَهَا. وَ لَآءَمَ بِقُدْرَتِهٖ بَيْنَ مُتَضَادِّهَا. وَ وَصَلَ اَسْبَابَ قَرَآئِنِهَا. وَ فَرَّقَهَا اَجْنَاسًا مُخْتَلِفَاتٍ فِى الْحُدُوْدِ وَ الْاَقْدَارِ. وَ الْغَرَآئِزِ وَ الْهَيْئَاتِ. بَدَايَا خَلَآئِقَ اَحْكَمَ صُنْعَهَا. وَ فَطَرَهَا عَلٰى مَآ اَرَادَ وَ ابْتَدَعَهَا!.

(ج):

عَالِمُ السِّرِّ مِنْ ضَمَآئِرِ الْمُضْمِرِيْنَ. وَ نَجْوَى الْمُتَخَافِتِيْنَ. وَ خَوَاطِرِ رَجْمِ الظُّنُوْنِ. وَ عُقَدِ عَزِيْمَاتِ الْيَقِيْنِ. وَ مَسَارِقِ اِيْمَاضِ الْجُفُوْنِ. وَ مَا ضَمِنَتْهُ اَكْنَانُ الْقُلُوْبِ وَ غَيَابَاتُ الْغُيُوْبِ. وَ مَآ اَصْغَتْ لِاسْتِرَاقِهٖ مَصَآئِخُ الْاَسْمَاعِ. وَ مَصَآئِفِ الذَّرِّ. وَ مَشَاتِى الْهَوَامِّ. وَ رَجْعِ الْحَنِيْنِ مِنَ الْمُوْلَهَاتِ. وَ هَمْسِ الْاَقْدَامِ. وَ مُنْفَسَحِ الثَّمَرَةِ مِنْ وَلَآئِجِ غُلُفِ الْاَكْمَامِ. وَ مُنْقَمَعِ الْوُحُوْشِ مِنْ غِيْرَانِ الْجِبَالِ وَ اَوْدِيَتِهَا. وَ مُخْتَبَاِ الْبَعُوْضِ بَيْنَ سُوْقِ الْاَشْجَارِ وَ اَلْحِيَتِهَا. وَ مَغْرَزِ الْاَوْرَاقِ مِنَ الْاَفْنَانِ. وَ مَحَطِّ الْاَمْشَاجِ مِنْ مَسَارِبِ الْاَصْلَابِ. وَ نَاشِئَةِ الْغُيُوْمِ وَ مُتَلَاحِمِهَا. وَ دُرُوْرِ قَطْرِ السَّحَابِ فِىْ مُتَرَاكِمِهَا. وَ مَا تَسْفِى الْاَعَاصِيْرُ بِذُيُوْلِهَا. وَ تَعْفُو الْاَمْطَارُ بِسُيُوْلِهَا. وَ عَوْمِ بَنَاتِ الْاَرْضِ فِىْ

كُثْبَانِ الرِّمَالِ. وَ مُسْتَقَرِّ ذَوَاتِ الْاَجْنِحَةِ بِذُرٰى
شَنَاخِيْبِ الْجِبَالِ. وَ تَغْرِيْدِ ذَوَاتِ الْمَنْطِقِ فِيْ دَيَاجِيْرِ
الْاَوْكَارِ. وَ مَآ اَوْعَبَتْهُ الْاَصْدَافُ. وَ حَضَنَتْ عَلَيْهِ اَمْوَاجُ
الْبِحَارِ. وَ مَا غَشِيَتْهُ سُدْفَةُ لَيْلٍ. اَوْ ذَرَّ عَلَيْهِ شَارِقُ
نَهَارٍ. وَ مَآ اعْتَقَبَتْ عَلَيْهِ اَطْبَاقُ الدَّيَاجِيْرِ. وَ سُبُحَاتُ
النُّوْرِ. وَ اَثَرِ كُلِّ خَطْوَةٍ. وَ حِسِّ كُلِّ حَرَكَةٍ. وَ رَجْعِ كُلِّ
كَلِمَةٍ. وَ تَحْرِيْكِ كُلِّ شَفَةٍ. وَ مُسْتَقَرِّ كُلِّ نَسَمَةٍ. وَ
مِثْقَالِ كُلِّ ذَرَّةٍ. وَ هَمَاهِمِ كُلِّ نَفْسٍ هَامَّةٍ. وَ مَا عَلَيْهَا
مِنْ ثَمَرِ شَجَرَةٍ. اَوْ سَاقِطِ وَرَقَةٍ. اَوْ قَرَارَةِ نُطْفَةٍ. اَوْ
نُقَاعَةِ دَمٍ وَّ مُضْغَةٍ. اَوْ نَاشِئَةِ خَلْقٍ وَّ سُلَالَةٍ.

لَمْ تَلْحَقْهُ فِيْ ذٰلِكَ كُلْفَةٌ. وَ لَا اعْتَرَضَتْهُ فِيْ حِفْظِ مَا
ابْتَدَعَ مِنْ خَلْقِهٖ عَارِضَةٌ. وَ لَا اعْتَوَرَتْهُ فِيْ تَنْفِيْذِ
الْاُمُوْرِ وَ تَدَابِيْرِ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَلَالَةٌ وَّ لَا فَتْرَةٌ. بَلْ
نَفَذَهُمْ عِلْمُهٗ. وَ اَحْصَاهُمْ عَدُّهٗ. وَ وَسِعَهُمْ عَدْلُهٗ. وَ
غَمَرَهُمْ فَضْلُهٗ. مَعَ تَقْصِيْرِهِمْ عَنْ كُنْهِ مَا هُوَ اَهْلُهٗ.[1]

حضرت کا وہ مہتم بالشان خطبہ جو خطبہ اشباح کے نام سے مشہور ہے۔ کسی سائل نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کا اس طرح وصف بیان کر دیجیے جیسا کہ ہم آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے ہوں۔ یہ سن کر آپ غضبناک ہو گئے اور فرمایا:

سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جسے نعمت و عطا کا روکنا خزانہ کے بڑھانے کا سبب اور کثرت سے عطا و فیض کا بخشنا کبھی بھی عاجزی کا باعث نہیں ہے کیونکہ اس کے سوا جو بھی داد و

---

[1] نہج البلاغہ طبع مصر ج ا ص ۱۷۴ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۸۵)۔

واہش کرتا ہے اس سے اس کے پاس کچھ کمی ہو جاتی ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا جب عطاو فیض سے انکار کرتا ہے تو اس کی مذمت کی جاسکتی ہے۔[1]

اور وہ طرح طرح کی نعمتوں کے فیض اور گونا گون امدادیں پہنچا کر احسانات کرنے والا ہے جس کے دست نگر تمام مخلوقات ہیں۔ اس نے ان کے رزقوں کی ذمہ داری لی ہے۔[2]

ان کی روزیاں مقرر کر دیں اور اپنی طرف رخ کرنے والوں اور اس کے پاس کے اجر و ثواب کے طلبگاروں کے لیے بھی راستہ بنا دیا ہے۔[3]

اس کی فیاضی کا انحصار اس پر نہیں کہ اس سے سوال کیا جائے تو عطا کرے اور نہ سوال کیا جائے تو نہ دے۔[4]

وہ پہلا جس کے پہلے کا تصور ہی غلط ہے تا کہ کوئی چیز اس سے پہلے ہو۔[5]

اور وہ آخر جس کے بعد کا تصور ہی نہیں صحیح تا کہ کوئی چیز اس کے بعد ہو۔[6]

---

[1] خالق کا عطا و فیض سے انکار اس بناء پر ہوتا ہے کہ وہ عطا نظام مجموعی کی مصلحت کے خلاف ہے اور فرد کا مفاد تمام نظام کے مقابلہ میں نظر انداز کئے جانے کے قابل ہے اس لئے انکار ہمیشہ مستحسن ہی ہوتا ہے اور اس کا جو انکار کرتا ہے وہ کبھی صرف بر بنائے بخل ہوتا ہے اور کبھی بر بنائے رقابت اور کبھی خود اپنی ضرورت مندی کے خطرے سے اور ان میں سے ہر صورت میں وہ مستحق مذمت قرار پاتا ہے۔ اللہ اس قسم کے انکار سے بری ہے۔

[2] اس ذمہ داری کو سب کے لئے پورا کیا گیا ہے اسباب رزق کو پیدا اور قوائے عمل پر ہر ایک کو عطا فرما کر۔ یہ کہ وہ اس معنی سے ذمہ دار ہے کہ اب کسی کو جدو جہد کی بھی ضرورت نہیں۔

[3] اپنے پسندیدہ دین اور کردار کی طرف رہنمائی کر کے۔

[4] بے شک دعا کا حکم احساس عبودیت کے زندہ رکھنے کے لئے ہے اور اس طرح وہ مستقل عبادت ہے اور اس عبادت کی طرف بندوں کو راغب کرنے کے لئے بعض نتائج کے حصول کو دعا کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ وہ دعا کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کا نام استجابت دعا ہے۔

[5] قدیم بذات اور ازلی ہوتے ہوئے "قبل" کی لفظ کی اضافت ہی اس کی ذات کی طرف بے معنی ہے اور جب یہ مفہوم غیر ممکن الثبوت ہے تو اس کے مصداق کا سوال ہی کیا؟

[6] ابدی اور لازوال ہوتے ہوئے بعد کی لفظ کی اضافت اس کی طرف صحیح نہیں اور اس مفہوم کا ثبوت امر محال ہے لہٰذا اس کے مصداق کا تصور کیسا؟

وہ جو آنکھوں کی پتلیوں کو اپنے پانے یا اپنے تک پہنچنے کی کوشش سے ڈانٹ کر روک دینے والا ہے۔ [1]

اس پر زمانہ کی آمد و رفت نہیں تا کہ اس کے حالات میں اختلاف پیدا ہو۔ [2]

اور نہ وہ کسی مکان میں محدود ہے تا کہ منتقل ہونا اس کے لیے درست سمجھا جائے۔ [3]

اگر وہ سب کچھ دے دے جسے پہاڑوں کی کانیں اپنی سانسوں سے برآمد کرتی۔ [4]

اور سمندروں کی سیپیاں ہنسی ہنسی میں نمایاں کرتی ہیں۔ [5]

چاندی اور سونے کی دھاتوں اور بکھرے ہوئے موتیوں اور درو کئے ہوئے مونگے کی صورت میں۔ [6]

تو یہ اس کی فیاضی پر کچھ بھی اثر انداز اور اس کے پاس کی دولت کے ختم کرنے کے ذرا

---

[1] یہ انداز تعبیر اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اس کا جلال و کمال مانع رویت ہے نہ کہ ہمارا نقص احساس اس کے بعد جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے دنیا اور آخرت کی تفریق غیر معقول ہے۔

[2] زمانہ اگر مقدار حرکت فلک کا نام ہے تو وہ انہی چیزوں کے لئے ہو سکتا ہے جو فلک سے مؤخر ہوں اور اگر کوئی اور امر موہوم ہے تو بھی معروض اس کا وہ حقیقت ثابتہ نہیں ہو سکتی جو حدود زمانہ میں اسیر نہیں ہے۔

[3] مکان صفات اجسام میں سے ہے اس لئے ذات الٰہی کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا اور انتقال جو لوازم حرکت میں سے ہے نیستی و ہستی کی آمیزش کا کرشمہ ہوتا ہے اس لئے ذات حق سبحانہ کے لئے ناممکن ہے۔

[4] بخارات کے احتباس اور ان کے اثرات سے معاون کا وجود ہوتا ہے ان کے لئے سانسوں کی لفظ ادبی حیثیت سے کتنی بیش قیمت ہے۔

[5] سیپ کے اندر سے موتی کے ظاہر ہونے کے لئے "ہنسی" یعنی "خندہ دنداں نما" کی تعبیر بھی کس قدر حسین و لطیف ہے۔

[6] گذشتہ دونوں فقروں کے بعد یہ تفصیل لف و نشر کے طور پر ہے یعنی پہاڑوں کی کانیں اپنی سانسوں سے جو برآمد کرتی ہیں وہ کیا ہے؟ چاندی اور سونے کی دھاتیں اور سیپیاں اپنی ہنسی میں جسے ظاہر کرتی ہیں وہ آبدار موتی ہیں، مونگے کا ذکر صرف موتی کے تناسب سے کر دیا گیا ہے۔ مونگے کے لئے "درو" کی لفظ اس نشو و نما کی صفت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی بنا پر "مرجان" کو بعض علماء نے نباتات میں داخل سمجھا ہے اور جس کے اعتبار سے "شاخ مرجان" کی لفظ مستعمل ہوتی ہے۔

بھی باعث نہیں ہوسکتا اور اس کے پاس پھر بھی نعمت کے ذخیروں سے انبار ہے گا جسے تمام کائنات کی خواہشیں بھی ختم نہیں کر سکتیں اس لیے کہ وہ ایسا فیاض ہے جس کے دریائے فیض میں مانگنے والوں کی مانگ کمی پیدا نہیں کرتی اور اصرار بیجا کرنے والوں کا حد سے بڑھا ہوا اصرار بھی اس کو بخل پر آمادہ نہیں کرتا۔[1]

اسی خطبہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

وہ ایسا قادر ہے کہ جب انسانی خیالات اس کی قدرت کی انتہائی حد معلوم کرنے کے لیے دوڑ لگا رہے ہوں اور نفسانیت کے وسوسوں سے مبرا فکر۔[2]

اس کے جبروتِ اقتدار کی غیبی گہرائیوں میں جا کر اس کی کنہ ذات معلوم کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو اور اس کے اوصاف کی کیفیت میں جانے کے لیے دل والہانہ کیفیت کے ساتھ مصروف جستجو ہوں اور عقل اس کی ذات کا علم حاصل کرنے کے لیے اتنی گہرائیوں تک پہنچ چکی ہو جسے الفاظ مقام توصیف میں ادا بھی نہیں کر سکتے تو ایک دم عین اس وقت جبکہ وہ) خیالات و تفکرات وتصورات) بالکل اس سے لو لگائے ہوئے غیبی تاریکیوں کی گہرائیوں کو طے کر رہے ہوتے ہیں انہیں ڈانٹ پڑتی ہے اور ایسا دھکا لگتا ہے کہ وہ واپس ہونے پر مجبور ہوتے ہیں یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اپنے حدود سے کتنے ہی آگے بڑھنے پر بھی اس کی کنہ معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اور صاحبان فکر کے ذہن میں اس کے جلال وعزت کو کسی پیمانہ میں محدود بنانے کا کوئی

---

[1] ایسا اوقات ایک منعم کونفسیاتی طور پر بے محل اصرار کی زیادتی ضد وکد پیدا کر کے انکار پر آمادہ کردیتی ہے جس کا سبب ایک طرح کا چڑھ جانا ہوتا ہے۔ خالق کریم چونکہ جذبات سے بری ہے اس لئے اس کے یہاں یہ صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔

[2] جونفسانیت کے وسوسوں سے گھری ہوئی فکر ہوا سے تو خود وسوسوں کی آمیزش ہی اس تک پہنچنے سے مانع ہوگی لیکن جو وسوسوں سے بری فکر ہے اس میں اپنی جانب سے کوئی مانع موجود نہیں مگر خالق کا جلال ذات اسے بھی کنہ حقیقت تک پہنچنے سے ہو۔

خیال گردش کرنا ہی غلط ہے۔

وہ جس نے کائنات کی ایجاد کی، بغیر کسی نمونہ کے جسے پیش نظر رکھا ہو اور وہ بغیر کسی پہلے والے موجد کے مقرر کردہ پیمانہ کے جس کی اس نے پابندی کی ہو۔[1]

اور اس نے ہمارے لیے اپنے اقتدار کے قلمرو اور ان عجائب سے جن کا اس کی قدرت کے آثار اعلان کر رہے ہیں اور مخلوقات کے اطراف سے کہ وہ اس کی قدرت کی روک تھام کے محتاج ہیں۔[2]

وہ دلائل نمایاں کر دئے ہیں جو حجت تمام ہونے کی مجبوری کی بنا پر زبردستی ہمیں اس کی معرفت تک پہنچا ہی کر چھوڑتے ہیں اور ان کی ایجادات میں جنہیں اس نے پیدا کیا ہے اس کی صنعت کی نشانیاں اور اس کی حکمت کی علامتیں اس طرح نمایاں ہیں کہ اس کی ہر مخلوق اس کی ایک حجت اور اس کے وجود کی ایک دلیل بن گئی ہے اور چاہے وہ بے زبان مخلوق ہو مگر خداوندی انتظام پر استدلال پیش کرنے میں وہ گویائی کی مالک ہے۔[3]

اور اس کی رہنمائی اپنے موجد کی طرف نمایاں ہے۔ خداوندا! میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیرے مخلوق کے الگ الگ اعضاء اور تیری حکمت کی تدبیر سے گوشت و پوست کے اندر پوشیدہ ان کے جوڑ بندوں کی ہڈیوں کے باہم اتصال کو دیکھ کر تجھے بھی ان سے مشابہ سمجھا۔[4]

---

[1] مطلق احتیاج شانِ واجب کے خلاف ہے پھر نمونہ اور پیمانہ کی احتیاج قصور علم کا بھی ثبوت ہے اور علم خدا عین ذات ہے جس میں جہل کا شائبہ ہی متصور نہیں۔ اس طرح نمونہ و پیمانہ کا مطالبہ علم و قدرت دونوں ذاتی صفتوں کے خلاف ہے پھر باری تعالیٰ تو اول حقیقی ہے اس کے پہلے کسی دوسرے موجد کا سوال ہی کہاں ممکن ہے؟

[2] جس طرح حدوث کائنات محتاج سبب ہے اس طرح بقائے کائنات بھی اسی بقا کے سامان کا اس کی طرف سے ہونا ہی وہ ہے جس کی بنا پر اسلام نے اس کا "رب" کہہ کر تعارف کرایا ہے۔

[3] جو گویائی کا نتیجہ ہے یعنی کسی حقیقت کا اظہار وہ اس میں پورے طور پر موجود ہے۔

[4] یہ اس نفسیاتی تجزیہ کی طرف اشارہ ہے کہ عقیدہ تجسیم و تشبیہ درحقیقت بات بر بنائے قیاس پیدا ہوا ہے مگر قیاس ایک تو خود ہی بے بنیاد چیز ہے اور پھر وہ بھی قیاس مع الفارق۔ اس لئے کہ کجا ممکن اور کجا واجب! کہاں مخلوق اور کہاں خالق!

اس نے اپنے ضمیر کے تحت الشعور کو تیری معرفت سے وابستہ نہیں کیا ہے۔[1]

اور اس کے دل کو اس یقین کا حس و مس بھی نہیں کہ تیرا کوئی مثل نہیں ہے اور گویا اس نے پیشواؤں سے پیرووں کے تبرا کو۔[2]

شاہی نہیں جبکہ وہ کہتے ہوں گے ”بخدا ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے کہ تمہیں پروردگار عالمیان کے برابر قرار دیتے تھے“۔

بے شک تیرا مثل قرار دینے والوں نے بالکل غلط تصور کیا جب تجھے اپنے بتوں کے قالب میں سمجھا۔[3]

اور اپنے توہمات سے تجھے مخلوق کے شکل و شمائل دے دیے۔[4]

اور اپنے تصورات سے اجسام کی طرح تیرے بھی اجزاء قرار دیے۔[5]

اور تجھے اپنی طبعی رجحانات سے اس مخلوق کی صورت میں فرض کیا جس میں مختلف طاقتیں ہوتی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری کسی مخلوق کے برابر قرار دیا

---

[1] معرفت امتیاز خاص کے ادراک سے وابستہ ہے اور جب ممکنات سے واجب کا امتیاز ہی محسوس نہیں کیا بلکہ اس کو ان ناقص چیزوں کے مثل مانا تو اس کی ادنیٰ معرفت بھی کہاں حاصل ہوئی۔

[2] قرآن مجید میں دونوں طرح کے تبرا کا ذکر ہے۔ پیشواؤں کا تبرا پیرووں سے جیسا کہ ارشاد ہوا: ”إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَ رَأَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ“ اور یہیں دوسری طرف سے بھی تمنائے تبرا کا ذکر ہے: وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا اور ایک جگہ مقام تبرا میں یہ الفاظ ہیں جن کا اقتباس امیر المومنین علیہ السلام نے درج فرمایا ہے: لقد كنا في ضلال مبين اذ نسويكم برب العالمين۔

[3] یہ مشرکین کی وہ جماعت ہے جو اصنام کی پرستش کرتی ہے۔

[4] یہ مجسمہ ہیں جن کے بعض فرقوں نے دعویدار اسلام ہوتے ہوئے بھی خدا کو انسانی شکل و شمائل کا حامل سمجھا۔

[5] یہ الفاظ مجسمہ کے علاوہ اس جماعت کو بھی شامل ہیں جو خدا کے لئے ذات کے علاوہ صفات قرار دیتی ہے جیسا کہ قبل والے ایک خطبہ میں حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: ”من وصفه فقد ثناه و من ثناه فقد جزاه“۔

اس نے تیرا ایک مثل قرار دیا اور تیرا مثل قرار دینے والا ان تمام باتوں کا منکر ہے جنہیں لے کر تیری واضح آیتیں اتری ہیں اور جن کا تیرے روشن دلائل کی گواہیاں، صاف صاف اظہار کر رہی ہیں اور یقینا تو ہے وہ اللہ جو عقلوں کے حدود میں مقید نہیں تا کہ ان کے تفکرات کی آماجگاہ میں کیفیات کا حامل بن جائے۔[۱]

اور نہ ان کے ذہنی تصورات میں گرفتار ہے تا کہ ان کے مقررہ حدود میں گھرا ہوا اور ان کی گردشوں کا پابند بن جائے۔[۲]

اسی خطبہ میں ہے:

اس نے جو پیدا کیا اس کے پیمانے مقرر کئے تو وہ ہر کمزوری سے بری مقرر کئے۔[۳]

اور اس کی تدبیر کی تو انتہائی باریک بینی سے تدبیر کی اور ہر شے کو اس کی منزل کی طرف رہسپار بنایا۔[۴]

تو وہ پھر اپنی اس منزل کے حدود سے نہ آگے بڑھی اور نہ اس انتہا تک پہنچنے سے قبل ہی تھم سکی۔[۵]

---

[۱] یعنی عام طور پر عقلوں کی دسترس نقائص ہی کی سرحد تک ہے۔ خالق کی کنہ حقیقت اگر آخر میں محدود بن جائے تو وہ بھی نقائص و کیفیات کا حامل ہو جائے۔

[۲] اس سے سوفسطائیوں کی رد ہوتی ہے جو حقیقت کو تابع تصورات مانتے ہیں۔

[۳] جو نقائص ذات ممکن اور اس ممکن کے درجہ طبعی سے متعلق ہیں وہ تو خود اس مخلوق کے ساتھ ساتھ ہیں۔ کمزوری سے بری ہونے کا مطلب نظام عالم کے لحاظ سے اس شے کا تناسب ہے جس کا لحاظ خود حکیم مطلق کے لئے ضروری ہے۔

[۴] ہر شے کی تخلیق کامل کے لحاظ سے جو منازل ارتقائی مقرر ہیں مثلاً تخم کی منزل سے شجر بارآور و سایہ دار تک اور نطفہ کے درجہ سے حیوان کے منزل شباب تک، سب بارادہ الٰہی طے ہوتے ہیں۔ یہی ہدایت تکوینی ہے جو کائنات میں ہمہ گیر ہے۔ جس کے لئے قرآن میں ہے: "خلق کل شیئی فھدیٰ"

[۵] ہر شے اور اس کی منزل انتہا سے مراد نوع اور اس کے حدود بھی ہیں اور فرد اور اس کے حدود بھی۔ افراد میں بعض جو ناقص محسوس ہوتے ہیں جیسے ساقط شدہ حمل وغیرہ ان کا نقص باعتبار صفات نوع کے ہے لیکن مجموع نظام کے لئے اپنی شخصی حد مقصود کے اعتبار سے ممکن ہے اس کی منزل انتہائی یہی ہو۔ یہ اس وقت ہے جبکہ اس کا ناقص رہنا کسی انسان کی اختیاری بے اعتدالی اور ظلم و تعدی کا نتیجہ نہ ہو۔

اور نہ جب اسے ارادہ الٰہی کے مطابق چلنے پر مامور کیا گیا تو اس نے نافرمانی سے کام لیا اور یہ ہو ہی کیونکر سکتا تھا جبکہ تمام کائنات کا وجود صرف اس کے ارادہ کی بدولت ہے۔ وہ مختلف طرح کی چیزوں کا وجود میں لانے والا ہے بغیر کسی غور و فکر کے جس کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی افتادِ طبع کے تقاضے کے جو اس میں مضمر ہو۔[1]

اور بغیر کسی تجربہ کے جسے اس نے زمانہ کے حوادث سے حاصل کیا ہو اور بغیر کسی شریک کار کے جس نے اسے عجیب چیزوں کی ایجاد میں مدد دی ہو۔ اسی طرح اس کی تمام مخلوق وجود میں آئی اور اس نے اس کے احکام کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور اس کی آواز پر لبیک کہی بلا توقف جس میں ذرا بھی تاخیر اور تردد کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ اس نے تمام چیزوں کو ہر طرح کی کجی سے دور بنایا۔[2]

اور ان کی حدیں مقرر کیں اور اپنی قدرت سے ان میں کی باہم تضاد رکھنے والی چیزوں میں میل پیدا کیا۔[3]

اور جسم و جان کے روابط میں اتصال قائم کیا۔[4]

اور انہیں گونا گون نوعیتوں میں تقسیم کیا جو حدوں، مقداروں، طبیعتوں اور شکلوں میں مختلف ہیں۔ یہ سب پہلے پہل۔[5]

---

[1] وہ فاعل مختار اور علیم و حکیم ہے۔ اس کے افعال بتقاضائے ارادہ مبنی بر حکمت ہوتے ہیں نہ کہ بتقاضائے طبیعت۔

[2] نظام اکمل کا ایک جز ہونے کے اعتبار سے ہر شے کجی اور نقص سے قطعاً دور ہے۔ اس کا باتفصیل جاننا ہمارے امکان سے خارج ہے کیونکہ ہم پورے نظام اور اس کے مقتضیات پر حاوی نہیں ہیں لیکن حکمت کاملہ ربانی پر کلی طور سے ایمان بدلائل حاصل ہو گیا تو اس کا حتمی نتیجہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے مخلوقات یقیناً ہر کجی سے دور ہیں۔

[3] یہ وہ عناصر ہیں جن سے جمادات و نباتات و حیوانات کی ترکیب ہوئی ہے۔

[4] جسم اور جان باعتبار خصوصیات متضاد چیزیں ہیں اور ان میں اتصال ہی سے حیات عنصری پیدا ہوئی ہے۔

[5] یعنی بلا نمونہ اور بلا تجربہ و مشق۔

بنائی ہوئی مخلوقات تھی جس میں اس نے ایسی بے عیب صناعی صرف کی اور اپنے ارادہ کے مطابق انہیں پیدا کیا اور نیستی سے ہستی میں لایا۔[1]

اسی خطبہ کا یہ جز ہے:

وہ ہر پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔[2]

جیسے تصور کرنے والے کی دماغی تصورات چپکے چپکے آپس میں باتیں کرنے والوں کی خفیہ سرگوشیاں، توہمات و خیالات کی گردشیں، وزدیدہ نگاہوں کی جنبشیں، دلوں کے اندر کے بھید، غیب کی گہرائیوں میں کی باتیں، چوری چھپے کان لگا کر سنیں جانے والی گفتگوئیں، چیونٹیوں کے گرمی کے زمانہ کی اور کیڑوں مکوڑوں کی جاڑوں میں رہنے کی جگہیں، غمزدہ عورتوں کی تھرائی ہوئی آواز گریہ کی لرزش، پیروں کی چاپ، کلیوں کے خلاف کے اندرونی حصہ کے اندر پھلوں کے پھیلنے کی گنجائش، پہاڑوں کی غاروں اور وادیوں میں وحشی

---

[1] یعنی اس کی تخلیق صورتوں کی تبدیلی میں محدود نہیں ہے جس کے لئے مادہ کا وجود پہلے سے ضروری ہو بلکہ وہ کتم عدم سے خیر وجود میں لاتا ہے اور اس معنی سے وہ خود مادہ کا بھی خالق ہے۔

[2] مبتدی دماغوں کی ترکیب کے لئے جزئیات کے بیان کی بڑی ضرورت ہے۔ اسے تین چار برس کے بچے کی اس حالت سے سمجھا جاسکتا ہے جب اس سے کوئی کلی حقیقت بیان کی جائے مثلاً یہ کہ گھر کی چیزیں سب باپ کی ملکیت ہیں۔ اب وہ پوچھنا شروع کر دے گا اور یہ تخت؟ اور وہ پلنگ؟ اور وہ چوکی؟ اور وہ کرسی؟ اور وہ لوٹا؟ اور وہ گھڑا؟ ہر ایک کے جواب میں یہی کہا جاتا رہے کہ ہاں یہ بھی تمہارے ابا کا ہے اور وہ بھی۔ آخر میں وہ مطمئن ہوگا اور گویا اب سمجھ لے گا کہ بے شک سب ہمارے ابا کا ہے۔ لیکن شروع میں جو اس سے (بطور کلیہ) کہا گیا تھا کہ سب تمہارے ابا کا ہے تو وہ اسے نہیں سمجھا تھا۔ عوامی ذہن درحقیقت بچہ ہی کا ذہن ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے علم الٰہی کی وسعت کے اظہار کے لئے جزئیات کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان جزئیات کو اتنے بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سننے والے کے طفلانہ دماغوں کو آخر میں اس سوال کی گنجائش نہ رہے کہ اور یہ؟ جن باتوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے مخفی کون چیز وہ ہوسکتی ہے جن کے لئے یہ دریافت کرنے کا محل ہو کہ اللہ کو اس کا بھی علم ہے یا نہیں؟

جانوروں کے گوشہ گیر ہونے کی جگہیں، درختوں کی جڑوں اور چھالوں میں مچھروں کے چھپنے کے مقامات، شاخوں کے اندر سے پتوں کے نکلنے کی راہیں، مردوں کی گوشت کے پیچیدہ راستوں میں نطفوں کی روشیں، بلند ہونے والے ابر اور ان کی تہہ بتہ ترکیبیں، ان ابر کی تہوں میں قطرات باراں کی ریزشیں، بگولوں کے دامنوں میں لپٹ کر اٹھنے والے ذرے، بارشوں یا سیلابوں سے مٹ جانے والے نقشے اور ریت کے ٹیلوں میں اگنے والی گھاس کی ریشہ دوانی، پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں پر پرند جانوروں کے آشیانے، گھونسلوں کی تاریک فضاؤں میں بولنے والے طائروں کے چہچہے، وہ کہ جسے سینت رکھیں سیپیاں اور جس کی پرورش کریں سمندروں کی موجیں، وہ کہ جس پر پردہ ڈالے رات کی تاریکی یا روشنی ڈالے دن کا آفتاب، ہر وہ چیز کہ جس پر یکے بعد دیگرے چڑھتی رہتی ہیں تاریکی شب کی تہیں اور نور کی چادریں، ہر لب کی جنبش، ہر متنفس کی قرارگاہ۔[1]

ہر ذرہ کا وزن، ہر ارادہ کرنے والے نفس کے ولولے اور جو کچھ زمین پر ہے کسی درخت سے گرا ہوا پھل، ٹوٹا ہوا پتہ، قرار یافتہ نطفہ، خون کا قتلا، گوشت کا لوتھڑا، یا پیدا شدہ بچہ، اور انسانی نسل، ان سب کا اس کو علم ہے۔[2]

---

[1] بیان جزئیات میں ایسا فطری انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جیسے متکلم کو جو جو یاد آتا جاتا ہے بلا کسی ترتیب کے وہ شمار کئے جا رہا ہے۔ جس کے نظم و سیاق میں کوئی مصنوعی کاریگری اور غور و فکر صرف نہیں کی گئی ہے۔

[2] فلاسفہ نے اور ان کا اتباع کرتے ہوئے بہت سے مسلمانوں نے سمجھ لیا ہے کہ خداوند عالم کو کلیات کا علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا نہیں۔ اس لئے کہ وہ متغیر ہیں مگر یہ درست نہیں ہے۔ معلومات کے تغیر یا حدوث سے علم اور عالم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تجدد و حدوث معلوم میں ہے، علم میں نہیں ہے۔ خالق کی ذات کامل ہے اور اس کا کمال کسی قسم کے جہل کا متحمل نہیں ہے۔ خواہ وہ کلیات سے متعلق ہو اور خواہ جزئیات سے۔ اس لئے حق یہ ہے کہ اس کا علم محیط ہے کلیات اور جزئیات سب اس میں داخل ہیں اور اسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کے لئے امیر المومنین علیہ السلام نے اس بسط و تفصیل کے ساتھ چھوٹے سے چھوٹے جزئیات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

جس میں اسے نہ کچھ سامان اٹھانا پڑتی، نہ جو کچھ مخلوق اس نے پیدا کی ہے اس کی نگہداشت میں اسے کوئی مجبوری پیش آتی اور نہ اسے اپنے احکام کے اجراء اور مخلوقات کے انتظام میں کوئی تھکن یا کمزوری پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا علم ان میں اترا ہوا، اس کی گنتی ان پر حاوی، اس کا انصاف ان کا پورا پورا جائزہ لیے ہوئے اور اس کا احسان ان سب پر چھایا ہوا ہے حالانکہ وہ اس کی شان کے لائق اوصاف کی حقیقت سمجھنے سے عاجز ہیں۔

(۱۰)

خطبہ ۱۰۶

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُتَجَلِّیْ لِخَلْقِهٖ بِخَلْقِهٖ. وَ الظَّاهِرِ لِقُلُوْبِهِمْ بِحُجَّتِهٖ. خَلَقَ الْخَلْقَ مِنْ غَیْرِ رَوِیَّةٍ. اِذْ کَانَتِ الرَّوِیَّاتُ لَا تَلِیْقُ اِلَّا بِذَوِی الضَّمَآئِرِ. وَ لَیْسَ بِذِیْ ضَمِیْرٍ فِیْ نَفْسِهٖ. خَرَقَ عِلْمُهٗ بَاطِنَ غَیْبِ السُّتُرَاتِ. وَ اَحَاطَ بِغُمُوْضِ عَقَآئِدِ السَّرِیْرَاتِ.[۱]

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو خلائق کے سامنے خلائق ہی کے ذریعہ سے جلوہ نما ہے اور ان کے دلوں پر اپنے دلائل کے ساتھ نمایاں ہے۔ اس نے مخلوق کو پیدا کیا بغیر کسی غور و فکر کے۔ اس لیے کہ غور و فکر ان ہی کے مناسب حال ہے جو قلب و ضمیر رکھتے ہوں اور اللہ قلب و ضمیر سے بری ہے۔[۲]

اس کا علم کے پردوں کے اندر چھپی ہوئی چیزوں میں نفوذ کئے ہوئے ہیں اور وہ دل زنگاہ میں مضمر عقیدوں کی گہرائی پر حاوی ہے۔

---

[۱] نہج البلاغہ طامصر، ج ۱ص ۲۲۳ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۶، ص ۳۳۴)۔

[۲] قلب و ضمیر جسمانی اعضاء و قویٰ میں داخل ہیں اور اللہ جسم و جسمانیت سے بری ہے۔

(۱۱)

خطبہ ۱۵۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الدَّالِّ عَلٰى وُجُوْدِهٖ بِخَلْقِهٖ، وَ بِمُحْدَثِ خَلْقِهٖ عَلٰٓى اَزَلِيَّتِهٖ، وَ بِاشْتِبَاهِهِمْ عَلٰٓى اَنْ لَّا شَبَهَ لَهٗ. لَا تَسْتَلِمُهُ الْمَشَاعِرُ، وَ لَا تَحْجُبُهُ السَّوَاتِرُ، لِافْتِرَاقِ الصَّانِعِ وَ الْمَصْنُوْعِ، وَ الْحَادِّ وَ الْمَحْدُوْدِ، وَ الرَّبِّ وَ الْمَرْبُوْبِ. اَلْاَحَدِ لَا بِتَأْوِيْلِ عَدَدٍ، وَ الْخَالِقِ لَا بِمَعْنٰى حَرَكَةٍ وَّ نَصَبٍ، وَ السَّمِيْعِ لَا بِاَدَاةٍ، وَ الْبَصِيْرِ لَا بِتَفْرِيْقِ اٰلَةٍ، وَ الشَّاهِدِ لَا بِمُمَاسَّةٍ، وَ الْبَآئِنِ لَا بِتَرَاخِيْ مَسَافَةٍ، وَ الظَّاهِرِ لَا بِرُؤْيَةٍ، وَ الْبَاطِنِ لَا بِلَطَافَةٍ. بَانَ مِنَ الْاَشْيَآءِ بِالْقَهْرِ لَهَا، وَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا، وَ بَانَتِ الْاَشْيَآءُ مِنْهُ بِالْخُضُوْعِ لَهٗ، وَ الرُّجُوْعِ اِلَيْهِ. مَنْ وَّصَفَهٗ فَقَدْ حَدَّهٗ، وَ مَنْ حَدَّهٗ فَقَدْ عَدَّهٗ، وَ مَنْ عَدَّهٗ فَقَدْ اَبْطَلَ اَزَلَهٗ، وَ مَنْ قَالَ: "كَيْفَ" فَقَدِ اسْتَوْصَفَهٗ، وَ مَنْ قَالَ: "اَيْنَ" فَقَدْ حَيَّزَهٗ. عَالِمٌ اِذْ لَا مَعْلُوْمٌ، وَ رَبٌّ اِذْ لَا مَرْبُوْبٌ، وَ قَادِرٌ اِذْ لَا مَقْدُوْرٌ.[1]

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو اپنے مخلوقات سے اپنی ہستی کا اور اپنے مخلوقات کے نیست کے بعد ہست ہونے سے اپنے ہمیشہ سے ہونے کا اور ان کے باہم ملتے جلتے ہونے

---

[1] نہج البلاغہ طبع مصر، ج۱ص ۲۹۳ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۵۰، ص ۴۲۴)۔

سے بے مثال ہونے کا پتہ دیتا ہے۔[۱]

احساسات اسے چھوتے نہیں اور پردے اسے چھپاتے نہیں اس لیے کہ بنانے والے اور بنائے جانے والے، حدوں میں گھرنے والے، تربیت کرنے والے اور تربیت پانے والے میں بہرصورت فرق ہے۔[۲]

وہ ایک ہے مگر گنتی کے اعتبار سے نہیں، پیدا کرنے والا ہے مگر حرکت اور زحمت و مشقت کے ساتھ نہیں، سننے والا ہے مگر آلہ سماعت سے نہیں اور دیکھنے والا ہے مگر آلہ بصارت کے ذریعہ سے نہیں، پاس ہے مگر جسمانی اتصال کے طور پر نہیں اور جدا ہے مگر مسافت کی دوری کے لحاظ سے نہیں، نمایاں ہے مگر دکھائی دے کر نہیں اور پوشیدہ ہے مگر جسم کی باریکی کے باعث نہیں۔[۳]

وہ تمام چیزوں سے ممتاز ہے ان پر دباؤ اور قابو رکھنے کے ساتھ اور تمام چیزیں اس

---

[۱] اصل وجود مخلوقات کا وجود خالق کا پتا دیتا ہے اور مخلوقات کے نقائص بقاعدہ قضا و خالق کے کمال کی سراغ رسانی کرتے ہیں۔ چونکہ مخلوق کے احتیاج کا معیار ان کا حدوث ہے لہذا خالق کو قدیم ماننا لازم ہے اور ان کا باہمی تشابہہ کثرت کا آئینہ بردار ہے جو اپنے مبداء اصلی میں وحدت کا طلبگار ہے اور وحدت بے مثالی کی ضامن ہے۔

[۲] یہ فرق دونوں باتوں کی دلیل ہے۔ اس کی بھی کہ اسے چھوتے نہیں، اس لئے کہ اگر احساسات میں وہ مقید ہو جائے تو خالق و مخلوق، حاد و محدود اور رب و مربوب میں فرق ہی نہ رہے اور اس کی بھی کہ پردے اسے چھپاتے نہیں کیونکہ یہ فرق ہی اس کے کمال کو نمایاں کرنے کا ذریعہ ہے کہ جو نقائص اس مخلوق و محدود و مربوب میں ہیں ان سے وہ بری ہے۔

[۳] خداوند عالم کے لئے اوصاف کے استعمال میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ الفاظ وضع ہوئے ہیں ممکنات کے لحاظ سے جو نقائص میں گھرے ہوئے ہیں اور ذات واجب ان تمام نقائص سے بری ہے۔ اس لئے اس کے کمال ذات کے اظہار کے لئے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ اس کا حل محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ الفاظ کا استعمال جب کرو تو عقلی تصرف کے ساتھ کہ کمال کا پہلو لے لو اور نقص کے پہلو کو نظر انداز کرو۔ اس طرح ہر تحمید میں تنزیہہ کا پہلو مدنظر رکھنا ضروری ہے اور اسی کی تشریح امیر المومنینؑ نے ان فقرات میں فرمائی ہے۔

سے الگ ہیں اس کے سامنے جھکنے اور اس کی طرف ہر پھر کر رجوع ہونے کے ساتھ۔ جس نے اس کے لیے اوصاف قرار دیئے اس نے اسے محدود بنا دیا اور جس نے اسے محدود بنایا وہ اسے دوسری چیزوں کے شمار میں لے آیا اور جو اسے دوسری چیزوں کے شمار میں لے آیا اس نے اس کے ہمیشہ سے ہونے کا انکار کر دیا۔[1]

اور جس نے کہا وہ کیسا ہے اس نے اس کے لیے اوصاف تجویز کر لیے اور جس نے کہا کہاں ہیں اس نے مکان اور حیز میں اسے مقید سمجھ لیا۔ وہ عالم تھا اس وقت بھی جب کوئی معلوم ہونے کی چیز نہ تھی اور پروردگار تھا جبکہ کوئی شے ہے پرورش پانے والی نہ تھی اور قادر تھا جبکہ کوئی متعلق قدرت شیَ موجود نہ تھی۔[2]

(۱۴)

خطبہ ۱۵۸

اَمْرُهٗ قَضَآءٌ وَّ حِكْمَةٌ، وَ رِضَاهُ اَمَانٌ وَ رَحْمَةٌ، يَقْضِيْ بِعِلْمٍ، وَ يَعْفُوْ بِحِلْمٍ. اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا تَاْخُذُ وَ تُعْطِيْ، وَ عَلٰى مَا تُعَافِيْ وَ تَبْتَلِيْ. حَمْدًا يَّكُوْنُ اَرْضَى الْحَمْدِ لَكَ. وَ اَحَبَّ الْحَمْدِ اِلَيْكَ. وَ اَفْضَلَ الْحَمْدِ عِنْدَكَ. حَمْدًا يَّمْلَاُ مَا خَلَقْتَ. وَ يَبْلُغُ مَآ اَرَدْتَ. حَمْدًا

---

[1] محالات اور غلط تصورات اکثر لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ جو ایک غلط بات کو مانتا ہے اسے نتیجہ میں اور اور بہت سی غلط باتوں کو ماننا پڑتا ہے۔ یونہی ذات الٰہی کے علاوہ اس کے صفات ماننے سے اس کی بے مثالی ختم ہو جاتی ہے اور اس سے اس کی ازلیت اور وجوب سب کا انکار لازم ہوتا ہے۔ اس کی تشریح نہج البلاغہ کے سب سے پہلے خطبہ کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

[2] یعنی کمال ذات اضافات و تعلقات کی بناء پر نہیں ہے بلکہ خود مقام ذات میں ہے۔ اضافات تو اس کا ایک نتیجہ ہیں۔ عین کمال نہیں ہیں۔

لَا يُحْجَبُ عَنْكَ، وَ لَا يُقْصَرُ دُوْنَكَ. حَمْدًا لَّا يَنْقَطِعُ عَدَدُهٗ، وَ لَا يَفْنٰى مَدَدُهٗ. فَلَسْنَا نَعْلَمُ كُنْهَ عَظَمَتِكَ اِلَّآ اَنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ، لَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ، لَمْ يَنْتَهِ اِلَيْكَ نَظَرٌ، وَ لَمْ يُدْرِكْكَ بَصَرٌ، اَدْرَكْتَ الْاَبْصَارَ، وَ اَحْصَيْتَ الْاَعْمَارَ، وَ اَخَذْتَ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ. وَ مَا الَّذِيْ نَرٰى مِنْ خَلْقِكَ، وَ نَعْجَبُ لَهٗ مِنْ قُدْرَتِكَ، وَ نَصِفُهٗ مِنْ عَظِيْمِ سُلْطَانِكَ، وَ مَا تَغَيَّبَ عَنَّا مِنْهُ، وَ قَصُرَتْ اَبْصَارُنَا عَنْهُ، وَ انْتَهَتْ عُقُوْلُنَا دُوْنَهٗ، وَ حَالَتْ سَوَاتِرُ الْغُيُوْبِ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهٗٓ اَعْظَمُ.[1]

اس کے احکام بالکل فیصلہ کن اور حکمت ریز اور اس کی خوشنودی سراسر امن و امان اور رحمت آمیز ہے۔ فیصلے اس کے بر بنائے علم ہوتے ہیں اور معافی بر بنائے حلم۔[2]

پروردگارا تیرے لیے حمد ہے تیرے لینے پر بھی اور دینے پر بھی۔ تیری طرف کی صحت پر بھی اور تیری جانب کی بیماری پر بھی۔[3]

وہ حمد جو تجھے انتہائی پسند، انتہائی محبوب اور حمد کی تمام قسموں میں تیرے نزدیک سب

---

[1] نہج البلاغہ طا مصر، ص۳۰۹ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۵۸، ص ۴۴۴)

[2] مجرم کو سزا دینے اور نافرمان پر عذاب نازل کرنے پر کامل قدرت رکھنے کے باوجود جذبہ انتقام سے بری رہنا ہی حلم ہے۔ اس کا شدید قسم کے بداعمال اور بدکیش افراد کو سزا دینا صرف لاقانونی کے سدباب کے لئے بر بنائے ضرورت ہے ورنہ اسے سزا دے کر کوئی دل کی بھڑاس نکالنا نہیں ہے۔ یہ حلم اس کی ذاتی بے نیازی کا تقاضا ہے۔ کوئی الگ صفت نہیں ہے۔

[3] خداوند عالم کا ہر فعل نظام عالم کی مصلحت کے لئے ہوتا ہے لہذا جو انفرادی ضرر ہے وہ بھی نوعی فائدہ کے لئے ہے اور چونکہ نظام نوعی ہر فرد کو حاوی ہے اس لئے نوع کا فائدہ اس فرد کی طرف بھی راجع ہوتا ہے اسی طرح ہر فعل مورد حمد و شکر ہے خواہ وہ انفرادی طور پر اس کے لئے مفید ہو یا مضر۔

سے بہتر ہو۔ وہ حمد جو تیرے تمام مخلوقات کو اپنی وسعت سے لبریز کردے اور تیرے ارادہ کے معیار پر پوری اترے۔ وہ حمد جو تیرے پاس پہنچنے سے رک نہ سکے اور تیری بارگاہ تک رسائی سے قاصر نہ ہو۔ وہ ہم جس کا سلسلہ ختم اور مدت تمام نہ ہو۔ ہم تیری عظمت کی اصل حقیقت کو بالکل نہیں جانتے۔ اتنا بے شک جانتے ہیں کہ تو زندہ، قائم اور برقرار ہے۔ تجھے نیند نہیں آتی، نہ غنودگی طاری ہوتی ہے۔ تجھ تک کوئی نگاہ کبھی پہنچی نہیں اور کسی نے تجھے دیکھا نہیں مگر تو تمام نگاہوں پر حاوی اور عمروں کا احاطہ کئے اور مخلوقات کو پوری طرح اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے اور جو تیری مخلوق ہم آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور تیری قدرت کے جن مظاہرات سے ہم حیرت کرتے ہیں اور جس تیرے عظیم اقتدار کے زبانوں پر چرچے آتے ہیں یہی کیا کم ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے، جس سے ہماری نگاہیں قاصر ہیں، ہماری عقلیں اس تک پہنچنے سے پہلے رک جاتی ہیں اور غیب کے پردے ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہیں وہ اس سے بھی زیادہ عظیم ہے۔

(۱۳)

خطبہ ۱۶۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خَالِقِ الْعِبَادِ، وَ سَاطِحِ الْمِهَادِ، وَ مُسِيْلِ الْوِهَادِ، وَ مُخْصِبِ النِّجَادِ. لَيْسَ لِاَوَّلِيَّتِهٖ ابْتِدَآءٌ، وَ لَا لِاَزَلِيَّتِهٖ انْقِضَآءٌ. هُوَ الْاَوَّلُ لَمْ يَزَلْ، وَ الْبَاقِیْ بِلَاۤ اَجَلٍ. خَرَّتْ لَهُ الْجِبَاهُ، وَ وَحَّدَتْهُ الشِّفَاهُ. حَدَّ الْاَشْيَآءَ عِنْدَ خَلْقِهٖ لَهَاۤ اِبَانَةً لَّهٗ مِنْ شَبَهِهَا. لَا تُقَدِّرُهُ الْاَوْهَامُ بِالْحُدُوْدِ وَ الْحَرَكَاتِ، وَ لَا بِالْجَوَارِحِ وَ الْاَدَوَاتِ. لَا يُقَالُ لَهٗ: "مَتٰى؟" وَ لَا يُضْرَبُ لَهٗ اَمَدٌ "بِحَتّٰى". اَلظَّاهِرُ لَا

يُقَالُ: "مِمَّا؟" وَ الْبَاطِنُ لَا يُقَالُ: "فِيْمَا؟".

لَا شَبَحٌ فَيَتَقَضّٰى، وَ لَا مَحْجُوْبٌ فَيُحْوٰى. لَمْ يَقْرُبْ مِنَ الْاَشْيَآءِ بِالْتِصَاقٍ. وَ لَمْ يَبْعُدْ عَنْهَا بِافْتِرَاقٍ. لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ عِبَادِهٖ شُخُوْصُ لَحْظَةٍ، وَ لَا كُرُوْرُ لَفْظَةٍ، وَ لَا ازْدِلَافُ رَبْوَةٍ، وَ لَا انْبِسَاطُ خُطْوَةٍ فِيْ لَيْلٍ دَاجٍ، وَ لَا غَسَقٍ سَاجٍ. يَتَفَيَّأُ عَلَيْهِ الْقَمَرُ الْمُنِيْرُ، وَ تَعْقُبُهُ الشَّمْسُ ذَاتُ النُّوْرِ فِي الْاُفُوْلِ وَ الْكُرُوْرِ، وَ تَقَلُّبِ الْاَزْمِنَةِ وَ الدُّهُوْرِ، مِنْ اِقْبَالِ لَيْلٍ مُّقْبِلٍ، وَاِدْبَارِ نَهَارٍ مُّدْبِرٍ. قَبْلَ كُلِّ غَايَةٍ وَّ مُدَّةٍ، وَ كُلِّ اِحْصَآءٍ وَعِدَّةٍ. تَعَالٰى عَمَّا يَنْحَلُهُ الْمُحَدِّدُوْنَ مِنْ صِفَاتِ الْاَقْدَارِ، وَ نِهَايَاتِ الْاَقْطَارِ، وَ تَأَثُّلِ الْمَسَاكِنِ، وَتَمَكُّنِ الْاَمَاكِنِ. فَالْحَدُّ لِخَلْقِهٖ مَضْرُوْبٌ، وَ اِلٰى غَيْرِهٖ مَنْسُوْبٌ.

لَمْ يَخْلُقِ الْاَشْيَآءَ مِنْ اُصُوْلٍ اَزَلِيَّةٍ، وَ لَا مِنْ اَوَآئِلَ اَبَدِيَّةٍ، بَلْ خَلَقَ مَا خَلَقَ فَاَقَامَ حَدَّهٗ، وَ صَوَّرَ مَا صَوَّرَ فَاَحْسَنَ صُوْرَتَهٗ. لَيْسَ لِشَيْءٍ مِّنْهُ امْتِنَاعٌ، وَ لَا لَهٗ بِطَاعَةِ شَيْءٍ انْتِفَاعٌ. عِلْمُهٗ بِالْاَمْوَاتِ الْمَاضِيْنَ كَعِلْمِهٖ بِالْاَحْيَآءِ الْبَاقِيْنَ، وَ عِلْمُهٗ بِمَا فِي السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى كَعِلْمِهٖ بِمَا فِي الْاَرَضِيْنَ السُّفْلٰى.[1]

سب تعریف اللہ کے لیے جو تمام بندوں کا پیدا کرنے والا، زمین کا فرش بچھانے والا،

---

[1] نہج البلاغہ طمصر، ج۱، ص۳۱۹ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۱، ص ۴۵۴)۔

نشیبوں میں جل تھل کرنے والا اور اونچے اونچے ٹیلوں کو ہرا بھرا بنانے والا ہے۔ اس کے پہلے ہونے کا کوئی سرا نہیں اور اس کی ہمیشہ رہنے کا کوئی آخری کنارا نہیں۔ وہ پہلا ایسا ہے جو کبھی نابود نہ تھا اور وہ ہمیشہ رہنے والا ایسا ہے جس کی کوئی معیاد نہیں۔ پیشانیوں کو اس کے سامنے جھکنا اور لبوں کو اس کی توحید کا اقرار کرنا ہے۔[1]

اس نے تمام اشیاء کو محدود بنا دیا اسی وقت جب انہیں پیدا کیا جس سے اس کی ہستی کا مماثلت سے الگ ہونا نمودار ہو گیا۔[2]

تصورات اس کا پیمانہ حدود اور حرکات اور اعضاء و جوارح کے امتیازات کے ساتھ نہیں قائم کر سکتے۔ یہ کہنا اس کے لیے درست نہیں کہ وہ کب وجود میں آیا ورنہ "کب تک" کے ساتھ اس کی انتہا کو بتایا جا سکتا ہے۔ وہ آشکارا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کاہے میں سے۔[3]

اور پوشیدہ ہے مگر یہ کہنا نہیں ممکن کہ کاہے میں۔ نہ وہ کوئی پرچھائیں ہے جو گزر جائے۔ نہ کسی پردہ میں گھرا ہوا ہے جو محدود ہو جائے۔ نہ وہ چیزوں سے قریب ہے اتصال کے ساتھ اور نہ دور ہے جدائی کے لحاظ سے۔[4]

اس پر اپنے بندوں کی کوئی بات چھپتی نہیں۔ نہ کسی نگاہ کی جنبش نہ زبان کی گردش، نہ کسی بلند ٹیلے کی دورسے جھلکی، نہ شب تاریک میں کسی قدم کا بڑھنا، نہ اندھیرے کا کوئی سناٹا جس پر چمکتا ہوا چاند اپنی پرچھائیں ڈالے اور اسے اس کے عقب میں سورج آ کر اپنے طلوع

---

[1] خدا پرستوں کو شعوری اور اختیاری طور پر جو ان کے لئے مستوجب ثواب بھی ہے اور دوسروں کو زبان تکوین سے اضطراری طور پر جس مین وہ جمادات و نباتات حیوانات کے ساتھ شریک ہیں اس لئے اس اقرار گی ان کے لئے جزا نہیں ہے۔

[2] اس لئے کہ وہ لا محدود ہے اور خالق اور یہ محدود ہیں اور مخلوق۔

[3] ہر چیز میں ظاہر ہونے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کوئی پردہ اس پر محیط تھا اور وہ اس پردہ میں سے نمودار ہوئی لیکن اللہ کا ظہور اس کے آثار قدرت کی بنا پر ہے نہ کوئی جسمانی پردہ ہے اور نہ پردہ سے کوئی جسمانی ظہور ہے۔

[4] اس کی کوئی بات بھی جسمانی نہیں ہے کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے۔

غروب کا جلوہ دکھائے اور نہ زمانہ کی کوئی کروٹ اور وقت کا کوئی پلٹا جیسے آتی ہوئی رات کی پیش قدمی اور جاتے ہوئے دن کی روگردانی۔[1]

وہ ہر وقت و مدت اور ہر معیاد و شمار سے پہلے ہے اور حد بندی کرنے والے جو اس کے لیے پیمانہ اور وقت اور جسامت اور قیام اور سکونت کے اوصاف منسوب کرتے ہیں۔ ان سب سے وہ بری ہے اس لیے کہ حدیں تو اس کے مخلوق ہی کے لیے مقرر اور اس کی غیر ہی کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں۔ اس نے مخلوقات کو ایسے بنیادی اجزاء سے جو ازلی اور ابدی ہو پیدا نہیں کیا۔[2]

بلکہ جسے پیدا کیا اس کے حدود خود قائم کئے اور جس کی صورت گری کی وہ بہترین کی، کوئی چیز اس کے اثر کو قبول کرنے سے انکاری نہیں ہو سکتی اور اسے ان میں سے کسی سے کچھ فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔ اس کا علم سابق میں گزر چکنے والوں کے متعلق ویسا ہی ہے جیسے باقی ماندہ جیتے جاگتے اشخاص کے متعلق اور اسے سب سے اونچے آسمانوں کا ویسے ہی علم ہے جیسا نیچے کی زمینوں کا۔[3]

(۱۴)

خطبہ ۱۷۶

لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ، وَ لَا يُغَيِّرُهُ زَمَانٌ، وَ لَا يَحْوِيهِ مَكَانٌ، وَ لَا يَصِفُهُ لِسَانٌ، وَ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ عَدَدُ قَطْرِ الْمَآءِ، وَ لَا نُجُوْمِ السَّمَآءِ، وَ لَا سَوَافِي الرِّيْحِ فِي الْهَوَآءِ، وَ لَا دَبِيْبُ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا، وَ لَا مَقِيْلُ الذَّرِّ فِي اللَّيْلَةِ

---

[1] یہ سبب علم الٰہی کے جزئیات پر محیط ہونے کو ذہن نشین کرنے والی تفصیلات ہیں جن کی نظیر اس کے پہلے بھی حضرت کے کلام میں گذر چکی ہے۔

[2] یہ مادہ کے قدیم اور لافانی ہونے کی رد ہے۔

[3] یعنی زمان اور مکان دونوں میں کسی کا بھی فرق اس کے علم میں تفریق کا باعث نہیں ہے۔

الظَّلْمَآءِ. يَعْلَمُ مَسَاقِطَ الْاَوْرَاقِ. وَخَفِيَّ طَرْفِ الْاَحْدَاقِ.
وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَيْرَ مَعْدُوْلٍ بِهٖ، وَ لَا مَشْكُوْكٍ
فِيْهِ، وَ لَا مَكْفُوْرٍ دِيْنُهٗ، وَ لَا مَجْحُوْدٍ تَكْوِيْنُهٗ، شَهَادَةَ
مَنْ صَدَقَتْ نِيَّتُهٗ، وَ صَفَتْ دِخْلَتُهٗ، وَ خَلَصَ يَقِيْنُهٗ، وَ
ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ.[1]

اسے کوئی مشغلہ محویت پیدا نہیں کرتا۔ زمانہ کا کوئی دور اس میں تبدیلی کا باعث نہیں ہوتا، کوئی جگہ اس کو حاوی نہیں ہوتی اور کوئی زبان اس کی ثناء وصفت کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ اس سے پانی کے قطروں کی تعداد، آسمان کے تاروں کی گنتی، ہوا کے جھونکوں کا شمار، پتھر پر چونٹیوں کے رینگنے کی کیفیت اور شب تاریک میں چیونٹیوں کے قیام کی جگہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں کو جانتا اور حلقہ ہائے چشم کے اندر سے نگاہوں کی مخفی گردشوں سے واقف ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کی کوئی معبود برحق نہیں۔ نہ کوئی اس کا مدمقابل ہے نہ اس میں کسی شک کی گنجائش ہے۔ نہ اس کے دین کا انکار ممکن ہے اور نہ اس کی تخلیق کو ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ یہ گواہی ایسے شخص کی ہے جس کی نیت سچی، باطن صاف، یقین خالص اور اعمال مال وزنی ہیں۔[2]

(۱۵)

خطبہ ۱۷۷

وَ قَدْ سَئَلَهٗ ذِعْلِبُ الْيَمَانِيُّ فَقَالَ:

هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ يَآ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

---

[1] نہج البلاغہ طامصر، ج ۱، ص ۳۵۳ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۶، ص ۳۹۲)۔
[2] یعنی یہ گواہی خود ہی صحیح معنی میں اعمال کے وزنی بنا دینے کی ضامن ہے۔

اَفَاَعْبُدُ مَا لَآ اَرٰی؟ فَقَالَ: وَ کَیْفَ تَرَاهُ؟ فَقَالَ: لَا تَرَاهُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِیَانِ، وَ لٰکِنْ تُدْرِکُهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَآئِقِ الْاِیْمَانِ، قَرِیْبٌ مِّنَ الْاَشْیَآءِ غَیْرُ مُلَامِسٍ، بَعِیْدٌ مِّنْهَا غَیْرُ مُبَایِنٍ، مُتَکَلِّمٌ لَا بِرَوِیَّةٍ، مُرِیْدٌ لَا بِهِمَّةٍ، صَانِعٌ لَّا بِجَارِحَةٍ، لَطِیْفٌ لَّا یُوْصَفُ بِالْخَفَآءِ، کَبِیْرٌ لَّا یُوْصَفُ بِالْجَفَآءِ، بَصِیْرٌ لَّا یُوْصَفُ بِالْحَاسَّةِ، رَحِیْمٌ لَّا یُوْصَفُ بِالرِّقَّةِ. تَعْنُو الْوُجُوْهُ لِعَظَمَتِهٖ، وَ تَجِبُ الْقُلُوْبُ مِنْ مَّخَافَتِهٖ.[1]

ذعلب یمنی نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟

[1] نہج البلاغہ طامصر، ج۱، ص ۳۵۵ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۷، ص ۴۹۴)۔

فرمایا: تو پھر کیا اس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں۔ [1]

انہوں نے کہا: آپ اسے دیکھتے کیونکر ہیں؟ فرمایا: "آنکھیں نظروں کے مشاہدہ سے اسے نہیں دیکھا کرتیں بلکہ دل ایمان کی حقیقتوں کی روشنی میں اسے جلوہ گر پاتے ہیں۔ وہ تمام چیزوں سے قریب ہے مگر چھوتا ہوا نہیں اور دور ہے مگر فاصلہ کے ساتھ نہیں۔ وہ کلام کرنے والا ہے مگر غور و فکر کے ساتھ نہیں اور ارادہ کرنے والا ہے مگر دل کے جوش و ولولہ کی کیفیت سے نہیں۔ وہ کارگزار ہے بغیر اعضاء و جوارح کے اور صاف و شفاف ہے مگر باریکی کے انداز

---

[1] چونکہ سائل ہنگام سوال اس ذہنیت کا حامل تھا کہ عبادت کے لیے یقین کی ضرورت ہے اور یقین کا درجہ رویت میں منحصر ہے۔ اس میں پہلا جز صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے لیکن اپنے سوال میں وہ اپنے ذہنی پس منظر کے اجزاء کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتا یعنی نہ یہ پوچھتا ہے کہ کیا عبادت کے لیے یقین کی ضرورت ہے جس کا جواب بلا دغدغہ اقرار ہوتا اور نہ یہ کہ کیا یقین رویت میں منحصر ہے۔ جس کا جواب انکار ہوتا۔ اس نے اس سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے صرف رویت کے ثبوت و نفی کے بارے میں سوال کر لیا کہ آپ کو معبود کی رویت ہوئی یا نہیں۔ اب اگر اس سوال کے بارے میں جواب میں سیدھا سادہ انکار کر دیا جاتا تو وہ آگے شاید کچھ نہ پوچھتا بس اپنی جگہ یہ طے کر لیتا کہ پھر اس کا یقین نہیں اور جب یقین نہیں تو عبادت لاحاصل ہے۔ اور یا سوال کرتا اور پھر اس کی رد کر دی جاتی۔ اس میں پہلی صورت تو بڑی خطرناک تھی کیونکہ وہ گمراہی میں راسخ ہو رہا تھا اور دوسری صورت پر طوالت تھی اس لیے آپ نے یہ حکیمانہ طرز اختیار فرمایا کہ پہلے اس کا جواب اس کی توقع کے بالکل خلاف اقرار کی صورت میں دیا جس سے وہ ایک دم چونک کر کچھ آگے معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو جائے اور پھر کا اظہار فرما دیا۔ جس میں اس کی بنیادی غلطی کا پردہ چاک کر دیا کہ اصل ضرورت یقین کی ہے اور یقین کے لئے رؤیت بصری کی احتیاج نہیں ہے بلکہ شعور بصیرتی کافی ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ مستحق توجہ ہے کہ اس نے سوال بصیغہ ماضی کیا تھا کہ "ھل رایت ربک" اس لیے کہ وہ رؤیت کو بمعنی رؤیت بصری لے رہا تھا جو وقتی و ہنگامی عمل ہے اور آپ نے جواب میں رؤیت کا اقرار کرتے ہوئے ماضی کو مضارع سے بدل دیا جو استمرار کا پتا دیتا ہے یعنی یہ نہیں کہ کہا کہ "افاعبد مالم ار" کیا اس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں۔ بلکہ فرمایا: "افاعبد مالا اری" کیا اس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں۔ یہ وہ "دیکھنا" نہیں ہے جو کسی وقت خاص پر کبھی ہوا ہو۔ بلکہ یہ ایک صفت قائم مستمر ہے جو ہر وقت بہر حال اور ہر عبادت کے موقع پر حاصل ہے اور وہ کمال یقین کے سوا کچھ نہیں ہے۔

میں نہیں۔ بڑا ہے مگر گراں بارتن وتوش کے ساتھ نہیں۔ دیکھنے والا ہے مگر قوائے حاسہ کے ساتھ نہیں اور بڑا ہی ترس کھانے والا اور مہربان ہے مگر رقت قلب کے ساتھ نہیں۔[۱]

چہرے اس کی عظمت کے سامنے افتادہ اور دل اسکے خوف سے لرزاں ہیں۔

(۱۶)

خطبہ ۱۸۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ مَصَآئِرُ الْخَلْقِ، وَ عَوَاقِبُ الْاَمْرِ، نَحْمَدُهٗ عَلٰی عَظِیْمِ اِحْسَانِهٖ، وَ نَیِّرِ بُرْهَانِهٖ، وَ نَوَامِیْ فَضْلِهٖ وَ امْتِنَانِهٖ، حَمْدًا یَّكُوْنُ لِحَقِّهٖ قَضَآءً، وَ لِشُكْرِهٖ اَدَآءً، وَ اِلٰی ثَوَابِهٖ مُقَرِّبًا، وَ لِحُسْنِ مَزِیْدِهٖ مُوْجِبًا، وَ نَسْتَعِیْنُ بِهٖ اسْتِعَانَةَ رَاجٍ لِّفَضْلِهٖ، مُؤَمِّلٍ لِّنَفْعِهٖ، وَاثِقٍ بِدَفْعِهٖ، مُعْتَرِفٍ لَّهٗ بِالطَّوْلِ، مُذْعِنٍ لَّهٗ بِالْعَمَلِ وَ الْقَوْلِ، وَ نُؤْمِنُ بِهٖ اِیْمَانَ مَنْ رَجَاهُ مُوْقِنًا، وَ اَنَابَ اِلَیْهِ مُؤْمِنًا، وَ خَنَعَ لَهٗ مُذْعِنًا، وَ اَخْلَصَ لَهٗ مُوَحِّدًا، وَ عَظَّمَهٗ مُمَجِّدًا، وَ لَاذَ بِهٖ رَاغِبًا مُّجْتَهِدًا، لَمْ یُوْلَدْ سُبْحَانَهٗ فَیَكُوْنَ فِی الْعِزِّ مُشَارَكًا، وَ لَمْ یَلِدْ فَیَكُوْنَ مَوْرُوْثًا

---

[۱] یہاں ان چیزوں کا تذکرہ اس مقصد سے ہے کہ اللہ کے لیے تمام الفاظ جن کی نسبت دی جاتی ہے وہ اسی طرح کے ان کے نتائج لے لئے جاتے ہیں اور ذرائع ترک کر دیے جاتے ہیں مثلاً خود اللہ بصیر ہے تو کیا آنکھوں سے دیکھتا ہے؟ نہیں بلکہ بصر کا نتیجہ جو ہے یعنی علم وہ اس کی ذات کے لیے ثابت ہے کیونکہ کمال ہے اور ذریعہ یعنی آنکھوں کی احتیاج مفقود ہے کیونکہ نقص ہے۔ پھر جس طرح اسے کہتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے مگر آنکھوں کے ذریعہ سے نہیں۔ اسی طرح ہم کہیں کہ ہم اسے دیکھتے ہیں تو یہاں بھی دیکھنے کا نتیجہ لے لو یعنی کمال یقین۔ وہ حق ہے اور ذریعہ چھوڑ دو یعنی مشاہدہ جسمانی کہ وہ باطل ہے۔

هَالِكًا. وَ لَمْ يَتَقَدَّمْهُ وَقْتٌ وَّ لَا زَمَانٌ. وَ لَمْ يَتَعَاوَرْهُ زِيَادَةٌ وَّ لَا نُقْصَانٌ. بَلْ ظَهَرَ لِلْعُقُوْلِ بِمَاۤ اَرَانَا مِنْ عَلَامَاتِ التَّدْبِيْرِ الْمُتْقَنِ، وَ الْقَضَآءِ الْمُبْرَمِ.

فَمِنْ شَوَاهِدِ خَلْقِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ مُوَطَّدَاتٍ بِلَا عَمَدٍ، قَآئِمَاتٍ بِلَا سَنَدٍ. دَعَاهُنَّ فَاَجَبْنَ طَآئِعَاتٍ مُّذْعِنَاتٍ. غَيْرَ مُتَلَكِّئَاتٍ وَّ لَا مُبْطِئَاتٍ. وَ لَوْلَا اِقْرَارُهُنَّ لَهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَ اِذْعَانُهُنَّ لَهٗ بِالطَّوَاعِيَةِ. لَمَا جَعَلَهُنَّ مَوْضِعًا لِعَرْشِهٖ. وَ لَا مَسْكَنًا لِّمَلٰٓئِكَتِهٖ. وَ لَا مَصْعَدًا لِّلْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَ الْعَمَلِ الصَّالِحِ مِنْ خَلْقِهٖ. جَعَلَ نُجُوْمَهَاۤ اَعْلَامًا يَّسْتَدِلُّ بِهَا الْحَيْرَانُ فِيْ مُخْتَلِفِ فِجَاجِ الْاَقْطَارِ. لَمْ يَمْنَعْ ضَوْءَ نُوْرِهَا ادْلِهْمَامُ سُجُفِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ. وَ لَا اسْتَطَاعَتْ جَلَابِيْبُ سَوَادِ الْحَنَادِسِ اَنْ تَرُدَّ مَا شَاعَ فِي السَّمٰوٰتِ مِنْ تَلَاْلُؤِ نُوْرِ الْقَمَرِ.

فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا يَخْفٰى عَلَيْهِ سَوَادُ غَسَقٍ دَاجٍ. وَّ لَا لَيْلٍ سَاجٍ. فِيْ بِقَاعِ الْاَرَضِيْنَ الْمُتَطَاْطِئَاتِ. وَ لَا فِيْ يَفَاعِ السُّفْعِ الْمُتَجَاوِرَاتِ. وَ مَا يَتَجَلْجَلُ بِهِ الرَّعْدُ فِيْۤ اُفُقِ السَّمَآءِ. وَ مَا تَلَاشَتْ عَنْهُ بُرُوْقُ الْغَمَامِ. وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ تُزِيْلُهَا عَنْ مَّسْقَطِهَا عَوَاصِفُ الْاَنْوَآءِ وَ انْهِطَالُ السَّمَآءِ! وَ يَعْلَمُ مَسْقَطَ الْقَطْرَةِ وَ مَقَرَّهَا. وَ مَسْحَبَ الذَّرَّةِ وَ مَجَرَّهَا. وَ مَا يَكْفِي الْبَعُوْضَةَ مِنْ قُوْتِهَا. وَ مَا تَحْمِلُ الْاُنْثٰى فِيْ بَطْنِهَا.

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَائِنِ قَبْلَ اَنْ يَكُوْنَ كُرْسِيٌّ اَوْ عَرْشٌ. اَوْ سَمَآءٌ اَوْ اَرْضٌ. اَوْ جَانٌّ اَوْ اِنْسٌ. لَا يُدْرَكُ بِوَهْمٍ. وَ لَا يُقَدَّرُ بِفَهْمٍ. وَ لَا يَشْغَلُهُ سَآئِلٌ. وَ لَا يَنْقُصُهُ نَآئِلٌ. وَ لَا يَنْظُرُ بِعَيْنٍ. وَ لَا يُحَدُّ بِاَيْنٍ. وَ لَا يُوْصَفُ بِالْاَزْوَاجِ. وَ لَا يَخْلُقُ بِعِلَاجٍ. وَ لَا يُدْرَكُ بِالْحَوَاسِّ. وَ لَا يُقَاسُ بِالنَّاسِ. الَّذِيْ كَلَّمَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا. وَ اَرَاهُ مِنْ اٰيَاتِهٖ عَظِيْمًا. بِلَا جَوَارِحَ وَ لَآ اَدَوَاتٍ. وَ لَا نُطْقٍ وَّ لَا لَهَوَاتٍ. بَلْ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا اَيُّهَا الْمُتَكَلِّفُ لِوَصْفِ رَبِّكَ. فَصِفْ جَبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَآئِيْلَ وَ جُنُوْدَ الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ. فِيْ حُجُرَاتِ الْقُدُسِ مُرْجَحِنِّيْنَ. مُتَوَلِّهَةً عُقُوْلُهُمْ اَنْ يَّحُدُّوْا اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ. فَاِنَّمَا يُدْرَكُ بِالصِّفَاتِ ذَوُو الْهَيْئَاتِ وَ الْاَدَوَاتِ. وَ مَنْ يَّنْقَضِيْ اِذَا بَلَغَ اَمَدَ حَدِّهٖ بِالْفَنَآءِ. فَلَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اَضَآءَ بِنُوْرِهٖ كُلَّ ظَلَامٍ. وَ اَظْلَمَ بِظُلْمَتِهٖ كُلَّ نُوْرٍ.[1]

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی طرف تمام خلق کی بات بازگشت اور تمام چیزوں کی رجوع ہے۔ ہم اس کی ستائش کرتے ہیں اس کے بڑے اچھے سلوک، اس کے روشن دلائل، اس کی بڑھی چڑھی بخشش وعطا اور منت واحسان پر۔ ایسی تعریف جو اس کے حق کی ادائی، اس کے شکر کی بجا آوری اور اس کے ثواب سے قریب کرنے کا ذریعہ اور اس کی نعمت کی فراوانی کا سبب ہو۔ اور اس سے ہم مدد کے ملتجی ہیں ایسے شخص کی التجا جو اس کے فضل اور

---

[1] نہج البلاغہ طامصر، ج ۱، ص ۳۵۹ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۰، ص ۴۹۹)۔

کرم کا امیدوار، اس کی طرف سے فائدہ کا متوقع، اس کی جانب سے مصیبت کے دفعیہ پر بھروسا رکھنے والا، اس کی بخشش وعطا کا مقر اور کردار و گفتار میں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہو۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں ایسے شخص والا ایمان جو یقین کے ساتھ اس سے آس لگائے ہو، ایمان رکھتے ہوئے اس سے لو لگائے، اس کی وحدت کے اعتقاد پر قائم رہتے ہوئے خلوص سے اس کی عبادت کرے، اس کی عظمت کے صحیح احساس سمیت اس کی بزرگی و عظمت کا اظہار کرتا ہو، اور ذوق و شوق اور جد و جہد کے ساتھ اس کی طرف پناہ لینا چاہتا ہو۔ وہ کسی کی اولاد نہیں کہ عزت میں کسی کا حصہ دار ہو۔[1]

اور اس کے کوئی اولاد نہیں کہ وہ اسے متروکہ کا وارث بنا کر خود گزر جائے اور کوئی وقت یا زمانہ اس کے پہلے نہیں گزرا اور زیادتی اور کمی کا اس میں گزر نہیں ہوا بلکہ وہ عقلوں کے سامنے نمایاں ہوا پائیدار نظم و تدبیر اور اٹل فیصلہ تقدیر کی ان علامتوں سے جو اس نے ہمیں آنکھوں سے دکھلا دیں۔[2]

پاک و مقدس ہے وہ ذات جس سے کوئی چیز چھپتی نہیں۔ نہ تاریک رات کی سیاہی اور نہ پر سکون شب کا سناٹا۔ پست سے پست نشیبی زمینوں میں اور نہ پاس پاس کے اونچے سے اونچے ٹیلوں کی بلندیوں میں، نہ وہ گھڑگھڑاہٹ جو اطراف آسمان میں بادل کی گرج میں ہوتی ہے اور نہ وہ جگمگاہٹ جو بجلی کے چمک چمک کر غائب ہونے میں نمودار ہوتی ہے اور نہ وہ کوئی زمین پر گرا ہوا درخت کا پتہ جسے اس کے مقام سے ہوا کے جھکڑوں اور موسلا دھار بارش نے گرا دیا ہے۔ وہ قطرہ باراں کے گرنے اور ٹھہرنے کی جگہ، چیونٹی کے رینگنے اور اناج کو کھینچ کر لے جانے کے مقام، جو ایک مچھر کی غذا کافی ہو سکتی ہے اس کی مقدار اور جو ایک

---

[1] یعنی اس کی عزت ذاتی ہے کسی دوسرے کی بدولت نہیں۔

[2] آنکھوں سے علامتیں دکھائیں اور ان کے ذریعہ سے وہ خود عقل کے سامنے نمایاں ہوا آنکھوں کے سامنے نہیں۔

ماں اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے اس کی نوعیت سے باخبر ہے۔

سب تعریف اللہ کے لیے جو موجود تھا عرش و کرسی، آسمان و زمین اور جن و انس سب کے پہلے، وہم و خیال کا اس پر دسترس نہیں اور عقل و فہم اسے کسی پیمانہ میں محدود کرنے سے قاصر ہے۔ کوئی سوال کرنے والا اسے مصروف نہیں بناتا۔ [۱]

اور کوئی بخشش و عطا اس میں کمی نہیں پیدا کرتی۔ وہ آنکھ سے نہیں دیکھتا اور "کہاں" کی قید میں محدود نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں اور وہ پیدا کرنے میں فکر و تدبیر کا محتاج نہیں۔ حواس سے اس کا ادراک ناممکن اور آدمیوں پر اس کا قیاس غلط ہے۔

اوصاف کے ذریعہ سے ادراک تو صورت و شکل اور اعضاء و جوارح رکھنے والی چیزوں کا ہوتا ہے اور ایسی چیز کا جو عمر پوری ہونے پر فنا کی رہ گزر پر روانہ ہو جائے اور وہ تو ایسا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کی طرف سے ہر تاریکی میں روشنی پیدا ہوئی اور اس کی طرف کی ظلمت سے ہر نور میں تاریکی پیدا ہوئی۔

(١٧)

خطبہ ١٨٣

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَا تُدْرِكُهُ الشَّوَاهِدُ، وَ لَا تَحْوِيْهِ الْمَشَاهِدُ، وَ لَا تَرَاهُ النَّوَاظِرُ، وَ لَا تَحْجُبُهُ السَّوَاتِرُ، الدَّالِّ عَلٰى قِدَمِهٖ بِحُدُوْثِ خَلْقِهٖ، وَ بِحُدُوْثِ خَلْقِهٖ عَلٰى وُجُوْدِهٖ، وَ بِاشْتِبَاهِهِمْ عَلٰٓى اَنْ لَّا شِبْهَ لَهٗ، الَّذِىْ صَدَقَ

---

[۱] یعنی اس کے یہاں یہ نہیں ہوتا کہ ایک سائل کے درد دل کو سن کر اس کی دستگیری کی طرف جو توجہ ہوئی تو دوسروں کی طرف التفات کا موقع نہ رہا اور ایک کے حال زار پر تاثر میں اتنی محویت ہوئی کہ دوسروں کی فکر نہ رہی۔

فِیْ مِیْعَادِہٖ، وَ ارْتَفَعَ عَنْ ظُلْمِ عِبَادِہٖ، وَ قَامَ بِالْقِسْطِ فِیْ خَلْقِہٖ، وَ عَدَلَ عَلَیْهِمْ فِیْ حُکْمِہٖ، مُسْتَشْهِدٌ بِحُدُوْثِ الْاَشْیَآءِ عَلٰی اَزَلِیَّتِہٖ، وَ بِمَا وَسَمَهَا بِہٖ مِنَ الْعَجْزِ عَلٰی قُدْرَتِہٖ، وَ بِمَا اضْطَرَّهَآ اِلَیْهِ مِنَ الْفَنَآءِ عَلٰی دَوَامِہٖ. وَاحِدٌ لَّا بِعَدَدٍ، وَ دَآئِمٌ لَّا بِاَمَدٍ، وَ قَآئِمٌ لَا بِعَمَدٍ، تَتَلَقَّاهُ الْاَذْهَانُ لَا بِمُشَاعَرَةٍ، وَ تَشْهَدُ لَهُ الْمَرَآئِیْ لَا بِمُحَاضَرَةٍ، لَمْ تُحِطْ بِهِ الْاَوْهَامُ، بَلْ تَجَلّٰی لَهَا بِهَا، وَ بِهَا امْتَنَعَ مِنْهَا، وَ اِلَیْهَا حَاکَمَهَا، لَیْسَ بِذِیْ کِبَرٍ امْتَدَّتْ بِهِ النِّهَایَاتُ فَکَبَّرَتْهُ تَجْسِیْمًا، وَ لَا بِذِیْ عِظَمٍ تَنَاهَتْ بِهِ الْغَایَاتُ فَعَظَّمَتْهُ تَجْسِیْدًا، بَلْ کَبُرَ شَاْنًا وَّ عَظُمَ سُلْطَانًا۔[۱]

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی کنہ حقیقت تک شواہد و نظائر کی رسائی نہیں۔[۲] چشم دید مناظر اس پر حاوی نہیں، آنکھیں اسے دیکھتی نہیں اور پردے اسے چھپاتے نہیں۔[۳]

جو اپنی مخلوقات کے حدوث سے اپنے قدم کا پتہ دیتا اور ان کے فنا پذیر ہونے سے اپنے لازوال وجود کا اور ان کی باہمی مشابہت سے اپنے بے مثال ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔[۴] وہ جو اپنے وعدوں میں سچا اور بندوں پر ظلم کرنے سے بری ہے۔ اس نے مخلوقات میں

---

[۱] نہج البلاغہ، ج۱، ص ۳۷۲ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۳، ص ۵۱۴)۔

[۲] یعنی شاہد اور نظیر پیش کر کے اس کی کنہ حقیقت کو سمجھا یا نہیں جا سکتا۔

[۳] عقل کی آنکھوں سے نہیں چھپاتے۔

[۴] کیونکہ یہی نقائص انہیں خالق کا محتاج بناتے ہیں تو جو اصل خالق ہوا سے ان نقائص سے بری ہونا چاہیے۔

عدالت کے نظام کو قائم کیا اور ان کے درمیان اپنے فیصلوں میں عدالت سے کام لیا ہے۔ تمام چیزوں کا نیست کے بعد ہست ہونا اس کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر اور تمام چیزوں پر اس نے جو عاجزی کا تمغا لگا دیا ہے وہ اس کی قدرت پر اور انہیں جو فنا ہونے کی مجبوری میں گرفتار کر دیا ہے وہ اس کے لازوال ہونے پر گواہ ہے۔ وہ ایک ہے مگر گنتی کے طور پر نہیں، ہمیشہ رہنے والا ہے مدت کے ساتھ نہیں، قائم ہے بغیر کسی سہارے کے، اسے انسانوں کے ذہن قبول کرتے ہیں مگر احساس کے ذریعہ سے نہیں اور مناظر اس کے گواہ ہیں مگر عینی مشاہدہ کے ساتھ نہیں، عقول انسانی اس پر حاوی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ ان ہی کی بدولت آشکارا اور ان ہی کی بنا پر ان سے پنہان ہے۔[1]

اور ان ہی سے ان کے خلاف فیصلہ لیتا ہے۔[2]

وہ اس طرح کی بڑائی والا نہیں کہ اس کے اطراف ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہوں جنہوں نے جسامت کے اعتبار سے اسے بڑا کر دیا اور اس کی عظمت اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اس کے حدود جسمانی دور تک ہوں جنہوں نے ڈیل ڈول میں اسے بہت بھاری بھرکم بنا دیا ہو بلکہ وہ شان کے لحاظ سے بڑا اور اقتدار کے اعتبار سے عظیم ہے۔

(۱۸)

خطبہ ۱۸۴

مَا وَحَّدَهُ مَنْ كَيَّفَهُ. وَ لَا حَقِيقَتَهُ اَصَابَ مَنْ مَثَّلَهُ. وَ لَا اِيَّاهُ عَنٰى مَنْ شَبَّهَهُ. وَ لَا صَمَدَهُ مَنْ اَشَارَ اِلَيْهِ وَ تَوَهَّمَهُ.

---

[1] عقل ہی نے کائنات کو دیکھ کر اس کا پتہ دیا ہے اور عقل ہی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس کی کنہ حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔

[2] عقل کو خود ہی معرفت ذات میں اپنی کوتاہی کا احساس ہے۔

كُلُّ مَعْرُوْفٍ بِنَفْسِهٖ مَصْنُوْعٌ. وَ كُلُّ قَآئِمٍ فِیْ سِوَاهُ مَعْلُوْلٌ. فَاعِلٌ لَّا بِاضْطِرَابِ اٰلَةٍ. مُقَدِّرٌ لَّا بِجَوْلِ فِكْرَةٍ. غَنِیٌّ لَّا بِاسْتِفَادَةٍ. لَا تَصْحَبُهُ الْاَوْقَاتُ. وَ لَا تَرْفُدُهُ الْاَدَوَاتُ. سَبَقَ الْاَوْقَاتَ كَوْنُهٗ. وَ الْعَدَمَ وُجُوْدُهٗ. وَ الْاِبْتِدَآءَ اَزَلُهٗ. بِتَشْعِیْرِهِ الْمَشَاعِرَ عُرِفَ اَنْ لَّا مَشْعَرَ لَهٗ. وَ بِمُضَادَّتِهٖ بَیْنَ الْاُمُوْرِ عُرِفَ اَنْ لَّا ضِدَّ لَهٗ. وَ بِمُقَارَنَتِهٖ بَیْنَ الْاَشْیَآءِ عُرِفَ اَنْ لَّا قَرِیْنَ لَهٗ. ضَادَّ النُّوْرَ بِالظُّلْمَةِ. وَ الْوُضُوْحَ بِالْبُهْمَةِ. وَ الْجُمُوْدَ بِالْبَلَلِ. وَ الْحَرُوْرَ بِالصَّرَدِ. مُؤَلِّفٌ بَیْنَ مُتَعَادِیَاتِهَا. مُقَارِنٌ بَیْنَ مُتَبَایِنَاتِهَا. مُقَرِّبٌ بَیْنَ مُتَبَاعِدَاتِهَا. مُفَرِّقٌ بَیْنَ مُتَدَانِیَاتِهَا. لَا یُشْمَلُ بِحَدٍّ. وَ لَا یُحْسَبُ بِعَدٍّ. وَ اِنَّمَا تَحُدُّ الْاَدَوَاتُ اَنْفُسَهَا. وَ تُشِیْرُ الْاٰلَاتُ اِلٰی نَظَآئِرِهَا. مَنَعَتْهَا "مُنْذُ" الْقِدَمِیَّةَ. وَ حَمَتْهَا "قَدُ"الْاَزَلِیَّةَ. وَ جَنَّبَتْهَا "لَوْلَا"التَّكْمِلَةَ! بِهَا تَجَلّٰی صَانِعُهَا لِلْعُقُوْلِ. وَ بِهَا امْتَنَعَ عَنْ نَّظَرِ الْعُیُوْنِ. لَا یَجْرِیْ عَلَیْهِ السُّكُوْنُ وَ الْحَرَكَةُ. وَ كَیْفَ یَجْرِیْ عَلَیْهِ مَا هُوَ اَجْرَاهُ. وَ یَعُوْدُ فِیْهِ مَا هُوَ اَبْدَاهُ. وَ یَحْدُثُ فِیْهِ مَا هُوَ اَحْدَثَهٗ! اِذًا لَّتَفَاوَتَتْ ذَاتُهٗ. وَ لَتَجَزَّاَ كُنْهُهٗ. وَ لَامْتَنَعَ مِنَ الْاَزَلِ مَعْنَاهُ. وَ لَكَانَ لَهٗ وَرَآءٌ اِذْ وُجِدَ لَهٗ اَمَامٌ. وَ لَالْتَمَسَ التَّمَامَ اِذْ لَزِمَهُ النُّقْصَانُ. وَ اِذًا لَّقَامَتْ اٰیَةُ الْمَصْنُوْعِ فِیْهِ. وَ لَتَحَوَّلَ دَلِیْلًا بَعْدَ اَنْ كَانَ مَدْلُوْلًا عَلَیْهِ. وَ خَرَجَ

بِسُلْطَانِ الْاِمْتِنَاعِ مِنْ اَنْ يُّؤَثِّرَ فِيْهِ مَا يُؤَثِّرُ فِيْ غَيْرِهٖ.
الَّذِيْ لَا يَحُوْلُ وَ لَا يَزُوْلُ. وَ لَا يَجُوْزُ عَلَيْهِ الْاُفُوْلُ. لَمْ يَلِدْ فَيَكُوْنَ مَوْلُوْدًا. وَ لَمْ يُوْلَدْ فَيَصِيْرَ مَحْدُوْدًا. جَلَّ عَنِ اتِّخَاذِ الْاَبْنَآءِ. وَ طَهُرَ عَنْ مُّلَامَسَةِ النِّسَآءِ. لَا تَنَالُهُ الْاَوْهَامُ فَتُقَدِّرَهٗ. وَ لَا تَتَوَهَّمُهُ الْفِطَنُ فَتُصَوِّرَهٗ. وَ لَا تُدْرِكُهُ الْحَوَاسُّ فَتَحُسَّهٗ. وَ لَا تَلْمِسُهُ الْاَيْدِيْ فَتَمَسَّهٗ. لَا يَتَغَيَّرُ بِحَالٍ. وَ لَا يَتَبَدَّلُ فِي الْاَحْوَالِ. وَ لَا تُبْلِيْهِ اللَّيَالِيْ وَ الْاَيَّامُ. وَ لَا يُغَيِّرُهُ الضِّيَآءُ وَ الظَّلَامُ. وَ لَا يُوْصَفُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْاَجْزَآءِ. وَ لَا بِالْجَوَارِحِ وَ الْاَعْضَآءِ. وَ لَا بِعَرَضٍ مِّنَ الْاَعْرَاضِ. وَ لَا بِالْغَيْرِيَّةِ وَ الْاَبْعَاضِ. وَ لَا يُقَالُ لَهٗ حَدٌّ وَّ لَا نِهَايَةٌ. وَ لَا انْقِطَاعٌ وَّ لَا غَايَةٌ. وَ لَاۤ اَنَّ الْاَشْيَآءَ تَحْوِيْهِ فَتُقِلَّهٗ اَوْ تُهْوِيَهٗ. اَوْ اَنَّ شَيْئًا يَحْمِلُهٗ. فَيُمِيْلَهٗ اَوْ يُعَدِّلَهٗ. لَيْسَ فِي الْاَشْيَآءِ بِوَالِجٍ. وَ لَا عَنْهَا بِخَارِجٍ. يُخْبِرُ لَا بِلِسَانٍ وَّ لَهَوَاتٍ. وَ يَسْمَعُ لَا بِخُرُوْقٍ وَّ اَدَوَاتٍ. يَقُوْلُ وَ لَا يَلْفِظُ. وَ يَحْفَظُ وَ لَا يَتَحَفَّظُ. وَ يُرِيْدُ وَ لَا يُضْمِرُ. يُحِبُّ وَ يَرْضٰى مِنْ غَيْرِ رِقَّةٍ. وَ يُبْغِضُ وَ يَغْضَبُ مِنْ غَيْرِ مَشَقَّةٍ.

يَقُوْلُ لِمَنْ اَرَادَ كَوْنَهٗ: ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾. لَا بِصَوْتٍ يَقْرَعُ. وَ لَا بِنِدَآءٍ يُّسْمَعُ. وَ اِنَّمَا كَلَامُهٗ سُبْحَانَهٗ فِعْلٌ مِّنْهُ اَنْشَاَهٗ. وَ مِثْلُهٗ لَمْ يَكُنْ مِّنْ قَبْلِ ذٰلِكَ كَآئِنًا. وَ لَوْ كَانَ قَدِيْمًا لَّكَانَ اِلٰهًا ثَانِيًا. لَا يُقَالُ: كَانَ بَعْدَ اَنْ لَّمْ

يَكُنْ. فَتَجْرِيَ عَلَيْهِ الصِّفَاتُ الْمُحْدَثَاتُ، وَ لَا يَكُوْنُ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗ فَصْلٌ، وَ لَا لَهٗ عَلَيْهَا فَضْلٌ، فَيَسْتَوِيَ الصَّانِعُ وَ الْمَصْنُوْعُ، وَ يَتَكَافَأَ الْمُبْتَدَعُ وَالْبَدِيْعُ.

خَلَقَ الْخَلَآئِقَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ خَلَا مِنْ غَيْرِهٖ، وَ لَمْ يَسْتَعِنْ عَلٰى خَلْقِهَا بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ. وَ اَنْشَاَ الْاَرْضَ فَاَمْسَكَهَا مِنْ غَيْرِ اشْتِغَالٍ، وَ اَرْسَاهَا عَلٰى غَيْرِ قَرَارٍ، وَ اَقَامَهَا بِغَيْرِ قَوَآئِمَ، وَ رَفَعَهَا بِغَيْرِ دَعَآئِمَ، وَ حَصَّنَهَا مِنَ الْاَوَدِ وَ الْاِعْوِجَاجِ، وَ مَنَعَهَا مِنَ التَّهَافُتِ وَ الْاِنْفِرَاجِ، اَرْسٰى اَوْتَادَهَا، وَ ضَرَبَ اَسْدَادَهَا، وَ اسْتَفَاضَ عُيُوْنَهَا، وَ خَدَّ اَوْدِيَتَهَا، فَلَمْ يَهِنْ مَا بَنَاهُ، وَ لَا ضَعُفَ مَا قَوَّاهُ.

هُوَ الظَّاهِرُ عَلَيْهَا بِسُلْطَانِهٖ وَ عَظَمَتِهٖ، وَ هُوَ الْبَاطِنُ لَهَا بِعِلْمِهٖ وَ مَعْرِفَتِهٖ، وَ الْعَالِيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مِّنْهَا بِجَلَالِهٖ وَ عِزَّتِهٖ، لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ مِّنْهَا طَلَبَهٗ، وَ لَا يَمْتَنِعُ عَلَيْهِ فَيَغْلِبَهٗ، وَ لَا يَفُوْتُهُ السَّرِيْعُ مِنْهَا فَيَسْبِقَهٗ، وَ لَا يَحْتَاجُ اِلٰى ذِيْ مَالٍ فَيَرْزُقَهٗ. خَضَعَتِ الْاَشْيَآءُ لَهٗ، وَ ذَلَّتْ مُسْتَكِيْنَةً لِّعَظَمَتِهٖ، لَا تَسْتَطِيْعُ الْهَرَبَ مِنْ سُلْطَانِهٖ اِلٰى غَيْرِهٖ فَتَمْتَنِعَ مِنْ نَّفْعِهٖ وَ ضَرِّهٖ. وَ لَا كُفْؤَ لَهٗ فَيُكَافِئَهٗ، وَ لَا نَظِيْرَ لَهٗ فَيُسَاوِيَهٗ. هُوَ الْمُفْنِيْ لَهَا بَعْدَ وُجُوْدِهَا، حَتّٰى يَصِيْرَ مَوْجُوْدُهَا كَمَفْقُوْدِهَا. وَ لَيْسَ فَنَآءُ الدُّنْيَا بَعْدَ ابْتِدَاعِهَا بِاَعْجَبَ مِنْ اِنْشَآئِهَا وَ

اخْتِرَاعِهَا. وَ كَيْفَ وَ لَوِ اجْتَمَعَ جَمِيْعُ حَيَوَانِهَا مِنْ طَيْرِهَا وَ بَهَآئِمِهَا. وَ مَا كَانَ مِنْ مُرَاحِهَا وَ سَآئِمِهَا. وَ اَصْنَافِ اَسْنَاخِهَا وَ اَجْنَاسِهَا. وَ مُتَبَلِّدَةِ اُمَمِهَا وَ اَكْيَاسِهَا. عَلٰى اِحْدَاثِ بَعُوْضَةٍ. مَا قَدَرَتْ عَلٰى اِحْدَاثِهَا. وَ لَا عَرَفَتْ كَيْفَ السَّبِيْلُ اِلٰى اِيْجَادِهَا. وَ لَتَحَيَّرَتْ عُقُوْلُهَا فِيْ عِلْمِ ذٰلِكَ وَ تَاهَتْ. وَ عَجَزَتْ قُوَاهَا وَ تَنَاهَتْ. وَ رَجَعَتْ خَاسِئَةً حَسِيْرَةً. عَارِفَةً بِاَنَّهَا مَقْهُوْرَةٌ. مُقِرَّةً بِالْعَجْزِ عَنْ اِنْشَآئِهَا. مُذْعِنَةً بِالضَّعْفِ عَنْ اِفْنَآئِهَا!.

وَ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ يَعُوْدُ بَعْدَ فَنَآءِ الدُّنْيَا وَحْدَهٗ لَا شَیْءَ مَعَهٗ. كَمَا كَانَ قَبْلَ ابْتِدَآئِهَا. كَذٰلِكَ يَكُوْنُ بَعْدَ فَنَآئِهَا. بِلَا وَقْتٍ وَّ لَا مَكَانٍ. وَ لَا حِيْنٍ وَّ لَا زَمَانٍ. عُدِمَتْ عِنْدَ ذٰلِكَ الْاٰجَالُ وَ الْاَوْقَاتُ. وَ زَالَتِ السِّنُوْنَ وَ السَّاعَاتُ. فَلَا شَیْءَ اِلَّا الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ الَّذِیْ اِلَيْهِ مَصِيْرُ جَمِيْعِ الْاُمُوْرِ. بِلَا قُدْرَةٍ مِّنْهَا كَانَ ابْتِدَآءُ خَلْقِهَا. وَ بِغَيْرِ امْتِنَاعٍ مِّنْهَا كَانَ فَنَآؤُهَا. وَ لَوْ قَدَرَتْ عَلَى الْاِمْتِنَاعِ لَدَامَ بَقَآؤُهَا. لَمْ يَتَكَآءَدْهُ صُنْعُ شَیْءٍ مِّنْهَا اِذْ صَنَعَهٗ. وَ لَمْ يَؤُدْهُ مِنْهَا خَلْقُ مَا خَلَقَهٗ وَ بَرَاَهٗ. وَ لَمْ يُكَوِّنْهَا لِتَشْدِيْدِ سُلْطَانٍ. وَ لَا لِخَوْفٍ مِّنْ زَوَالٍ وَ نُقْصَانٍ. وَ لَا لِلْاِسْتِعَانَةِ بِهَا عَلٰى نِدٍّ مُّكَاثِرٍ. وَ لَا لِلْاِحْتِرَازِ بِهَا مِنْ ضِدٍّ مُّثَاوِرٍ. وَ لَا لِلْاِزْدِيَادِ بِهَا فِیْ

مُلْكِهٖ، وَ لَا لِمُكَاثَرَةِ شَرِيْكٍ فِيْ شِرْكِهٖ، وَ لَا لِوَحْشَةٍ كَانَتْ مِنْهُ. فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَاْنِسَ اِلَيْهَا. ثُمَّ هُوَ يُفْنِيْهَا بَعْدَ تَكْوِيْنِهَا، لَا لِسَاَمٍ دَخَلَ عَلَيْهِ فِيْ تَصْرِيْفِهَا وَ تَدْبِيْرِهَا. وَ لَا لِرَاحَةٍ وَّاصِلَةٍ اِلَيْهِ. وَ لَا لِثِقَلِ شَيْءٍ مِّنْهَا عَلَيْهِ. لَا يُمِلُّهٗ طُوْلُ بَقَآئِهَا فَيَدْعُوَهٗ اِلٰى سُرْعَةِ اِفْنَآئِهَا. لٰكِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ دَبَّرَهَا بِلُطْفِهٖ، وَ اَمْسَكَهَا بِاَمْرِهٖ، وَ اَتْقَنَهَا بِقُدْرَتِهٖ. ثُمَّ يُعِيْدُهَا بَعْدَ الْفَنَآءِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِّنْهُ اِلَيْهَا، وَ لَا اسْتِعَانَةٍ بِشَيْءٍ مِّنْهَا عَلَيْهَا، وَ لَا لِانْصِرَافٍ مِّنْ حَالِ وَحْشَةٍ اِلٰى حَالِ اسْتِئْنَاسٍ، وَ لَا مِنْ حَالِ جَهْلٍ وَّ عَمًى اِلٰى حَالِ عِلْمٍ وَّ الْتِمَاسٍ، وَ لَا مِنْ فَقْرٍ وَّ حَاجَةٍ اِلٰى غِنًى وَّ كَثْرَةٍ، وَ لَا مِنْ ذُلٍّ وَّضَعَةٍ اِلٰى عِزٍّ وَ قُدْرَةٍ.[1]

جس نے اسے کیفیتوں سے متصف کیا وہ اس کی وحدت کا قائل ہی نہیں ہوا[2]

اور جس نے اسے مسلسل دوسری چیزوں کے قرار دیا وہ اس کی حقیقت تک پہنچا نہیں اور جس نے اسے دوسروں سے مشابہ بنایا اس نے اس سے سروکار ہی نہیں رکھا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھا وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ، ط مصر، ج ۱، ص ۳۷۶ ((نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۴، ص ۵۲۰)۔

[2] اس لیے کی کیفیات سے متصف ہونا خود حدوث کی نشانی ہے اور جو حادث ہے وہ دوسری اشیاء کی قطار میں ہے۔ پھر وہ واحد احد کہاں رہا جس کی شان سے یہ ہے کہ لیس کمثلہ شیء۔

[3] کیونکہ اس کی طرف توجہ اشارہ حسی کے ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو اشارہ عقلی کے ساتھ ہوتی ہے اور جب تعقل ایسے صفات کا کیا جو اس کی ذات پر منطبق نہیں تو یہ اشارہ اس کی طرف نہیں اس کے غیر کی طرف ہوا۔

ہر وہ چیز جو بذات خود پہچانی جا سکے مخلوق ہے۔[1]

اور ہر وہ شخص جو اپنے علاوہ کسی دوسرے کے اندر قرار پکڑے اپنی ہستی میں اسباب کی محتاج ہے۔ وہ کاموں کا انجام دینے والا ہے بغیر اعضاء و جوارح کی تحریک کے پیمانے مقرر کرنے والا ہے بغیر فکر کی گردش کے۔ دولت مند ہے بغیر تحصیل کئے ہوئے، زمانہ اس کے ساتھ ساتھ رہنے والا نہیں۔[2]

اور آلات و ذرائع کی مدد سے اس کے شامل حال نہیں۔ اس کا وجود اجزائے زمانہ کے پہلے۔ اس کی ہستی نیستی سے مقدم۔[3]

اور اس کی قدامت آغاز کے تصور سے آگے ہے۔[4]

آلات شعور میں شعور کی طاقت اس نے بخشی ہے، اسی سے پتہ چلا کہ وہ شعور میں آلات کا محتاج نہیں ہے اور چیزوں کے درمیان ضدیت اس نے قائم کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کی کوئی ضد نہیں اور دوسری چیزوں میں اس نے وابستگی پیدا کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس کی ذات سے وابستہ کوئی چیز نہیں۔ اس نے روشنی کو اندھیری کی، اجالے کو دھندلکے کی، خشکی کو تری کی اور گرمی کو سردی کی ضد بنایا ہے۔ وہ باہم دشمن رکھنے

---

[1] بذات خود پہچانے جانے والی چیز ایک وہ ہوگی جس کا علم حضوری ہو۔ وہ صرف اپنی ذات اور اپنے ادراکات و کیفیات نفسانی ہیں اور دوسرے وہ جس کا احساس کے ساتھ تصور ہو۔ اللہ ہماری ذات سے جدا ہے اور پھر احساس و مشاہدہ سے خارج اس لئے اس کا پہچاننا صرف آثار و دلائل سے بطور استدلال ہوتا ہے۔ بذات خود اسے پہچانا نہیں جا سکتا۔

[2] اس لئے کہ زمانہ فانی ہے اور وہ غیر فانی اور ظاہر ہے کہ فانی غیر فانی کے ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتا۔

[3] بات یہ ہے کہ نیستی خود تو کوئی امر وجود نہیں اس طور تصور اضافت کے ساتھ ہوتا ہے اور اضافتیں سب حادث ہیں جن سے ذات الٰہی مقدم ہے۔ اس لیے اس کا وجود عدم کے تصور سے بھی مقدم ہے۔

[4] آغاز طرف ابتدا میں شے کے آخری حد ہے اور ذات الٰہی محدود نہیں۔ اس لیے آغاز کا تصور اس کی ذات سے متعلق نہیں ہو سکتا۔

والی چیزوں میں انس ومحبت پیدا کرنے والا، جدا جدا چیزوں کو باہم وابستہ کرنے والا، ایک دوسرے کو باہم قریب بنانے والا اور قریب قریب کی چیزوں کا الگ الگ کرنے والا ہے۔ کسی قسم کے حدود و قیود سے اسے گھیرا اور کسی گنتی میں اسے لایا نہیں جا سکتا۔ آلات و ذرائع حد بندی کرتے ہیں تو اپنی ہی ایسی چیزوں کی اور اشارہ کرتے ہیں اس کا ہمیشہ سے ہونا" سے" مانع ہے۔[۱]

اور اس کا ازلی ہونا" ہوا ہے" سے روکتا ہے۔[۲]

اور اس کا کمال ذات" اگر مگر" سے سد راہ ہے۔[۳]

اسی کائنات کی بدولت اس کائنات کا خالق عقلوں کے سامنے جلوہ نما ہے اور اسی کی تقاضا سے وہ آنکھوں کی نگاہ سے اوجھل ہے۔[۴]

سکون اور حرکت کوئی اس کے لیے ثابت نہیں اور بھلا اس کے لیے ثابت ہی کیونکر ہو سکتی ہے وہ چیز جسے خود اس نے وجود عطا کیا ہے اور اس طرح راجع ہی کیونکر ہو سکتی ہے وہ شے جس کا آغاز خود اسی نے کیا ہے اور اس میں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے وہ جسے اس نے پیدا کیا

---

[۱] "سے" کی لفظ کسی شے کی ابتداء کو بتاتی ہے لہٰذا جو ہمیشہ سے ہو اس کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب سے ہے۔

[۲] ہوا ہے" ماضی قریب کا صیغہ ہے جس کے لیے عربی میں "قد" آتا ہے اور یہ صیغہ شے حادث ہی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے جو نیست کے بعد ہست ہوئی ہو۔ اللہ ازلی ہے یعنی نیستی سے بری ہے۔ اس لیے اس کے لیے "قد" کی لفظ کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

[۳] جس چیز میں کوئی نقص ہوگا اس کی جب تعریف کریں تو کہنا پڑے گا کہ اگر یوں نہ ہوتا تو اچھا تھا یا سب اچھائیاں ہیں مگر یہ برائی بھی ہے لیکن خدا کی ذات میں نقص کا کوئی شائبہ نہیں لہٰذا اگر مگر کی گنجائش نہیں۔

[۴] اسی کائنات کے سبب عقلوں کے لیے روشن ہے۔ بطور استدلال اس اعتبار سے کہ اثر موثر کا پتہ دیتا ہے اور اسی کا تقاضا یہ ہے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو کیونکہ اس کائنات کا امکان جو واجب الوجود کی احتیاج پیدا کرنے والا ہے متقاضی ہے کہ ذات واجب ان نقائص امکانی سے منزہ و مبرا ہو۔

ہے۔اس وقت تو اس کی ذات میں اختلاف ہوجائے اور اس کی کنہ حقیقت کا تجزیہ ہوجائے اور اس کے معنی یہ ہوں کہ اسکی ازلیت ختم ہوجائے۔[1]

اور اس کے پیچھے بھی کچھ ہو جبکہ اس کے آگے کوئی چیز ہوگئی۔[2]

اور وہ تمامیت کا محتاج ہو جبکہ اس میں نقصان ثابت ہوجائے اور پھر اس میں مخلوق کی نشانی نمایاں ہوجائے اور وہ کسی اور کا پتہ دینے لگے جبکہ اسی کا پتہ دیا جارہا تھا۔[3]

وہ اپنے جلال ذات کی بنا پر اس سے بری ہے کہ اس میں وہ چیزیں اثر کرنے لگیں جو اس کے غیر میں اثر انداز ہوتی ہیں۔وہ وہ ہے جس کے لیے تغیر و زوال نہیں۔جس کے چمکتے ہوئے سورج کے لیے غروب نہیں۔اس کے کوئی اولاد نہیں کہ اس کے لیے بھی کسی کی اولاد ہونے کا سوال پیدا ہو۔[4]

اور وہ کسی کی اولاد نہیں ورنہ محدود ہوجائے۔[5]

وہ اپنے لیے بیٹا قرار دینے سے بالاتر اور عورتوں کے پاس جانے سے پاک ہے۔

خیالات اسے پا نہیں سکتے کہ اس کا کوئی پیمانہ مقرر کرلیں اور عقول اسے توہمات کی

---

[1] مذکورہ بالا تمام جملے بلند پایہ ادبی انداز میں اس کلامی و معقولی حقیقت کا بیان ہے کہ وہ محل حوادث نہیں ہے ورنہ خود اس کی ذات میں تغیر و حدوث لازم ہوگا۔

[2] یعنی جب وہ ازلی نہ رہا اور حادث ہوگیا تو بالذات ابدی بھی نہ ہوگا بلکہ فانی ہوگا کیونکہ فنا سے مانع تو واجب الوجود ہونا ہے اور حدوث کے ساتھ امکان لازمی ہے پھر فنا سے کون امر مانع ہے۔

[3] کائنات تمام خالق کا پتہ اسی لئے تو دیتی ہے کہ وہ حادث ہے اور اسے موجد کی ضرورت ہے۔اب اگر خداوند عالم بھی حادث قرار پائے تو پھر کسی اور موجد کا پتہ دے گا۔

[4] ایک جزو ہستی کے الگ ہونے سے جس کا وجود ہو وہی اولاد ہے۔اس لئے اولاد ہونے سے اجزاء کا ثبوت اور اجزاء کے ثبوت سے اس کا حدوث لازم ہے اور جب وہ حادث ہوا تو پھر اس کا بھی دوسرے کی اولاد ہونا قابل انکار امر نہیں ہے۔

[5] زمان کے لحاظ سے بھی اور مکان کے لحاظ سے بھی اور تمام کمالات کے لحاظ سے بھی۔

آماجگاہ نہیں بنا سکتے کہ اس کی صورت گری کریں۔ احساسات اسے پا نہیں سکتے کہ جو اس کے دائرہ میں مقید کرلیں اور ہاتھ اس تک پہنچ نہیں سکتے کہ اسے چھولیں۔ وہ کسی حالت میں ادلتا بدلتا نہیں اور اس کے حالات میں نیرنگی نہیں۔ شب و روز کا گذرنا اس میں کہنگی و بوسیدگی پیدا نہیں کرتا اور روشنی اور تاریکی اس میں فرق نہیں کرتی۔ کسی طرح کے اجزاء یا اعضاء و جوارح یا کسی قسم کے عرض یا کسی دوسری شے سے امتیاز۔[1]

یا کسی قسم کے حصص و اقسام کے ساتھ اس کا وصف نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے لیے کوئی انتہا، اختتام اور آخری منزل ہے۔ نہ یہ کہ دوسری چیزیں اس پر حاوی ہو سکتی ہیں کہ اسے اونچا کریں یا نیچا، یا یہ کہ کوئی چیز اس کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے کہ اسے ٹیڑھا کرے یا سیدھا۔ وہ دوسری چیزوں کے اندر سمایا ہوا نہیں ہے اور نہ ان سے باہر ہے۔ وہ کلام کرتا ہے مگر زبان اور دہن کے ساتھ نہیں اور سنتا ہے مگر کان اور اس کے پردہ کے ساتھ نہیں۔ وہ جو کہتا ہوتا ہے اسے کہتا ہے مگر تلفظ کے ساتھ نہیں اور محفوظ رکھتا ہے مگر حفظ کرنے کی زحمت کے ساتھ نہیں۔ ارادہ کرتا ہے مگر ضمیر و دل کے ساتھ نہیں۔ وہ محبت کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے مگر نرم دلی کی کیفیت کے ساتھ نہیں اور دشمن رکھتا ہے اور غضبناک ہوتا ہے مگر طبیعت کے اوجھل ہونے کے ساتھ نہیں۔

جس چیز کو چاہتا ہے ہوجائے اسے کہتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے مگر یہ کسی آواز سے نہیں ہوتا جو کہیں ٹکرائے۔ نہ کسی پکار سے جو سنائی دے بلکہ اس کا کلام فقط اس کا ایک فعل ہے جسے وہ پیدا کرتا ہے اور وہ اس کے پہلے موجود نہیں ہوا کرتا اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا بن جاتا۔[2]

---

[1] امتیاز کا سوال اشتراک کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور اس کی ذات کا دوسروں سے کسی بات میں اشتراک ہی نہیں پھر امتیاز کا سوال کیا۔

[2] یہ کلام الٰہی کے قدیم ہونے کی رد ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پہلے نہ تھا اس کے بعد ہوا کہ اس طرح اس پر حادث قسم کی صفتیں منطبق ہونے لگیں گی اور اس میں اور دیگر کائنات میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ نہ اسے ان پر کوئی فوقیت ہوگی۔ اس طرح خالق اور مخلوق اور موجد اور ایجاد کردہ اشیاء برابر ہو جائیں گے۔ اس نے مخلوقات کو پیدا کیا بغیر کسی نمونہ کے جو پہلے کسی دوسرے سے وجود میں آ چکا ہو اور ان کی تخلیق میں اس نے اپنے مخلوقات میں سے کسی کی امداد حاصل نہیں کی۔

وہ اپنی طاقت و اقتدار کے ساتھ ان سب پر غالب اور اپنی دانائی اور شناخت کے ساتھ ان کے اندر پیرا ہوا اور اپنی جلالت و بزرگی کے ساتھ ان سب سے بالا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز جس کے پیچھے وہ پڑے اسے بے بس نہیں بنا سکتی اور نہ اس کے قابو میں آنے سے انکار کر کے اس کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتی ہے اور کتنی ہی تیز رفتار ہو اس سے آگے نکل نہیں سکتی۔ وہ کسی مالدار کا محتاج نہیں کہ وہ اسے روزی پہنچائے۔ تمام چیزیں اس کے سامنے جھکی ہوئی اور اس کا عظمت کا اقرار کرتی ہوئی اور اس کے سامنے سرنگون ہیں۔ وہ اس کے اقتدار سے نکل کر کسی اور کی طرف بھاگ نہیں سکتیں کہ اس طرح اس کے نفع اور ضرر سے بے نیاز ہو جائیں اور اس کا کوئی مدمقابل نہیں کہ وہ اس کی ہمسری کرے اور نہ کوئی مثل ہے کہ اس سے برابری کرے۔ وہ ان سب کو ہستی کے بعد نیست کرنے والا ہے یہاں تک کہ ان میں کی ہر بود نابود کی مانند ہو جائے۔

اور بے شک حضرت احدیّت دنیا کو ختم کرنے کے بعد پھر اسی طرح ایک اکیلا رہ جائے گا جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے کے قبل تھا۔ یونہی اس کو فنا کرنے کے بعد وہ رہے گا جس کے لیے نہ کوئی وقت ہوگا، نہ جگہ، نہ مدت، نہ زمانہ۔ اس وقت مدت، وقت سال اور ساعتیں سب ختم ہو چکے ہوں گے۔

کوئی چیز نہ ہوگی سوائے اس اکیلے غالب وہ طاقتور کے جس کی طرف تمام معاملات کو

ہر پھر کر جاتا ہے۔ شروع شروع بھی یہ کائنات بغیر اپنی قدرت و اختیار کے پیدا ہوئی تھی اور بے بسی ہی کے ساتھ اسے فنا بھی ہونا ہے اور اگر وہ اس سے انکار کی قدرت رکھتی تو ہمیشہ باقی ہی کیوں نہ رہتی۔[1]

کسی شے کو بھی جب اس نے بنایا تو اس کی صنعت گری میں اسے دشواری پیش نہیں آئی اور کسی مخلوق کے پیدا کرنے میں اسے زحمت کا سامنا نہیں ہوا اور اس نے یہ سب کائنات کسی اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے نہیں بنائی۔ اور نہ کسی تباہی و نقصان کے اندیشہ سے، نہ کسی مدمقابل کے مقابلہ میں، ان سے سہارا لینے کے لیے اور نہ کسی حملہ آور غنیم سے بچاؤ کی خاطر، نہ اپنے حدود میں اضافہ کے خیال سے، نہ کسی شریک کار پر اپنی فوقیت ثابت کرنے کو اور نہ اس بنا پر کہ اس کا دم گھبرا رہا ہو تو اس نے چاہا ہو کہ ان سے اسے دل بستگی ہو۔

پھر وہ پیدا کر چکنے کے بعد ان سب کو فنا کر دے گا۔ نہ ان کے انتظام اور بندوبست سے اکتانے کی وجہ سے اور نہ کسی آرام و راحت کے لیے جو اسے درکار ہے۔ اور نہ کسی بوجھ کی وجہ سے جو ان میں سے کسی چیز سے اس پر پڑ رہا ہے۔ نہ ان اشیاء کا عرصہ تک باقی رکھنا اس کی کبیدہ خاطری کا سبب ہے جو اس کے جلد فنا کر دینے کا باعث ہو۔ بلکہ اس نے اس کے بندوبست کو اپنے فضل و کرم سے اور اس کی روک تھام کو اپنے حکم سے اور اس کے استحکام کو اپنی قدرت سے وابستہ کر رکھا ہے۔

پھر فنا کرنے کے بعد وہ دوبارہ اسے پیدا کرتا ہے نہ اس لیے کہ اسے ان کی کوئی احتیاج ہے اور نہ اس میں سے کسی چیز سے دوسرے اشخاص کے مقابلہ میں مدد حاصل کرنے کے لیے اور نہ اس لیے کہ دم گھبرانے لگا تو اسے پھر دل بہلانے کی ضرورت ہوئی اور نہ یہ کہ اسے خبر نہ تھی اور وہ تاریکی میں تھا۔ اب اسے علم ہوا اور جستجو پیدا ہوئی اور نہ یہ کہ وہ فقیر و

[1] اس لیے کہ وجود محبوب ہے پھر عدم اس کے مقابلے میں اختیار ہی کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

محتاج تھا اب اسے دولت وقدرت حاصل ہوگئی اور نہ یہ کہ وہ بے بس و بے کس تھا اب اسے عزت وقدرت مل گئی۔ [1]

(۱۹)

خطبہ ۱۹۳

وَ اِنَّهٗ لَبِكُلِّ مَكَانٍ. وَ فِیْ كُلِّ حِیْنٍ وَّ اَوَانٍ. وَ مَعَ كُلِّ اِنْسٍ وَّ جَانٍّ. لَا یَثْلِمُهُ الْعَطَآءُ، وَ لَا یَنْقُصُهُ الْحِبَآءُ، وَ لَا یَسْتَنْفِدُهٗ سَآئِلٌ، وَ لَا یَسْتَقْصِیْهِ نَآئِلٌ، وَ لَا یَلْوِیْهِ شَخْصٌ عَنْ شَخْصٍ. وَ لَا یُلْهِیْهِ صَوْتٌ عَنْ صَوْتٍ. وَ لَا تَحْجُزُهٗ هِبَةٌ عَنْ سَلْبٍ. وَ لَا یَشْغَلُهٗ غَضَبٌ عَنْ رَّحْمَةٍ. وَ لَا تُوْلِهُهٗ رَحْمَةٌ عَنْ عِقَابٍ. وَ لَا یُجِنُّهُ الْبُطُوْنُ عَنِ الظُّهُوْرِ. وَ لَا یَقْطَعُهُ الظُّهُوْرُ عَنِ الْبُطُوْنِ. قَرُبَ فَنَاٰی. وَ عَلَا فَدَنَا، وَ ظَهَرَ فَبَطَنَ، وَ بَطَنَ فَعَلَنَ. وَ دَانَ وَ لَمْ یُدَنْ. لَمْ یَذْرَاِ الْخَلْقَ بِاحْتِیَالٍ. وَ لَا اسْتَعَانَ بِهِمْ لِكَلَالٍ. [2]

وہ ہر جگہ ہے اور ہر وقت و زمانہ میں اور ہر آدمی اور جن کے ساتھ فیض وعطا اس میں کوئی

---

[1] افعال بشر میں تنوع اکثر ان کے جذبات وخیالات کے اختلاف سے ہوتا ہے اور چونکہ وہ خود مجموعہ جات ہیں اس لئے ان کے ہر فعل میں کچھ نہ کچھ اپنی ذاتی غرض ہوتی ہے جس کا فائدہ خود ان کی طرف عائد ہو اور ان کے لحاظ سے دنیا کو پیدا کرنے پھر فنا کرنے اور پھر دوبارہ پیدا کرنے میں اس قسم کے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی خداوند عالم سے نفی کی گئی ہے کیونکہ وہ غنی بالذات اور بے نیاز مطلق ہے۔ اس کا کوئی فعل جذبات اور اپنے ذاتی اغراض کی بنا پر نہیں ہوتا۔

[2] نہج البلاغہ، ط مصر، ج ۱، ص ۴۲۸ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۳، ص ۵۷۴)۔

کمی نہیں کرتا، برابر دیتے رہنا اسے کبیدہ خاطر نہیں بناتا، کوئی مانگنے والا اس کے خزانے کو ختم نہیں کر سکتا اور کوئی عطیہ اس کے مقدور کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایک شخص دوسرے شخص سے اسے غافل اور ایک آواز دوسری آواز سے اسے بے خبر نہیں بناتی۔ اسے عطا کی رو نعمت کے سلب کرنے سے نہیں روکتی اور غیظ و غضب کا غلبہ اسے رحم و کرم سے سدراہ نہیں اور رحم و کرم کا وفور سزا دینے سے غافل نہیں بناتا۔[1]

اور اندر کی چیزیں اس کی نظر سے ظاہری پہلوؤں کو اوجھل نہیں کرتیں اور نہ ظاہری پہلو اسے اندرونی پہلوؤں سے غیر متعلق بناتے ہیں۔ وہ قریب ہو کر پھر دور ہے اور بلند ہو کر پاس ہے اور نمایاں ہو کر پوشیدہ ہے اور پوشیدہ ہو کر نمایاں ہے۔ وہ دوسروں سے جواب طلب کر سکتا ہے اور اس سے جواب طلب کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

اس نے خلق کو اس طرح نہیں پیدا کیا کہ اس میں ترکیبوں کی ضرورت پڑی ہو۔[2]
اور نہ اس کا سہارا لیا اس لیے کہ وہ تھک کر عاجز آ گیا ہو۔

(۲۰)

خطبہ ۱۹۶

[1] افعال جب جذبات کے ماتحت ہوں تو ایسا ہوگا کہ کسی شخص کو ایک وقت عطا کی رو ہوئی تو اب جس سے نعمتوں کے سلب کرنے کی ضرورت ہے اس سے بھی اس وقت وہ چشم پوشی کر دے گا۔ کسی وقت جب غیظ و غضب کا غلبہ ہے تو جو شخص بیچارہ رحم و کرم کا حقدار ہے وہ بھی اس کی زد میں آ جائے گا اور رحم و کرم کا وفور ہو گیا تو اب ایک شخص جو سزا کا مستحق ہے وہ بھی سزا سے بچ گیا۔ خداوند عالم کے افعال چونکہ از روئے جذبات نہیں بلکہ بربنائے حکمت ہوتے ہیں، وہاں یہ بات نہیں ہو سکتی۔

[2] ترکیبیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچنے کی ضرورت اسے پڑتی ہے جس کی قدرت کامل نہ ہو اور اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے اس لیے کہ اس کی قدرت کامل ہے لہذا ہر شے اس کے لئے آسان ہے اس کے واسطے کسی ترکیب سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

يَعْلَمُ عَجِيْجَ الْوُحُوْشِ فِي الْفَلَوَاتِ. وَ مَعَاصِيَ الْعِبَادِ فِي الْخَلَوَاتِ. وَ اخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ. وَ تَلَاطُمَ الْمَآءِ بِالرِّيَاحِ الْعَاصِفَاتِ.[1]

وہ بیابانوں میں وحشی جانوروں کی چیخ و پکار، تنہائیوں میں بندوں کے سوء کردار، گہرے دریاؤں میں مچھلیوں کی آمد و رفت اور تیز آندھیوں سے پانی کے تھپیڑوں ان سب چیزوں کو جانتا ہے۔

(۲۱)

خطبہ ۲۱۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ عَنْ شَبَهِ الْمَخْلُوْقِيْنَ. الْغَالِبِ لِمَقَالِ الْوَاصِفِيْنَ. الظَّاهِرِ بِعَجَآئِبِ تَدْبِيْرِهٖ لِلنَّاظِرِيْنَ. الْبَاطِنِ بِجَلَالِ عِزَّتِهٖ عَنْ فِكْرِ الْمُتَوَهِّمِيْنَ. الْعَالِمِ بِلَا اكْتِسَابٍ وَّ لَا ازْدِيَادٍ. وَلَا عِلْمٍ مُّسْتَفَادٍ. الْمُقَدِّرِ لِجَمِيْعِ الْأُمُوْرِ بِلَا رَوِيَّةٍ وَّ لَا ضَمِيْرٍ. الَّذِيْ لَا تَغْشَاهُ الظُّلَمُ. وَ لَا يَسْتَضِيْٓءُ بِالْأَنْوَارِ. وَ لَا يَرْهَقُهٗ لَيْلٌ. وَ لَا يَجْرِيْ عَلَيْهِ نَهَارٌ. لَيْسَ اِدْرَاكُهٗ بِالْاِبْصَارِ. وَ لَا عِلْمُهٗ بِالْاِخْبَارِ.[2]

سب تعریف اللہ کے لیے جو مخلوقات کی شباہت سے بالاتر اور ثناء و صفت کرنے کی گفتگو پر غالب ہے۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ، ط مصر، ج ۱، ص ۴۳۳ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۶، ص ۵۸۰)۔
[2] نہج البلاغہ، ط مصر، ج ۱، ص ۴۵۵ (نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۱۱، ص ۶۱۱)۔
[3] یعنی اپنے لامحدود کمال سے ان کی قوت اظہار کو شکست دے دیتا ہے۔

جو حسن انتظام کے عجیب وغریب کرشموں سے دیکھنے والوں کے سامنے نمایاں اور اپنی کبریائی کی عظمت کے ساتھ تصور کرنے والوں کی فکر سے بھی پوشیدہ ہے۔ جو بغیر تحصیل، بغیر اضافہ، بغیر کسی اور سے استفادہ کئے ہوئے علم کے عالم ہے، جو تمام امور کے پیمانے مقرر کرنے والا ہے بغیر غور وفکر اور بغیر ذہن کے۔[1]

وہ وہ ہے جس پر تاریکیاں پردہ نہیں ڈالتی اور روشنیوں سے وہ کسب ضائع نہیں کرتا۔ رات اسی کو ڈھانپتی نہیں اور دن اس پر چھاتا نہیں۔ اس کا علم نگاہوں کے ذریعہ سے نہیں اور اس کا علم [2] اطلاعات کی بنا پر نہیں۔

---

[1] ذہن بھی قوائے جسمانیہ میں سے ہے اور اللہ جسمانیات سے بری ہے۔

[2] یہ اضافت فاعل کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور مفعول کی طرف بھی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اسے جو علم ہے وہ ذرائع جسمانی سے نہیں ہے اور نہ دوسروں کے دیے ہوئے اطلاعات کے ذریعہ سے۔ جس طرح دنیا کے بادشاہوں کو ہوتا ہے اور دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اس کی معرفت آنکھوں سے دیکھ کر نہیں ہے اور نہ ایسوں سے مل کر جنہوں نے اسے دیکھا ہو کیونکہ اس کی رویت محال ہے ہمارے لئے بھی اور ہم سے پہلے والوں کے لئے بھی۔

اختتامی تبصرہ

الہیات کے سومسئلے

نہج البلاغہ کے اس حصہ پر جو الہیات سے متعلق ہے اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دور امیر المومنین علیہ السلام سے اس وقت تک چودہ سو سال کے قریب مدت میں مشرق اور مغرب کے حکماء و الٰہیین کے تمام تحقیقات انہی مسائل کے اندر گردش کرتے رہے ہیں جن پر امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے کلام میں روشنی ڈال دی ہے اور آج تک علم ایک سر مو بھی اس کے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔

ہم اس وقت سرکار مرتضوی (علیہ السلام) کی ولادت کی چہاردہ صد سالہ یادگار کے موقع پر صرف ان مسائل کی فہرست مرتب کئے دیتے ہیں۔ اگر اس یادگار کے سلسلہ میں مشرقی اور مغربی افکار پر نظر رکھنے والوں کی ایک جمعیت بن جائے جو اس فہرست کے مطابق فلاسفہ مشرق و مغرب کے افکار کو ان مسائل کے متعلق جمع کر کے ان پر تفصیلی تبصرہ کرے جس میں بلاشبہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام "امام الکلام" ہوگا جو تضاد و اختلاف سے پیدا شدہ تاریکیوں میں آفتاب حقیقت بن کر چمکے گا۔ تو یہ اس یادگار کے سلسلہ میں ایک شایان شان کارنامہ قرار پا سکتا ہے۔

ابوالآئمہ کے تعلیمات

فخر المحققین سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی اعلی اللہ مقامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ آلِہِ الطَّاھِرِیۡنَ۔

اس کے قبل "نہج البلاغہ کا استناد" دُنیائے تحقیق میں پیش کیا جا چکا ہے۔ جس میں علمائے اسلام اور مستند ارباب قلم کے بیانات سے کتاب "نہج البلاغہ" کا اعتبار اور اُس کے مندرجات کا کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونا ثابت ہو چکا اور معلوم ہوا کہ انصاف پسند اور محقق علمائے اہل سنت نے نہج البلاغہ کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام تسلیم کیا ہے۔ رسالتمآبؐ کی مشہور و متواتر حدیث "عَلِیٌّ مَعَ الۡحَقِّ وَالۡحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ" کی بنا پر مسلمانوں کے لیے اب یہ کھلا ہوا راستہ تھا کہ وہ حقانیت کے راستے میں اس کتاب کو اپنا پیشوا بناتے اور جس قسم کے تعلیمات اس کتاب سے مستفاد ہوتے اُن کو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھ کر اُن کو اپنا سرمایۂ ایمان و اعتقاد قرار دیتے لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ مسلمانوں نے زیادہ تر اس خزانۂ تحقیقات و معارف سے چشم پوشی کرنا ہی اپنے لیے بہتر سمجھا۔ خدا نیک بدلا دے شیخ محمد عبدہ مفتی دیار مصریہ کو جنھوں نے اپنی بلند نظری اور حقیقت پسندی سے اس کتاب کو اپنے مخصوص حواشی کے ساتھ مصر میں شائع کر دیا جس کے بعد موصوف کی شخصیت اور مسلمہ مرجعیت اور قابلیت کی بناء پر عام اشخاص کو بھی وہ ہاتھوں ہاتھ لینا پڑی اور اس طرح کئی مرتبہ اُس کے چھپنے کی مصر و بیروت میں نوبت آئی نہیں تو جامعہ اسلامی کا بڑا طبقہ اس کتاب کی صورت سے بھی واقف نہ ہوتا۔

بے شک شیعی طبقہ جس نے شروع ہی سے آئمہ اہلبیتؑ کے اقوال و ہدایات کی پیروی اختیار کی تھی اُس نے امیر المومنین علیہ السلام کے ان گرانقدر افادات سے بیش قرار فائدہ اُٹھایا اور وہ انہیں پورے طور سے مرکز توجہ قرار دیئے رہے۔

نہج البلاغہ کے تعلیمات اتنے وسیع، جامع اور محیط ہیں جو عالم بدیہیات کے تمام

شعبوں پر حاوی ہیں اور اس لیے شروع سے لے کر آخر تک تمام مذہبی تعلیمات اور اہم اصول وعقائد کے لیے وہ معیار بننے کے قابل ہیں۔

چنانچہ اس موقع پر ہم نہج البلاغہ کے مندرجہ مضامین کو جو مختلف مسائل مذہب میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں ایک مرتب نظام کے ساتھ درج کرتے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ مذہب شیعہ کے اصول کس درجہ امیر المومنین علیہ السلام کے حقائق آموز تعلیمات کے مطابق ہیں۔

(۱)

توحید

خدا کے لیے ذات سے جداگانہ صفات کی نفی

نہج البلاغہ مطبوعہ مصر، ص ۱۶۔

اَوَّلُ الدِّيْنِ مَعْرِفَتُهٗ، وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِيْقُ بِهٖ، وَ كَمَالُ التَّصْدِيْقِ بِهٖ تَوْحِيْدُهٗ، وَ كَمَالُ تَوْحِيْدِهِ الْاِخْلَاصُ لَهٗ، وَ كَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَهٗ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ، لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ اَنَّها غَيْرُ الْمَوْصُوْفِ، وَ شَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهٗ غَيْرُ الصِّفَةِ. فَمَنْ وَصَفَ اللهَ سُبْحَانَهٗ فَقَدْ قَرَنَهٗ، وَ مَنْ قَرَنَهٗ فَقَدْ ثَنَّاهُ۔

دین کی پہلی منزل خدا کی معرفت ہے اور معرفت کا اہم جزو تصدیق ہے اُس کی اور تصدیق کا اہم جزو توحید ہے اُس کی اور توحید کا اہم جزو اخلاص ہے اُس کے لیے اور اخلاص کا اہم جزو یہ ہے کہ اُس کے لیے ذات سے ماسوا صفات کا انکار کرے اس لیے کہ صفت کا مفہوم بولتا ہے کہ وہ موصوف کا غیر ہے اور موصوف کا مفہوم کہتا ہے کہ وہ صفت کے علاوہ ہے تو جس نے خدا کے لیے صفت ثابت کی اس نے

خدا کا ہمسر بنا دیا اور جس نے خدا کا ہمسر بنایا اس نے اُس کو دو (۲) سمجھ لیا (ایک ذات اور ایک صفت، لہٰذا توحید ہاتھ سے گئی؟)

[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۱،ص۹۱]

ص۲۹۴۔ مَنْ وَصَفَهُ فَقَدْ حَدَّهُ، وَ مَنْ حَدَّهُ فَقَدْ عَدَّهُ، وَمَنْ عَدَّهُ فَقَدْ اَبْطَلَ اَزْلَهُ۔

جس نے خدا کے لیے صفت ثابت کی اُس نے اُسے محدود بنا دیا۔ (کیونکہ ذات الٰہی کو خود اُس نے کمالات سے عاری مانا اور اُس کو محتاج اپنے کمالات میں اوصاف کا قرار دیا) اور جس نے اُس کو محدود بنا دیا وہ اُس کو دوسری تمام اشیاء کی قطار میں لے آیا اور جو اُس کو دوسرے اشیاء کے شمار میں لے آیا اُس نے اُس کے ازلی اور قدیم ہونے کو غلط ٹھہرا دیا (کیونکہ وہ محتاج ہے اور جو محتاج ہے وہ حادث ہے قدیم نہیں)۔[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۱،ص۹۱]

(۲)
خدا کا کوئی مکان اور محل نہیں

ص۱۷۔ وَ مَنْ قَالَ: ''فِيْمَ؟'' فَقَدْ ضَمَّنَهُ، وَ مَنْ قَالَ: ''عَلَامَ؟'' فَقَدْ اَخْلٰى مِنْهُ۔

جو شخص کہے کہ وہ کا ہے میں ہے؟ تو اُس نے خدا کو کسی شے کے ضمن میں فرض کر لیا (اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ خدا محدود نہیں ہے) اور جو شخص کہے کہ وہ کا ہے کے اوپر ہے؟ تو اُس نے اُس سے خالی حدود بھی فرض کر لیے (حالانکہ وہ کسی جگہ سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ ہر جگہ ہے اور کہیں نہیں ہے؟)۔[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۱،ص۹۲]

ص۳۵۲۔ لَا یَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ. وَ لَا یُغَیِّرُهُ زَمَانٌ. وَ لَا یَحْوِیْهِ مَكَانٌ۔

اُس کو کوئی حالت متفرق نہیں کر سکتی اور نہ امتداد زمانہ اُس میں تغیّر پیدا کر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اُس کو شامل ہو سکتا ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۶، ص ۴۹۲]

(۳)
نفی رویت یعنی خدا دیکھنے کی چیز نہیں ہے

اَلْاَوَّلُ الَّذِیْ لَمْ یَكُنْ لَهٗ قَبْلٌ فَیَكُوْنَ شَیْءٌ قَبْلَهٗ. وَ الْاٰخِرُ الَّذِیْ لَیْسَ لَهٗ بَعْدٌ فَیَكُوْنَ شَیْءٌ بَعْدَهٗ. وَ الرَّادِعُ اَنَاسِیَّ الْاَبْصَارِ عَنْ اَنْ تَنَالَهٗ اَوْ تُدْرِكَهٗ۔

اول ہے ایسا جس کی کوئی ابتداء نہیں تا کہ کوئی شے اُس کے قبل فرض کی جا سکے اور آخر ہے ایسا کہ اُس کے لیے انتہا نہیں تا کہ کوئی شے اُس کے بعد خیال کی جا سکے۔ وہ جو روکنے والا ہے مردمک چشم کو اس بات سے کہ وہ اُسے پا سکیں یا اُس تک پہنچ سکیں۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۸۶]

ص۲۰۹۔ اَنَّكَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ. لَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ. لَمْ یَنْتَهِ اِلَیْكَ نَظَرٌ. وَ لَمْ یُدْرِكْكَ بَصَرٌ. اَدْرَكْتَ الْاَبْصَارَ. وَ اَحْصَیْتَ الْاَعْمَارَ۔

خداوندا تو زندہ۔ قائم و دائم ہے۔ نہ تیرے لیے غنودگی ہے نہ نیند۔ تجھ تک کوئی نظر پہنچ نہ سکی اور تجھ کو کوئی بصارت پا نہیں سکی۔ بے شک تو نے تمام نظروں کا احاطہ کیا اور تمام لوگوں کی عمر کا جائزہ لیا ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۵۸، ص ۴۴۵]

ص۳۵۵۔ لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِيَانِ، وَ لٰكِنْ تُدْرِكُهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَآئِقِ الْاِيْمَانِ۔

اُس کو ظاہری آنکھیں اپنے مشاہدہ سے دیکھ نہیں سکتیں لیکن دل ہیں جو اُس کو ادراک کرتے ہیں حقیقت ایمان کے ذریعہ سے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۷، ص ۴۹۴]

ص۳۶۷۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَعْرُوْفِ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَةٍ، وَ الْخَالِقِ مِنْ غَيْرِ مَنْصَبَةٍ۔

ستائش اُس خدا کے لیے جو بغیر دیکھے پہنچانا جاتا ہے اور بغیر کسی تھکن، مشقت کے خلق کرنے والا ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۱، ص ۵۰۹]

ص۳۷۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَاتُدْرِكُهُ الشَّوَاهِدُ، وَلَا تَحْوِيْهِ الْمَشَاهِدُ، وَلَاتَرَاهُ النَّوَاظِرُ، وَلَاتَحْجُبُهُ السَّوَاتِرُ۔

ستائش اُس خدا کے لیے جس کو مشاہدات پا نہیں سکتے اور جسمانی مناظر جس کو سما نہیں سکتے اور آنکھیں جس کو دیکھ نہیں سکتیں اور پردے جس کو مخفی نہیں کر سکتے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۳، ص ۵۱۴]

(۴)

خدا کو جزئیات کا علم

مسلمانوں کے بہت سے افراد نے باتباع بعض فلاسفہ یہ سمجھ لیا کہ خداوند عالم کو کلیات کا علم تو ہوتا ہے مگر جزئیات اس کے دائرۂ علم سے خارج ہیں۔ جزئیات کے ساتھ علم الٰہی کے متعلق ہونے میں اُن کو بڑی دشواریاں نظر آئیں جن کا واحد حل اُن کو یہی نظر آیا کہ خدا کے علم کو محدود بنا دیں۔ حالانکہ عقل خدا کی ذات کے کامل ہونے کا فیصلہ کر کے

جزئیات سے اُس کے علم کے متعلق نہ ہونے کو بہت بڑا نقص سمجھتی ہے جو کسی طرح خدا کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔

اُن کی مزعومہ دشواریاں غور کرنے کے بعد سراب سے زیادہ اصلیت نہیں رکھتیں۔ جزئیات کو متغیر دیکھ کر انہیں خداوند عالم کے قدم ذاتی کو خطرہ نظر آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ معلومات کے تغیر یا حدوث سے علم اور عالم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تجدد وحدوث معلوم میں ہے علم میں نہیں ہے۔

اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا علم محیط ہے۔ کوئی شے اُس کے علم سے خارج نہیں ہے۔ جزئیات ہوں یا کلیات سب یکساں طور پر اُس کے دائرہ علم میں داخل ہیں۔

نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے اور خدا کے احاطۂ علمی کی مکمل طور سے الفاظ کے اعجاز میں تصویریں کھینچی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ص۱۴۴۔ وَ اَحَاطَ بِكُمُ الْاِحْصَآءَ. وَ اَرْصَدَ لَكُمُ الْجَزَآءَ. وَ اٰثَرَكُمْ بِالنِّعَمِ السَّوَابِغِ. وَ الرِّفَدِ الرَّوَافِغِ. وَ اَنْذَرَكُمْ بِالْحُجَجِ الْبَوَالِغِ. فَاَحْصَاكُمْ عَدَدًا. وَ وَظَّفَ لَكُمْ مُدَدًا۔

خدا نے تمہارا پورا جائزہ لے کر تم کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور تمہارے لیے جزاء اخروی کے مواقع فراہم کئے ہیں اور تمہیں کامل نعمتوں اور مکمل انعامات کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور تم کو کامیاب دلائل کے ساتھ اپنا خوف دلایا ہے اور تمھاری مردم شماری پوری پوری کر کے تمھارے لیے وظیفے مقرر کئے ہیں۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۰]

ص۱۸۳۔ قَسَمَ اَرْزَاقَهُمْ. وَ اَحْصٰى اٰثَارَهُمْ وَ اَعْمَالَهُمْ. وَ عَدَدَ اَنْفَاسِهِمْ. وَ خَآئِنَةَ اَعْيُنِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ

مِنَ الضَّمِيْرِ. وَمُسْتَقَرَّهُمْ وَ مُسْتَوْدَعَهُمْ مِنَ الْاَرْحَامِ وَالظُّهُوْرِ. اِلَى اَنْ تَتَنَاهٰى بِهِمُ الْغَايَاتُ۔

اُس نے تمام لوگوں کے رزق تقسیم کیے اور اُن کے باقی ماندہ نشانوں اور کارگزاریوں اور اُن کی سانسوں کی تعداد اور آنکھوں کی چشمکوں اور دل کے چھپے ہوئے خیالات اور جہاں اُن کے نطفوں کی قرارگا ہیں اور امانت رکھے جانے کی جگہیں تھیں ماؤں کے شکم اور آباؤ اجداد کی پشت میں یہاں تک کہ اُنہیں خلقت کے حدود اپنی انتہا تک پہنچائیں ان تمام باتوں کا وہ پورا پورا جائزہ لیے ہوئے ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۸، ص ۲۸۴]

ص ۱۹۴۔ عَالِمُ السِّرِّ مِنْ ضَمَآئِرِ الْمُضْمِرِيْنَ. وَ نَجْوَى الْمُتَخَافِتِيْنَ. وَ خَوَاطِرِ رَجْمِ الظُّنُوْنِ. وَ عُقَدِ عَزِيْمَاتِ الْيَقِيْنِ. وَ مَسَارِقِ اِيْمَاضِ الْجُفُوْنِ. وَ مَا ضَمِنَتْهُ اَكْنَانُ الْقُلُوْبِ وَ غَيَابَاتُ الْغُيُوْبِ. وَ مَآ اَصْغَتْ لِاسْتِرَاقِهٖ مَصَآئِخُ الْاَسْمَاعِ. وَ مَصَآئِفِ الذَّرِّ. وَ مَشَاتِي الْهَوَامِّ. وَ رَجْعِ الْحَنِيْنِ مِنَ الْمُوْلَهَاتِ. وَ هَمْسِ الْاَقْدَامِ. وَ مُنْفَسَحِ الثَّمَرَةِ مِنْ وَلَآئِجِ غُلُفِ الْاَكْمَامِ. وَ مُنْقَمَعِ الْوُحُوْشِ مِنْ غِيْرَانِ الْجِبَالِ وَ اَوْدِيَتِهَا. وَ مُخْتَبَاِ الْبَعُوْضِ بَيْنَ سُوْقِ الْاَشْجَارِ وَ اَلْحِيَتِهَا. وَ مَغْرَزِ الْاَوْرَاقِ مِنَ الْاَفْنَانِ. وَ مَحَطِّ الْاَمْشَاجِ مِنْ مَّسَارِبِ الْاَصْلَابِ. وَ نَاشِئَةِ الْغُيُوْمِ وَ مُتَلَاحِمِهَا. وَ دُرُوْرِ قَطْرِ السَّحَابِ فِيْ مُتَرَاكِمِهَا. وَ مَا تَسْفِي الْاَعَاصِيْرُ بِذُيُوْلِهَا.

وَ تَعْفُو الْاَمْطَارُ بِسُيُوْلِهَا. وَ عَوْمِ بَنَاتِ الْاَرْضِ فِيْ كُثْبَانِ الرِّمَالِ. وَ مُسْتَقَرِّ ذَوَاتِ الْاَجْنِحَةِ بِذُرٰى شَنَاخِيْبِ الْجِبَالِ. وَ تَغْرِيْدِ ذَوَاتِ الْمَنْطِقِ فِيْ دَيَاجِيْرِ الْاَوْكَارِ. وَ مَاۤ اَوْعَبَتْهُ الْاَصْدَافُ. وَ حَضَنَتْ عَلَيْهِ اَمْوَاجُ الْبِحَارِ. وَ مَا غَشِيَتْهُ سُدْفَةُ لَيْلٍ. اَوْ ذَرَّ عَلَيْهِ شَارِقُ نَهَارٍ. وَ مَاۤ اعْتَقَبَتْ عَلَيْهِ اَطْبَاقُ الدَّيَاجِيْرِ. وَ سُبُحَاتُ النُّوْرِ. وَ اَثَرِ كُلِّ خَطْوَةٍ. وَ حِسِّ كُلِّ حَرَكَةٍ. وَ رَجْعِ كُلِّ كَلِمَةٍ. وَ تَحْرِيْكِ كُلِّ شَفَةٍ. وَ مُسْتَقَرِّ كُلِّ نَسَمَةٍ. وَ مِثْقَالِ كُلِّ ذَرَّةٍ. وَ هَمَاهِمِ كُلِّ نَفْسٍ هَامَّةٍ. وَ مَا عَلَيْهَا مِنْ ثَمَرِ شَجَرَةٍ. اَوْ سَاقِطِ وَرَقَةٍ. اَوْ قَرَارَةِ نُطْفَةٍ. اَوْ نُقَاعَةِ دَمٍ وَّ مُضْغَةٍ. اَوْ نَاشِئَةِ خَلْقٍ وَّ سُلَالَةٍ.

لَمْ تَلْحَقْهُ فِيْ ذٰلِكَ كُلْفَةٌ. وَ لَا اعْتَرَضَتْهُ فِيْ حِفْظِ مَا ابْتَدَعَ مِنْ خَلْقِهٖ عَارِضَةٌ. وَ لَا اعْتَوَرَتْهُ فِيْ تَنْفِيْذِ الْاُمُوْرِ وَ تَدَابِيْرِ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَلَالَةٌ وَّ لَا فَتْرَةٌ. بَلْ نَفَذَهُمْ عِلْمُهٗ. وَ اَحْصَاهُمْ عَدُّهٗ. وَ وَسِعَهُمْ عَدْلُهٗ. وَ غَمَرَهُمْ فَضْلُهٗ. مَعَ تَقْصِيْرِهِمْ عَنْ كُنْهِ مَا هُوَ اَهْلُهٗ۔

وہ ہر پوشیدہ بات کا جاننے والا ہے جیسے تصوّر کرنے والوں کے قلبی تصوّرات، سرگوشی کرنے والوں کی رازداریاں، توہمات وخیالات کی گردشیں، مضبوط یقینی عقیدوں کی بندشیں، وزدیدہ نگاہوں کی جنبشیں، دل کے پردوں کے بھید اور غیب کی گہرائیوں کی باتیں، چوری چھپے کان لگا کر سنی جانے والی گفتگوئیں، چونٹیوں کی گرمی کے

زمانہ کی قیامگاہ اور چوپایوں کی جاڑوں میں رہنے کی جگہیں، غمزدہ عورتوں کی تھراتی ہوئی آوازِ گریہ کی لرزش، پیروں کے چاپ کی ہلکی آوازیں، کلیوں کے غلاف میں اندرونی حصہ کے اندر میوہ کے پھیلنے کی گنجائش، پہاڑوں کے غاروں اور وادیوں میں وحشی جانوروں کے گوشہ گیر ہونے کی جگہیں، درختوں کی جڑوں اور چھالوں میں مچھر ایسے کمزور مخلوقوں کے چھپنے کے مقام، شاخوں میں پتیوں کے نکلنے کی راہیں، مردوں کی پشت کے پیچیدہ راستوں میں انسانی نطفوں کی رَوشیں، پیدا ہونے والے ابر اور اُن کی تہہ بہ تہہ ترکیبیں، ابر کی تہوں میں قطرات باراں کی روانی، بگولوں کے دامن میں لپٹ جانے والے ذرّے، بارشوں کے سیلاب سے مٹ جانے والے نقشے، ریگ کے تودوں میں روئیدہ گھاس کی ریشہ دوانی، پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں کے اوپر پرند جانوروں کے آشیانے، گھونسلوں کی تاریک فضاؤں میں بولنے والے طائروں کے چہچہے، وہ کہ جسے سینت رکھیں سیپیاں اور جس کی پرورش کریں سمندروں کی موجیں، وہ کہ جس پر پردہ ڈالے رات کا اندھیرا یا روشنی ڈالے دن کا آفتاب، وہ کہ جس پر یکے بعد دیگرے آئیں اندھیرے کے سرپوش اور روشنی کے تڑکے، ہر قدم کا نشان، ہر چیز کے ہلنے کی سنسناہٹ، ہر کلمہ میں آواز کا اُتار چڑھاؤ، ہر ہونٹ کی جنبش، ہر متنفس کی جگہ، ہر ذرہ کا وزن، ہر متفکر انسان کی اندرونی کشمکش، جو کچھ زمین کے اوپر ہے درختوں سے گرا ہوا میوہ یا ٹوٹا ہوا پتہ یا قرار یافتہ نطفہ یا نتھرا ہوا خون اور گوشت کا ٹکڑا یا پیدا شدہ خلقت اور انسانی نسل اس سب کا

خدا کو علم ہے۔

جس میں اُس کو نہ کچھ زحمت اٹھانا پڑی ہے اور نہ اپنے خاص ایجاد کردہ مخلوق کے ان حالات کے محفوظ کرنے میں اُسے تھکن اور کمزوری پیدا ہوتی ہے بلکہ پورے طور سے ان کے اندر پہنچا ہوا ہے اُس کا علم اور اُن کا پورا پورا جائزہ لیے ہوئے ہے اُس کی عدالت اور اُن پر چھایا ہوا ہے اُس کا احسان حالانکہ وہ اُس حق کے ادا کرنے سے جو اُس کے شایان شان ہے قاصر ہیں۔[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹،ص۲۹۹]

کیا عام افراد کے ذہن نشین ہونے کے قابل علم الٰہی کے عظیم احاطہ و وسعت کی تصویر اس سے زیادہ نمایاں خط و خال میں کھینچی جاسکتی ہے؟۔

ص۲۲۷۔ مَنْ تَكَلَّمَ سَمِعَ نُطْقَهُ. وَ مَنْ سَكَتَ عَلِمَ سِرَّهُ۔

جو کوئی کچھ کہتا ہے وہ اس کی آواز سنتا اور جو خاموش رہتا ہے اس کے دل کی بات جانتا ہے۔[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۱۰۷،ص ۳۳۷]

ص۴۳۳۔ يَعْلَمُ عَجِيجَ الْوُحُوشِ فِي الْفَلَوَاتِ. وَ مَعَاصِيَ الْعِبَادِ فِي الْخَلَوَاتِ. وَ اخْتِلَافَ النِّينَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ. وَ تَلَاطُمَ الْمَآءِ بِالرِّيَاحِ الْعَاصِفَاتِ۔

وہ جانتا ہے وحشی جانوروں کی صداؤں کو جو جنگلوں میں بلند ہوتی ہیں اور اپنے بندوں کے گناہوں کو جو تنہائی کی جگہوں پر ہوتے ہیں اور مچھلیوں کی آمد و رفت کو جو سمندروں کی تہیں میں ہوتی ہے اور پانی کے تھپیڑوں کو جو تیز ہواؤں کے جھکڑوں سے ہوتے ہیں۔

[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۱۹۶،ص۵۹۰]

(۵)
خدا کی عدالت

فرقۂ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم کے تمام اوامر واحکام اور افعال و تقدیرات میں صفت عدل کارفرما ہے، اُس کا کوئی فعل کبھی عدل کے خلاف نہیں ہوتا اور ناممکن ہے کہ اُس کے کسی فعل کی طرف ظلم کی نسبت صحیح ہو۔

دنیا کی کائنات میں جو اختلاف نظر آتا ہے اور افراد بشر میں باعتبار استغناء وثروت اور فقر واحتیاج جو دورنگی نمایاں ہے سب صفت عدالت کے ساتھ ہے اور کسی میں عدالت کے خلاف ذرا سا شائبہ بھی نہیں ہے۔

دوسرے لوگ خدا کی صفت عدل کے قائل نہیں ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ دنیا میں بلاؤ مصیبت، کشائش وراحت، تنگدستی واحتیاج، تونگری واستغناء کسی اصول عدالت اور معیار حکمت پر مبنی نہیں ہے۔ اور صرف خدا کی قدرت وسلطنت اور قہر وغلبہ کا مظہر ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں صاف طور سے قدرت کی کارفرمائیوں کو عدل و حکمت پر مبنی بتلایا ہے ارشاد ہوتا ہے:

ص۱۹۳۔ وَ قَدَّرَ الْاَرْزَاقَ فَكَثَّرَهَا وَ قَلَّلَهَا، وَ قَسَّمَهَا عَلَى الضِّيْقِ وَ السَّعَةِ فَعَدَلَ فِيْهَا لِيَبْتَلِيَ مَنْ اَرَادَ بِمَيْسُوْرِهَا وَ مَعْسُوْرِهَا، وَ لِيَخْتَبِرَ بِذٰلِكَ الشُّكْرَ وَ الصَّبْرَ مِنْ غَنِيِّهَا وَ فَقِيْرِهَا۔

اُس نے رزق معین کئے تو اُن کو زیادہ بھی رکھا اور کم بھی اور اُن کو تقسیم کیا تنگی اور وسعت کے اختلاف کے ساتھ تو اس میں عدالت کو ملحوظ رکھا جس سے مطلب یہ تھا کہ آزمائش ہو جس کی وہ چاہتا ہے آسانی وکشائش اور سختی وتکلیف کے ذریعہ سے اور امتحان ہو اس سے شکر اور

صبر کا غنی اور فقیر کے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۸]

ص ۲۔۳۔ اَلَّذِیْ صَدَقَ فِیْ مِیْعَادِہٖ، وَ ارْتَفَعَ عَنْ ظُلْمِ عِبَادِہٖ، وَ قَامَ بِالْقِسْطِ فِیْ خَلْقِہٖ، وَ عَدَلَ عَلَیْھِمْ فِیْ حُکْمِہٖ۔

وہ کہ جو سچا ہے اپنے وعدہ میں اور بلند ہے اس بات سے کہ ظلم کرے اپنے بندوں پر اور قائم و برقرار ہے انصاف کے ساتھ اپنی کائنات میں اور عدالت سے کام لیتا ہے اُن پر اپنے حکم میں۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۳، ص ۵۱۴]

"اِرْتَفَعَ" کی لفظ میں جس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ظلم درحقیقت نقص ہونے کی بناء پر ذات الٰہی کے لیے ناممکن ہے۔ ثبوت عدالت کے برہان عقلی پر ایک عمیق تبصرہ کیا ہے۔

(۶)
نفی جبر

انسانوں کے افعال میں انسانوں کی قدرت کو کہاں تک دخل ہے؟ یہ ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس میں عقول نے بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ کچھ لوگوں نے تو انسان کو اپنے افعال میں بالکل مستقل جان کر خدا سے اُن کے سلسلہ کو قطع ہی کر لیا ہے۔ کچھ لوگوں نے اُن افعال کی پوری ذمہ داری خدا پر قرار دیدی ہے اور اُن کا خیال ہے کہ انسان کو اس میں کچھ قدرت و اختیار ہی نہیں ہے۔

فرقۂ امامیہ کا مسلک اس میں بین بین ہے وہ کہتے ہیں کہ انسان کا کام اُس کی قدرت واختیار کا نتیجہ ہے لیکن وہ آلات واسباب جن کے ذریعہ سے انسان کو عمل پر قدرت حاصل ہوتی ہے خدا کے عطا کردہ ہیں۔ اس لیے جب خدا چاہے ان اسباب وذرائع کو سلب کر کے

انسان کو عاجز و مجبور بنا دے۔

یہی وہ تعلیم ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کے کلام سے مستفاد ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو ص ۲۴۰، ج ۲۔

کلمہ "لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" کے معنی دریافت ہوئے، حضرتؑ نے فرمایا:

اِنَّا لَا نَمْلِكُ مَعَ اللهِ شَيْئًا. وَ لَا نَمْلِكُ اِلَّا مَا مَلَّكَنَا. فَمَتٰى مَلَّكَنَا مَا هُوَ اَمْلَكُ بِهٖ مِنَّا كَلَّفَنَا. وَ مَتٰى اَخَذَهٗ مِنَّا وَضَعَ تَكْلِيْفَهٗ عَنَّا۔

ہمیں خدا کے مقابلہ میں ذرا سا بھی اختیار نہیں ہے۔ ہمیں جس قدر بھی قدرت اور اختیار ہے وہ وہی ہے جو خدا نے ہمیں عطا کر دیا ہے، اس لحاظ سے جب وہ ہمیں قدرت عطا کرتا ہے اُن افعال پر کہ جن پر اُس کا اقتدار ہم سے زیادہ ہے تو وہ ہم کو مکلف بناتا ہے۔ یعنی اوامر و نواہی ہم سے متعلق کرتا ہے اور جب وہ قدرت کو ہم سے سلب کر لیتا ہے تو تکالیف کو ہم سے ہٹا لیتا ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۴۰۴، ص ۹۵۴]

اس سے ایک طرف یہ ثابت ہوا کہ انسان کے افعال قدرت و اختیار کا نتیجہ ہیں۔ دوسری طرف یہ ظاہر ہوا کہ پھر بھی انسان خدا کے مقابلہ میں مطلق العنان نہیں ہے۔ بلکہ جب خدا چاہے تو انسان کے قدرت و اختیار کو سلب کر لے۔ تیسری طرف اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ خدا تکلیف مالا یطاق نہیں کرتا جو عدل کے خلاف ہے۔ چوتھی طرف یہ معلوم ہوا کہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو تکالیف شرعیہ مہمل و باطل ہو جاتے جو حقیقت میں نفی جبر کا برہان قوی ہے۔

نبوّت

(۷)

طہارت اصلاب وارحام انبیاء

فرقۂ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ انبیاء کا سلسلہ نسب پدری و مادری دونوں حیثیتوں سے پاک و پاکیزہ، شرک و کفر کی نجاست سے مقدس و منزّہ ہوتا ہے۔ اُن کے ددھیالی، ننھیالی سلسلۂ اجداد میں کہیں بھی ایمان کی جگہ کفر کا نشان نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کی دوسری جماعتوں نے نہ معلوم کن مقاصد کے تحت میں نبوت کے درجہ کو اس معیار کی حیثیت سے پست قرار دے دیا اور اُنہوں نے انبیاء کے آباؤ اجداد میں کفر و شرک کے دھبّے کو ممنوع قرار نہیں دیا۔ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے والد کو حقیقی طور سے آزر بت تراش قرار دے کر بہت کشادہ پیشانی سے اُن کو بت پرست کا فرزند قرار دے دیتے ہیں اور رسالتمآبؐ کی والدہ حضرت آمنہ اور جدامجد عبدالمطلب کے کافر و مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں جو انبیاء کی توصیف کی ہے اس میں صاف انبیاء کے آباؤ اجداد کے طہارت و ایمان کو ظاہر فرمایا ہے۔ [نہج البلاغہ مطبوعہ مصر، ج۱، ص۲۰۱]

فَاسْتَوْدَعَهُمْ فِيْٓ اَفْضَلِ مُسْتَوْدَعٍ. وَ اَقَرَّهُمْ فِيْ خَيْرِ مُسْتَقَرٍّ. تَنَاسَخَتْهُمْ كَرَآئِمُ الْاَصْلَابِ اِلٰى مُطَهَّرَاتِ الْاَرْحَامِ. كُلَّمَا مَضٰى مِنْهُمْ سَلَفٌ. قَامَ مِنْهُمْ بِدِيْنِ اللهِ خَلَفٌ. حَتّٰٓى اَفْضَتْ كَرَامَةُ اللهِ سُبْحَانَهٗ اِلٰى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ. فَاَخْرَجَهٗ مِنْ اَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتًا وَّ اَعَزِّ الْاَرُوْمَاتِ مَغْرِسًا. مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ صَدَعَ مِنْهَا اَنْبِيَآئَهٗ. وَ انْتَخَبَ مِنْهَآ اُمَنَآئَهٗ. عِتْرَتُهٗ خَيْرُ الْعِتَرِ. وَ اُسْرَتُهٗ خَيْرُ

الْاُسَرِ . وَ شَجَرَتُهُ خَيْرُ الشَّجَرِ۔

خدا نے اُن کو بہترین جگہوں پر ودیعت کیا اور بہترین مقاموں پر اُن کو جگہ دی۔ اُن کو دست بدست منتقل کیا بزرگ مرتبہ پشتوں نے پاک و پاکیزہ شکموں کی طرف۔ جب ان میں سے کوئی پیش رو گزرا فوراً کھڑا ہو گیا دین خدا کی تبلیغ کے لیے کوئی اس کا قائم مقام۔ یہاں تک کہ پہنچا خدا کا اعزاز حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی تک تو خدا نے اُن کو ظاہر کیا ایسی جواہرات کی کان سے جہاں کی پیداوار بہتر سے بہتر اور ایسے بزرگ اصل وصلب سے جہاں کی زراعت سب سے زیادہ معزز وممتاز تھی، ایسے شجرہ سے کہ جس سے خدا نے اپنے انبیاء کو خلق کیا اور جہاں سے اپنے امانت دار بندوں کو منتخب کیا ہے۔ آپؐ کی نسل تمام نسلوں سے بہتر اور آپ کا گھرانا تمام گھرانوں سے افضل اور آپؐ کا شجرہ تمام شجروں میں بہتر ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۹۲، ص ۳۱۳]

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک کافر صلب اور آغوش، کرائم اصلاب اور مطہرات ارحام میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتی۔

(۸)
ختم نبوت

شیعوں کا عقیدہ ہے جس میں اکثر دوسری جماعتیں بھی مسلمانوں کی ان کے ساتھ متفق ہیں بلکہ سوائے قادیانی گروہ کے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نبوّت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے اور آپؐ کے بعد نبوت و رسالت اور وحی و پیغام خداوندی کا دروازہ بند ہو گیا۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اس عقیدہ کی

تصریح فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو ج ا ص ۲۷۰۔ اَرْسَلَهٗ عَلٰى حِيْنِ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ، وَ تَنَازُعٍ مِّنَ الْاَلْسُنِ، فَقَفّٰى بِهِ الرُّسُلَ، وَ خَتَمَ بِهِ الْوَحْيَ۔

خدا نے اُن کو مبعوث کیا اُس وقت جب پیغمبروں کی فترت کا زمانہ تھا اور لوگوں کی زبانیں باہم مختلف تھیں تو خدا نے اُن کو پیغمبروں کی آخری فرد قرار دے کر وحی کے سلسلہ کو اُن کے اوپر ختم کر دیا ہے۔ [نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۹۲،ص ۳۱۴]

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد جس سے بڑھ کر حقیقت نبوت کا عارف دنیا کے پردہ پر پیدا نہیں ہوا تھا۔

امامت

(۹)

امامت وخلافت

یہ مسئلہ آپس کی مناظرہ بازیوں سے اتنا پیچیدہ، اہم اور مختلف فیہ ہو گیا ہے کہ اُس میں کسی نقطۂ واحد پر فریقین کا اجتماع ناممکن اور محال معلوم ہونے لگا ہے۔

لطف یہ ہے کہ تیرہ سو برس سے اس مسئلہ کے متعلق لکھا جاتا اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا ہے لیکن اب تک فرقۂ شیعہ کے نقطۂ نظر کے متعلق دنیا کو غلط فہمیاں ہیں اور وہ جب شیعی خیالات کو پیش کرتی ہے تو انہیں غلط صورت سے ظاہر کرتی ہے۔

میں اس کے پہلے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے مخصوص کلمات جو اس بحث سے تعلق رکھتے ہیں پیش کروں، چاہتا ہوں کہ خود شیعی نقطۂ نظر کو ذرا واضح طور سے تحریر کر دوں۔

واضح ہو کہ شیعہ امامت وخلافت بمعنی حکومت کو ایک ہی چیز نہیں سمجھتے ہیں۔

امامت جو حقیقی رسولؐ کی جانشینی اور قائم مقامی کی حیثیت رکھتی ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ رسولؐ کے بعد ایک ایسی ہستی ہو جو صفات و کمالات، عصمت اور ہدایتِ خلق میں رسولؐ کے کمالات کا آئینہ اور سچی تصویر ہو، وہی وہ ہوگا جس کی اطاعت بحکم خدا واجب ہوگی اور اُس کے احکام کا اتباع ایک مذہبی فریضہ اور شاہراہ ہدایت پر قائم رہنے کا ذریعہ ہوگا۔

خلافت بمعنی حکومت وہ ظاہری سلطنت اور فرمانروائی ہے جس سے ملک کا نظم و نسق درست ہو اور شیرازۂ قومی مسلمانوں کا منتشر ہونے سے محفوظ رہے۔

دنیا میں امام کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ خدا کی حجت تمام رہے اور زمین حجت خدا سے خالی نہ ہو اور ہدایت خلق کا امکانی ذریعہ موجود رہے اور دنیا میں بے شک بادشاہ، حاکم ،فرمانروا کی بھی ضرورت ہے جس سے ملک کے نظم و نسق میں ابتری نہ پیدا ہو اور ہیئت اجتماعیہ کی حفاظت ہو۔

دنیا کے سیاسی نظام اور قانون کے اعتبار سے ایسے بادشاہ اور حاکم کا ہونا بہرحال ناگزیر ہے اور اس شعبہ کو صرف اُس کے مفاد کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اُس میں عصمت یا عدالت بلکہ اسلام کی بھی قید نہیں ہے اور مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں۔

اس وقت بہرحال حکومت برطانیہ کو مسلمانوں کا بادشاہ تسلیم کرنا پڑے گا۔اس لیے کہ اسلامی مردم شماری کا اکثر و بیشتر حصہ بواسطہ یا بلاواسطہ اس وقت برطانیہ کی حکومت میں ہے اور اُس کی رعیت میں داخل ہے۔

بے شک دنیا کی عام فطرت کے مطابق مسلمان بادشاہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو شخصی حیثیت سے زیادہ نفع اور غیر مسلم بادشاہ ہونے کی صورت میں غیر مسلموں کو زیادہ منفعت حاصل ہوسکتی ہے لیکن اس کا اصل حکومت کی نوعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ایسے سلاطین کی حکومت و سلطنت قائم ہوجانے کے بعد اُن کے احکام کی اطاعت اور قانون کی پابندی بھی امن و امان ملکی کی حفاظت کے تحت میں ضروری ہوگی اور بغاوت کرنا

جرم بھی سمجھا جائے گا۔

اس اعتبار سے یہ شعبہ مستقل اور بالکل مستقل ہے جس میں سوائے قابلیت انتظام اور حصول غلبہ کے کوئی شرط نہیں ہے۔ جس طرح پہلا شعبہ بھی بالکل مستقل ہے، یعنی ایک امام، ہادی خلق کی صفت ذاتی امامت وعصمت اور حقیقی خلافت یعنی صفات وکمالات میں رسولؐ کی جانشینی کبھی ظاہری تاج وتخت اور حکومت وسلطنت کی پابند نہیں ہے اور نہ رسم بیعت وغیرہ پر موقوف۔

ایک نبی نبی ہے چاہے دنیا اُس کی تکذیب کرتی رہے۔ اُسی طرح ایک امام امام ہے چاہے کوئی اُس کی بات سننے اور اُس کے اقوال پر عمل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو۔

اس اعتبار سے یہ دونوں شعبے بالکل الگ الگ ہیں اور ان میں کوئی اتحاد نہیں ہے۔ لیکن اسلام چونکہ ایک عملی مذہب ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اس لیے مذہبی تعلیمات جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اُسی طرح اجتماعی زندگی اور ملکی اور معاشرتی حالات کے ساتھ بھی۔ اس صورت میں اگر امامِ روحانی الگ اور سلطانِ دنیوی الگ ہو اور یہ سلطان بالکل اپنے کاموں میں خودمختار ہو اور امام کے احکام کا مطیع ومتبع نہ ہو تو امامت ایک روح بے جسد اور عملی حیثیت سے بیکار ہو جاتی ہے۔ اور اگر بادشاہ ہر امر میں امام کے احکام کا تابع ومطیع اور اپنے احکام میں غیر مستقل ہو تو درحقیقت وہ ایک کارکن سے زیادہ نہیں ہے جو امام کے احکام کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اسی طرح اُس کو مستقل بادشاہ اور فرمانروا کہنا بالکل غلط ہے۔

اس لیے عقلی بنیاد پر مذہبی ودنیوی دونوں نقطۂ نظر سے ان دونوں شعبوں کے سموئے جانے کی ضرورت ہے۔ یعنی اسلامی تمدن کی بنا پر سلطنت، حکومت اور فرمانروائی، امام، خلیفۂ رسول اور روحانی معصوم پیشوا کا حق ہے، جو اگر اُن تک پہنچ جائے تو خیر، اور اگر نہ پہنچے تو جو شخص حکومت وفرمانروائی کا مالک بنے وہ بہرحال حاکم، بادشاہ، فرمانروا، سب کچھ کہا تو

جائے ہی گا اور ہو جائے گا لیکن وہ حق غیر پر متصرف اور ناجائز قابض سمجھا جائے گا اور کسی طرح عادل حاکم نہیں سمجھا جا سکتا۔

معلوم ہوا کہ حکومت و خلافت کے سلسلہ میں تین حیثیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) ایک سیاسی و ملکی نقطۂ نظر سے ایک حاکم و بادشاہ کی ضرورت۔

اس اعتبار سے عادل، غیر عادل بلکہ مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲) دوسرے مذہبی نقطۂ نظر سے رسولؐ کے بعد ایک امام، پیشوا، حجت علی الخلق کی ضرورت۔ اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ ظاہری فرمانروائی اُس کے پاس ہو یا نہ ہو۔

(۳) تیسرے اسلام کے تمدنی نقطۂ نظر سے جس کی بنا پر وہ پہلے شعبہ والی حکومت و خلافت دوسرے شعبہ کے مالک یعنی نبی کے بعد اُس کے صحیح جانشین امام کا حق ہے۔

جہاں تک پہلی حیثیت کا تعلق ہے، تاریخی ناقابل انکار حقیقت کی بنا پر شیعہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت یعنی حکومت کے معترف اور قائل ہیں اور اس کا انکار نہیں رکھتے۔

دوسری حیثیت کے اعتبار سے مذہبی ناقابل انکار نصوص، آیات و احادیث اور عقلی دلائل کی بناء پر شیعہ حضرت رسول اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرتؐ کی عترت اور اہل بیتؑ کی امامت کے قائل ہیں۔ جن میں سے سب سے اول حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

تیسری حیثیت کے لحاظ سے شیعہ مجبور ہیں کہ وہ خلافت و حکومت کو بھی اہل بیتؑ کا حق خیال کریں اور دوسرے لوگوں کی بادشاہت و حکومت کو جو ناقابل انکار حیثیت رکھتی ہے۔ وہ تسلیم تو کریں مگر اُسے حقِ غیر ہونے کے اعتبار سے جائز سلطنت نہ سمجھیں۔

نہج البلاغہ میں ایسے بیانات موجود ہیں جو ان تینوں حیثیتوں سے تعلق رکھتے ہیں یعنی بعض بیانات پہلی حیثیت سے متعلق ہیں اور بعض دوسری اور بعض تیسری سے تعلق رکھتے ہیں۔

دنیا جو ان حقائق سے بے خبر ہے، غلط فہمی میں مبتلا ہوتی ہے اور ایک شعبہ کے متعلقہ

بیانات سے دوسرے شعبہ میں غلط استدلال کرتی ہے اور گمراہی میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ان تینوں قسموں کے بیانات کو علیحدہ علیحدہ درج کریں اور غلط فہمی کے پردوں کو چاک کرتے جائیں۔

خلافت کی پہلی حیثیت یعنی حکومت وسلطنت:

ہم نے بیان کیا کہ یہ وہ چیز ہے جس کی سیاسی نقطۂ نظر اور انتظام ملکی کی حیثیت سے سخت ضرورت ہے اور بغیر اس کے ملک کا انتظام درست نہیں ہوسکتا اور حدود سلطنت کی حفاظت ممکن نہیں۔ راستوں میں امن وامان اور ڈاکے وغیرہ کے واقعات کا سدّ باب اور فوجداری کے مقدمات کا فیصلہ اور قانونی وسیاسی مجرموں کی سزا سب اسی شعبہ کے تحت میں داخل ہوتی ہے۔

اس کے لیے بے شک صرف ایک بادشاہ، حاکم کی ضرورت ہے۔ جس میں سوائے قوت انتظام کے اور کوئی بات ہونے کی شرط معلوم نہیں ہوتی، اس میں تقویٰ وعدالت کا کیا ذکر اسلام اور کفر کی بھی تفریق نہیں ہے۔ بے شک دُنیا کے افتادِ طبع کی بنا پر مسلمان بادشاہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو زیادہ دنیاوی نفع اور غیر مسلم بادشاہ ہونے کی صورت میں غیر مسلموں کو زیادہ نفع پہنچے گا لیکن اصل سلطنت وحکومت کا مفاد بہرحال حاصل ہوجائے گا۔

اس کو امیر المومنین علیہ السلام حسب ذیل بیان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

نہج البلاغہ مطبوعہ مصر، ص ۱۰۰۔

وَ اِنَّهٗ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ. يَعْمَلُ فِيْٓ اِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ. وَ يَسْتَمْتِعُ فِيْهَا الْكَافِرُ. وَ يُبَلِّغُ اللهُ فِيْهَا الْاَجَلَ. وَ يُجْمَعُ بِهِ الْفَيْءُ. وَ يُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ. وَ تَأْمَنُ بِهِ السُّبُلُ. وَ يُؤْخَذُ بِهٖ لِلضَّعِيْفِ مِنَ الْقَوِيِّ. حَتّٰى يَسْتَرِيْحَ بَرٌّ. وَ يُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ۔

لوگوں کے لیے بہر حال ایک فرمانروا کی ضرورت ہے، خواہ وہ نیکوکر دار ہو یا فاجر و بدکردار۔ اُس کی حکومت میں مومن اپنا کام کرے گا اور اس کی حکومت میں کافر لوگ فائدہ اُٹھائیں گے اور اس حکومت میں خدا اپنی مقررہ مدت کو پورا کرے گا اور اس کے سبب سے لگان، ٹیکس، خراج وغیرہ وصول ہوں گے اور راستوں میں امن قائم ہوگا اور کمزوروں کا حق زور آوروں سے حاصل کیا جا سکے گا۔ یہاں تک کہ اُس حکومت کی مدت ختم ہو۔ اور (اگر مومن کی حکومت ہو تو) وہ مومن غمِ دہر کی کشائش سے نجات پائے اور (اگر کافر و فاجر کی حکومت ہو تو) اُس فاجر (بدکار) سے خلق خدا کو چھٹکارا ملے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۴۰، ص ۲۱۲]

دوسری روایت میں ہے کہ

اَمَّا الْاِمْرَةُ الْبَرَّةُ فَيَعْمَلُ فِيْهَا التَّقِيُّ. وَ اَمَّا الْاِمْرَةُ الْفَاجِرَةُ فَيَتَمَتَّعُ فِيْهَا الشَّقِيُّ. اِلَى اَنْ تَنْقَطِعَ مُدَّتُهٗ. وَ تُدْرِكَهٗ مَنِيَّتُهٗ۔

نیکوکار حکومت میں متقی و پرہیزگار انسان مصروف عمل ہوتا ہے اور فاجر و بدکار حکومت میں بدبخت روزگار (بُرے) لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں یہاں تک کہ اس حاکم کی مدت ختم ہو اور اُس کی اجل آ کر اُس پر قبضہ کرے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۴۰، ص ۲۱۲]

الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرتؑ نظام دنیا اور قانون عادت کے مطابق فرماتے ہیں کہ انتظام ملکی و اجتماعی کے لیے ایک نہ ایک بادشاہ اور فرمانروا ہوگا ضرور، چاہے وہ مومن ہو چاہے کافر۔ مومن ہوگا تو مومنین کو نفع حاصل ہوگا، کافر ہوگا تو کافروں کو۔

اس کو اس امر سے کوئی تعلق نہیں کہ اسلام کا مقصود کس طرح کی حکومت ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے حاکم ہونے کا معیار کیا ہے۔ ورنہ اگر اُس کو اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی تعلق ہے تو کوئی بتائے کہ کیا کافروں کو نفع حاصل ہونا اور بد بخت روزگار افراد کا متمتع ہونا اسلام کے نقطۂ نظر میں داخل ہے اور وہ اس قسم کی حکومت کو پسند کرتا ہے؟

وہ لوگ جو امیر المومنین علیہ السلام کے اس کلام کو مختلف فیہ مسئلہ امامت وخلافت کے متعلق بطور استدلال کے پیش کرتے ہیں وہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں اور غور کریں کہ اس کو محل اختلاف امامت سے کیا تعلق ہے۔

آخر اُس امامت کے لیے اُنہوں نے بھی تو کچھ شرائط قرار دیے ہیں۔ عصمت اور غیر جائز الخطا ہونا نہ سہی، لیکن عدالت، وہ بھی "لَا یُعْزَلُ الْاِمَامُ بِالْفِسْقِ" کی بنا پر بقاء کے طور پر نہ سہی لیکن شروع شروع ظاہری عدالت، وہ بھی نہ سہی، اسلام کی تو شرط قرار دی ہے۔ لیکن امیر المومنین علیہ السلام اس کلام میں وہ شرط بھی نظر انداز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حاکم یا نیکوکار مسلمان ہوگا یا فاجر۔ جس سے کافروں کو فائدہ حاصل ہو۔ پھر آخر یہ کلام حضرتؑ کا امامت بمعنی مصطلح سے متعلق کیونکر ہو سکتا ہے؟

بے شک یہ سلطنت اور حکومت امور سیاست کے ساتھ متعلق ہے اور اُس میں یقیناً عصمت کیسی، عدالت کیسی، اسلام کی بھی شرط نہیں ہے۔ وہ " ہر کسی سکہ زند خطبہ بنامش خوانند" کے مصداق "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کے اصول پر قہر وغلبہ کا نتیجہ یا جمہور کے آراء اور نمایندگان کی قرارداد کے مطابق "اجماع" کا اثر یا کسی منتخبہ کمیٹی کے فیصلہ کا ثمرہ ہو سکتی ہے۔ جس کے بعد ایک شخص حاکم، بادشاہ بن جائے گا، چاہے وہ عادل، متقی، پرہیز گار کیسا مسلم بھی نہ ہو کافر ہو۔

کون انسان ہے جو ہلاکو اور چنگیز خاں کی اپنی اپنی رعیت میں حکومت وفرمانروائی کا منکر ہو سکے اور کون متنفس ہے جو نپولین اور قیصر جرمن کی سلطنت کا انکار کر سکے۔

ہرگز نہیں، اس سلطنت کی کامیابی بھی بے شک ملکی انتظام، حدودمملکت کی حفاظت اور توسیع حدود سلطنت، انتظامی خرابیوں کے دفعیہ اور چوراورڈاکوطبقہ کے قلع وقمع، استیصال وغیرہ میں مضمر ہے اور ممکن ہے کوئی ایسا بادشاہ اپنی رعیت کے بارے میں ایک حد تک انصاف اور عدالت سے بھی کام لیتا ہواور نسبتاً اپنی رعیت کے معاملات میں کسی حد تک خدا سے ڈرتا بھی ہو اور احکام شرع کی پیروی کرتا ہو۔ یقیناً اُس کی تعریف ان اوصاف پر صحیح ہوگی۔ آخر نوشیرواں کی عدالت اُس کے نام کا جزو بن گئی یا نہیں حالانکہ وہ مسلمان نہیں کافر تھا۔

اس ملکی بادشاہت کی کامیابی اوراچھائی سے کسی طرح اُس بادشاہت کی نوعیت نہیں بدل سکتی اور نہ اُس کی حقیقت میں انقلاب ہوسکتا ہے۔

موجودہ بدتر سے بدتر حالات کی بناء پر کبھی امیرالمومنین علیہ السلام نے سابقہ دور حکومت کو یادکرکے اُس کے انتظام کا کسی قدر خوش آیند الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

لِلّٰهِ بِلَآدُ فُلَانٍ. فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ. وَ دَاوَى الْعَمَدَ. خَلَّفَ الْفِتْنَةَ وَ اَقَامَ السُّنَّةَ! ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ. قَلِيْلَ الْعَيْبِ. اَصَابَ خَيْرَهَا. وَ سَبَقَ شَرَّهَا. اَدّٰى اِلَى اللّٰهِ طَاعَتَهٗ. وَ اتَّقَاهُ بِحَقِّهٖ. رَحَلَ وَ تَرَكَهُمْ فِیْ طُرُقٍ مُّتَشَعِّبَةٍ. لَا يَهْتَدِیْ فِيْهَا الضَّالُّ. وَ لَا يَسْتَيْقِنُ الْمُهْتَدِیْ۔

کیا کہنا ہے فلاں آدمی (بعض شارحوں نے لکھا ہے کہ یہ خلیفہ دوم حضرت عمر کا ذکر ہے۔ اگرچہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا لیکن یہاں اسی مفروضہ کی بنا پر زیر بحث لایا گیا ہے) کے زیرانتظام شہروں کا، اُنہوں نے ٹیڑھے کوسیدھا کیا اور بیماری کا علاج کیا۔ شورش اور فتنہ و فساد کو اپنے بعد کے لیے چھوڑا اور خود راستہ قائم کر گئے۔ وہ گئے صاف کپڑوں کے ساتھ اور کم عیب رکھنے کی حالت میں (کم کی لفظ یا

در کھنے کے قابل ہے) اُنہوں نے اس حکومت سے فائدہ اُٹھالیا۔
اور مضرّت کا وقت آنے سے پہلے ہی چلے گئے ۔انہوں نے اس
میں خدا کے احکام کی پابندی کی اور اُس سے خوف سے کام لیا۔ وہ
چلے گئے اس حالت میں کہ لوگوں کو متفرق شعبوں میں چھوڑ گئے ہیں
جن میں گمراہ آدمی کو تو راستہ ہی نہیں مل سکتا ،اور سیدھے راستہ پر چلنے
والوں کو بھی شبہ پڑ جاتا ہے کہ کہیں یہ راستہ غلط تو نہیں ہے۔

[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۲۲۵،ص ۶۳۸]

مَیں جب اس عبارت کو پڑھتا ہوں مجھے سلّم الادب کی حکایت یاد آجاتی ہے، ایک غلام تھا بیچارہ ایسے مالک کے قبضہ میں جو خود اچھے اچھے خرمے کھاتا تھا، بُرے غلام کو کھانے کو دیا تھا۔غلام کو یہ بات ناگوار ہوتی تھی۔اُس نے خواہش کر کے اپنے تئیں دوسرے مالک کے ہاتھ فروخت کرالیا۔ وہ ایسا کہ بُرے خرمے بھی خود ہی کھالیتا اور غلام کو صرف کوڑا کرکٹ خرموں کا دے دیا کرتا تھا۔اُس سے بھی غلام نے اپنے فروخت کرنے کی خواہش کی اور تیسرے مالک کے پاس پہنچا۔وہ ایسا کہ غلام کو فاقوں مارتا، کچھ کھانے کو نہ دیتا تھا۔ یقیناً اُس کے لیے پہلے مالک ہزار درجہ اچھے تھے اور وہ اُن کی تعریف کرتا تو غلط نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی حالت حضرت رسالت کی آنکھ بند ہوتے ہی اس بیچارہ بے کس و بے بس غلام کی سی ہوگئی تھی۔

پہلے اور دوسرے دور کی سلطنت کے جواز وعدم جواز کی بحث اپنے مقام پر اور اس سلطنت کے ذرائع حصول میں اُس کے جائز حقداروں کے ساتھ جو برتاؤ کئے گئے وہ بھی ایک طرف، ان تمام باتوں کو چھوڑ کر یہ یقینی امر ہے کہ ان دونوں دوروں میں عام مسلمانوں کے ساتھ کوئی خاص سختی اور تشدد، اموال مسلمین میں کوئی غیر معمولی تغلب وتصرف ،حقوق مسلمین کے مقابلہ میں خالص اپنے آدمیوں کی زیادہ سے زیادہ مراعات اور جانبداری کا

دروازہ کھلنے نہیں پایا تھا، حدود شرعیہ کا اجرا ہوتا تھا۔ حضرت عمر نے اپنے بیٹے کو بھی شراب پینے پر (لیت ولعل کے بعد سہی) حد جاری ہونے سے مستثنیٰ ہونے کی تحریک نہیں کی، ملک کے انتظامات میں صرف اپنے عزیزوں کو بھر نہیں دیا اور رسولؐ کے بہت سے محترم صحابہ ابوذر، عمار، عبداللہ بن مسعود وغیرہ کو زدوکوب نہیں کیا گیا۔

یہ تمام چیزیں وہ تھیں جو تیسرے دور میں عملی حیثیت سے سامنے آ گئی تھیں۔ اس لیے تمام صحابہ اس دور کی صورت حال کے بنا پر سابق دوروں کا تذکرہ کرتے اور اُس کی تعریف کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کو پہلے دوروں میں جو شکایت تھی وہ اپنے متعلق تھی کہ مجھے میرے حق سے محروم کیا گیا اور مجھ پر ظلم ہوا جسے آپؑ نے اعلان حق کی صورت میں ظاہر کر دیا تھا، اور اعلان حق کا فرض ختم ہونے کے بعد آپؑ نے سکوت فرما لیا تھا اور پھر کارہائے حکومت میں آپؑ نے کوئی دخل اندازی نہیں کی۔

لیکن اس موجودہ دور میں آپؑ کے دل کو روحانی تکلیف اُن مختلف صحابہ کے اوپر ہونے والے مظالم سے ہوتی تھی جنہیں آپؑ بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اُن کے حالات سے آپؑ اپنے معاملہ سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ اُس کو آپؑ نے صاف طور سے ظاہر بھی فرما دیا تھا اُسی وقت جب حضرت عثمان کی بیعت کا مسئلہ پیش تھا، کہ میں اُس وقت تک صبر وتحمل سے کام لے سکتا ہوں جب تک ظلم اور ناانصافی صرف میرے ساتھ ہو۔

ملاحظہ ہو ص ۱۳۵۔

مِنْ كَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا عَزَمُوْا عَلٰى بَيْعَةِ عُثْمَانَ: لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَيْرِيْ، وَ وَاللّٰهِ! لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِيْنَ، وَ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً.

تمہیں معلوم ہے کہ میں اس حکومت کا اپنے سوا ہر شخص سے زیادہ مستحق ہوں اور خدا کی قسم میں سر تسلیم خم کرتا رہوں گا اس وقت تک کہ جب تک مسلمانوں کے معاملات ٹھیک سے ہوتے ہیں، اور جو کچھ ناانصافی ہوتی ہو وہ صرف میرے ساتھ۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۲، ص ۲۵۰]

اب ذرا ناظرین اس کلام کی روشنی میں اُس تعریف پر نظر ڈالیں جو حضرتؑ نے دور سابق کی فرمائی ہے اور لِلّٰہِ بِلَادُ فُلَانٍ کا سرنامہ دیکھیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تعریف صرف ممالک و بلاد کے انتظام کی حیثیت سے ہے جو ایک بادشاہ کی بادشاہت کا مفاد ہے اور پھر قَلِیْلُ الْعَیْبِ کا فقرہ دیکھیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تعریف بلحاظ اس کے ہی ہے کہ موجودہ دور کی نسبت عیوب کم تھے، نہ یہ کہ وہ دور بالکل ہر حیثیت سے مکمل تھا اور اُس میں خرابی ہی نہ تھی۔ اس سے پتہ چلے گا کہ اَدّٰی اِلَی اللّٰہِ طَاعَتَہٗ اضافی حیثیت سے بہت سے اُن امور سے متعلق ہے جن میں اب مسلمانوں کے ساتھ انتہائی جبر و تشدد اور عدم مساوات کا برتاؤ کیا جارہا ہے۔

اس کو سابق دور کی سلطنت کے جواز اور امامت و خلافت کے استحقاق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

امامت کے متعلق حضرتؑ کا نقطۂ نظر کیا تھا، اور اس کے لیے حضرتؑ کیا شرائط ضروری سمجھتے تھے، وہ دوسرے شعبہ سے متعلق ہے جس کے لیے انتظار کی ضرورت ہے۔

مذکورہ بالا حیثیت کی حکومت جیسا کہ ہم نے تحریر کیا اپنے سیاسی بنیاد کے اعتبار سے سوائے انتظام ملکی اور غلبہ و طاقت، کسی شرط کی پابند نہیں ہے اور اس میں عدالت تو کجا اسلام کی بھی شرط نہیں ہے لیکن مسلمانوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد باوجودیکہ خلافت کو صرف مادی نقطۂ نظر سے دیکھا اور حکومت و انتظام ملکی ہی کے معنی میں قرار

دیا پھر بھی اسلامیت کے مظاہرہ میں اُنہوں نے اس کے لیے کچھ شرائط وخصوصیات مقرر کر لیے جن کے اوپر ایک داخلی قانون رواجی کی حیثیت سے اس حکومت کی بنیاد قرار پا گئی اور اسی کے اوپر پہلی اور اُس کے بعد کی انتظامی عمارتوں کی شکست وریخت ہوئی۔

اس کے لیے علاوہ اسلام، ذکوریت، قرشیت وغیرہ کے اجماع اہل حلّ وعقد کا طریقہ مقرر کیا گیا اور اس میں یہ شرط کی گئی کہ اہل حلّ وعقد سے مراد صرف مدینۂ رسول کے رہنے والے مہاجرین وانصار ہیں اور جب یہ کسی ایک شخص پر اتفاق کرلیں تو وہ پھر تمام عالم اسلامی کے لیے مسلم ہوگا۔ اور باہر والوں کو اس میں کچھ چون وچرا کا حق نہ ہوگا۔ نیز خود مدینہ میں موجود ہونے والوں کو قرارداد ہو چکنے کے بعد کسی نظر ثانی اور غور وتامل کا اختیار بھی باقی نہ رہے گا۔

اسی بنیاد پر پہلی خلافت ثابت ہوئی اور اسی کے نتیجہ میں بذریعۂ استخلاف دوسری اور اسی کی تبعیت میں بطور شوریٰ تیسری۔ امیر المومنین علیہ السلام جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے اپنے تئیں روحانی ریاست یعنی امامتِ حقہ کا حامل جانتے تھے اور اس لیے سلطنت کا بھی اپنے تئیں حقدار سمجھتے تھے۔ لیکن دنیا نے پہلے جزو کے تو کبھی معنی کا تصور نہیں کیا، تصدیق کیسی۔ اس نے ظاہری سلطنت کے علاوہ امامت کی کوئی اصلیت ہی نہیں قرار دی تاکہ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے لیے اس مرتبہ پر فائز ہونے کا پہلے یا بعد کبھی اقرار کرتی۔ بے شک دوسرے جزو کے متعلق اس نے اگرچہ اول ودوم وسوم دور تک آپؑ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا لیکن چوتھے دور میں اس منصب کو آپؑ کے لیے قرار دیا مگر نہ اس بنیاد پر جس بنیاد پر آپؑ اُس کے شروع سے مدعی تھے۔ یعنی اس لیے کہ آپؑ امام روحانی تھے لہٰذا سلطنت آپ کا قدرتی حق ہے۔ اس حیثیت سے دنیا نے اگر تسلیم کیا ہوتا تو پہلے ہی دن سے تسلیم کرتی چوتھے نمبر کے کوئی معنی نہ تھے۔

بلکہ اُس نے سلطنت کو صرف سلطنت ہونے کے اعتبار سے اسی اصول وقرارداد کی بنیاد پر جو رواجی اور عملی حیثیت پر اس کے لیے مقرر ہو چکی تھی آپؑ کے لیے تسلیم کیا۔ جس

میں امیر شام معاویہ بن ابی سفیان نے آپؑ کے ساتھ منازعت کی۔

امیر شام کی منازعت بھی آپؑ کے ساتھ امامت بمعنی خلافت حقہ سے تعلق نہ رکھتی تھی اس لیے کہ اُس کا تو تعقل ہی اُن لوگوں نے نہ کیا تھا اس پر نزاع کے کیا معنی۔ بلکہ نزاع اسی مادی حیثیت والی ظاہری سلطنت سے متعلق تھی جس کے کچھ اصول و آئین مسلمانوں کی جانب سے قرار دیے جا چکے تھے اور امیر المومنین علیہ السلام ان ہی اصول کے مطابق منتخب ہو چکے تھے۔

اس موقع پر امیر المومنین علیہ السلام کا میدان مقابلہ اپنے مخالف امیر شام کے ساتھ صرف اسی سلطنت کے متعلق تھا جو اب چوتھے دور میں قرار دادہ اصول کے مطابق آپؑ کے پائے نام ہوئی تھی۔ اس لیے آپؑ کو اپنے دشمن کے مقابلہ میں اگر کچھ دلائل پیش کرنا ہوں اور موجودہ معرکۂ نزاع میں اپنا استحقاق ثابت کرنا ہو تو وہ انہی اصول و شرائط کی بنیاد پر ہونا چاہئے جو مسلمانوں میں اس وقت طے شدہ حیثیت پا چکے تھے۔ اور اس حیثیت سے بھی حق آپؑ کے ساتھ تھا اور انہی اصول کے مطابق آپؑ نے اپنے مخالف پر حجت کو تمام کیا اور اس میں کامیابی حاصل کی۔

ملاحظہ ہو حضرتؑ کا وہ خطبہ جو آپؑ نے امیر شام کے نام تحریر فرمایا ہے۔
نہج البلاغہ ج ۲، ص ۷۔

اِنَّهٗ بَايَعَنِى الْقَوْمُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا اَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ عَلٰى مَا بَايَعُوْهُمْ عَلَيْهِ. فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَخْتَارَ، وَ لَا لِلْغَآئِبِ اَنْ يَرُدَّ. وَاِنَّمَا الشُّوْرٰى لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ. فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى رَجُلٍ وَّ سَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًى. فَاِنْ خَرَجَ عَنْ اَمْرِهِمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ اَوْ بِدْعَةٍ رَدُّوْهُ اِلٰى مَاخَرَجَ مِنْهُ. فَاِنْ اَبٰى قَاتَلُوْهُ

عَلَى اتِّبَاعِهِ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَ وَلَّاهُ اللهُ مَا تَوَلّٰى.

اُنہی لوگوں نے کہ جنہوں نے ابوبکر، عمر، عثمان کی بیعت کی تھی اب مجھ سے بیعت کی ہے۔ اسی اصول پر جس پر ان کی بیعت کی تھی لہٰذا (اس اصول کے مطابق) موجود ہونے والے کو (مدینہ میں) یہ حق نہیں کہ وہ پھر نظر ثانی کرے اور نہ (مدینہ میں) غیر موجو اشخاص کو یہ حق ہے کہ وہ اس فیصلہ کو مسترد کریں۔ اور مشورہ کا حق صرف مہاجرین اور انصار (ساکنین مدینہ) کو ہے لہٰذا وہ اگر مجتمع ہو جائیں کسی شخص کے اوپر اور اُس کا نام رکھ دیں امام (خلیفہ) تو اسی پر بس راضی ہونا چاہئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص مخالفت کرے کسی اعتراض کی بنا پر یا کسی بدعت کی ایجاد کرکے تو یہ لوگ اُسے واپس لانے کی کوشش کریں گے اور اگر وہ انکار کرے تو پھر یہ لوگ اس سے جنگ کریں گے اس لیے کہ اُس نے مومنین کے راستہ کو ترک کیا تو خدا اُس سے ہاتھ اُٹھالے گا اور جانے دے گا جدھر جائے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۶، ص ۲۶۵]

دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں ص ۸۔

لِاَنَّهَا بَيْعَةٌ وَّاحِدَةٌ لَا يُثَنّٰى فِيْهَا النَّظَرُ. وَ لَا يُسْتَأْنَفُ فِيْهَا الْخِيَارُ. اَلْخَارِجُ مِنْهَا طَاعِنٌ. وَ الْمُرَوِّىْ فِيْهَا مُدَاهِنٌ.

کیونکہ یہ بیعت تو بس ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے نہ اس میں نظر ثانی کی جا سکتی ہے اور نہ از سر نو اختیار ہو سکتا ہے۔ جو شخص اس سے خارج ہو وہ باغی سمجھا جائے اور جو اس میں لیت ولعل سے کام لے وہ منافق خیال

کیا جائے۔[نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،مکتوب ۷،ص ۲۶۷]

بے شک یہ اُس صورت اور موقع کے لحاظ سے جو آپؑ میں اور امیر شام میں مابہ النزاع تھی متعینہ طریق استدلال ہے جس کے سوا کچھ ہونا صحیح ہی نہیں ہے کیونکہ پہلی دوسری تیسری خلافتوں کی صحت وعدم صحت کا سوال تو ختم ہو چکا ہے اور گزر گیا۔ اب صورت واقعہ یہ ہے کہ تیسرے دور کے بعد بحیثیت چوتھے خلیفہ ہونے کے حضرت علی علیہ السلام کو امر سلطنت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اور امیر شام مدعی ہیں کہ مقتول خلیفہ سے رشتہ داری کی بنا پر میں اس کا حقدار ہوں تو اب امیر شام کے مقابلہ میں تو جو دلیل پیش کی جائے وہ اُسی صورت واقعہ سے متعلق ہونا چاہئے جو خلفائے ثلثہ کے دور خلافت کے بعد پائی جاتی ہے۔

رہ گئی اصولی بحث کہ آیا پہلے ہی خلفاء کی خلافت درست تھی یا نہیں یا یہ کہ امامت روحانی اصل میں کس کا حق ہے، وہ نہ اس وقت مابہ النزاع ہے نہ اس پر کوئی بحث کرنے کا اور دلیل قائم کرنے کا محل ہے۔

اس صورت میں امیر المومنین علیہ السلام کے اس استدلال کو خلافت کی اصولی بحث میں پیش کرنا اور امامت کے مختلف فیہ مسئلہ کی سند قرار دے کر یہ کہنا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا بھی نقطۂ نظر وہی تھا جو عام مسلمانوں کا ہے، واقعیت سے چشم پوشی اور عام اشخاص کو فریب دہی نہیں تو اور کیا ہے؟

خلافت کی دوسری حیثیت یعنی امامت

(دوسری حیثیت) کی امامت جو حقیقتاً ریاست روحانی اور خدا کی طرف کا منصب ہے اس کا پتہ امیر المومنین علیہ السلام کے کلمات میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں۔ ج ا،ص ۲۹۴۔

وَاِنَّمَا الْاَئِمَّةُ قُوَّامُ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ. وَعُرَفَآئُهٗ عَلٰى عِبَادِهٖ.
لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ عَرَفَهُمْ وَ عَرَفُوْهُ. وَلَا یَدْخُلُ

النَّارَ اِلَّا مَنْ اَنْكَرَهُمْ وَ اَنْكَرُوْهُ.

ائمہ خدا کی طرف کے مقرر شدہ ذمہ دار ہیں اُس کے خلق کے اوپر، اُس کے ترجمان و نمایندہ ہیں اُس کے بندوں پر، نہیں داخل ہوگا جنت میں مگر وہ شخص جو اُنہیں پہنچاتا ہو اور وہ اُسے پہچانتے ہوں۔ اور نہیں داخل ہوگا جہنم میں مگر وہ شخص جو اُن سے اجنبی ہو اور وہ اُس سے اجنبی ہوں۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۵۰، ص ۴۲۵]

یہ درجہ یقیناً ظاہری سلاطین اور حکام سے تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ حقیقی منصب داران خداوندی کے متعلق ہے جو اُسی کے مقرر کردہ ہو سکتے ہیں۔ یہی خدا کی حجت ہو سکتے ہیں اس کے بندوں کے اوپر۔

ایک اور موقع کے اوپر حضرتؑ نے بتلایا ہے کہ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی۔ ملاحظہ ہو حضرتؑ کا ارشاد کمیل بن زیاد نخعی سے۔

ج ۲ ص ۱۸۰۔ لَا تَخْلُو الْاَرْضُ مِنْ قَآئِمٍ لِلّٰهِ بِحُجَّةٍ. اِمَّا ظَاهِرًا مَّشْهُوْرًا. اَوْ خَآئِفًا مَّغْمُوْرًا. لِئَلَّا تَبْطُلَ حُجَجُ اللّٰهِ وَ بَيِّنَاتُهٗ.

زمین نہیں خالی رہتی ایک ایسی ہستی سے جو خدا کی حجت تمام کرنے کا باعث ہو خواہ وہ ظاہر اور معروف و مشہور ہو اور خواہ خوفزدہ ظلم و جور کے پردوں میں چھپا ہوا ہو، تا کہ خدا کی حجتیں اور اُس کے دلائل باطل نہ ہو جائیں۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۱۴۷، ص ۸۷۰]

اس میں غیبت کی صورت پر بھی اشارہ موجود ہے اور حجت خدا کے وجود کی دو صورتیں ایک زمانہ ظہور اور ایک زمانہ غیبت صاف مذکور ہیں۔

آپؑ نے امام کے فرائض خصوصی بھی بتلائے ہیں جو خالص مذہبی اور شرعی حیثیت

رکھتے ہیں۔فرماتے ہیں:

ج ۱،ص ۲۱۹۔ اِنَّہٗ لَیسَ عَلَی الْاَمَامِ اِلَّا مَا حُمِّلَ مِنْ اَمْرِ رَبِّہٖ: الْاِبْلَاغُ فِی الْمَوْعِظَۃِ، وَ الْاِجْتِہَادُ فِی النَّصِیْحَۃِ، وَ الْاِحْیَآءُ لِلسُّنَّۃِ، وَ اِقَامَۃُ الْحُدُوْدِ عَلٰی مُسْتَحِقِّیْھَا، وَ اِصْدَارُ السُّھْمَانِ عَلٰی اَھْلِھَا۔

امام کا جو کچھ فرض ہے وہ وہی ہے کہ جس کا وہ حامل بنایا گیا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے، بس موعظۂ خلق اور ہدایت میں تبلیغ کے فرض کو انجام دینا اور موعظہ و نصیحت میں جدوجہد صرف کرنا سنّت الٰہیہ کو قائم کرنا اور مستحقین پر حدود کو جاری کرنا اور زکوۃ و خمس وغیرہ کے حقوق کو اُن کے مستحقین تک پہنچنے کا انتظام کرنا ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۳، ص ۳۳۰]

اس میں نہ انتظام ملکی کا تذکرہ ہے اور نہ فتح ممالک کا۔آپؑ نے اس امامت کا پتہ بھی دے دیا ہے کہ وہ اوصاف و کمالات کی بنا پر صرف بنی ہاشم کے کچھ افراد سے مخصوص ہے فرماتے ہیں:

ج ۱،ص ۲۸۱۔ اِنَّ الْاَئِمَّۃَ مِنْ قُرَیْشٍ غُرِسُوْا فِیْ ھٰذَا الْبَطْنِ مِنْ ھَاشِمٍ، لَا تَصْلُحُ عَلٰی سِوَاھُمْ۔

آئمہ صرف قریش سے ہوں گے اور وہ بھی بنی ہاشم کی اُس نسل میں قرار دیے گئے ہیں۔امامت ان کے غیر کے شایاں ہی نہیں ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۴۲، ص ۴۰۹]

آپؑ نے اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ یہ سلسلہ آل محمد علیہم السلام میں ہمیشہ کے لیے جاری ہے اور کبھی زمین حجت خدا سے جو اس نسل سے ہو خالی نہ ہوگی۔

فرماتے ہیں: ج ا،ص ۲۱۰۔

اَلَا اِنَّ مَثَلَ اٰلِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وآله، كَمَثَلِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ: اِذَا خَوٰى نَجْمٌ طَلَعَ نَجْمٌ۔

آگاہ ہو کہ مثال اہل بیت رسولؐ کی مثل ستارہ ہائے فلک کے ہے جب ایک ستارہ غروب ہوگا تو دوسرا ستارہ طلوع کرے گا۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۹۸،ص ۳۲۳]

ایک موقع پر آپؑ نے آخر میں آنے والے امام کا بھی تذکرہ کیا ہے جو زمین کو عدل وانصاف سے معمور کردے گا۔

فرماتے ہیں: ج ا،ص ۲۷۵۔

اَلَا وَ فِيْ غَدٍ وَ سَيَاْتِيْ غَدٌ بِمَا لَا تَعْرِفُوْنَ يَاْخُذُ الْوَالِيْ مِنْ غَيْرِهَا عُمَّالَهَا عَلٰى مَسَاوِيْ اَعْمَالِهَا. وَ تُخْرِجُ لَهُ الْاَرْضُ اَفَالِيْذَ كَبِدِهَا. وَ تُلْقِيْ اِلَيْهِ سِلْمًا مَّقَالِيْدَهَا. فَيُرِيْكُمْ كَيْفَ عَدْلُ السِّيْرَةِ وَ يُحْيِيْ مَيِّتَ الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ۔

آگاہ ہو کہ کل (یعنی آیندہ کے یقینی وقت میں جیسا کہ قیامت کو فردائے قیامت کہا جاتا ہے) اور عنقریب وہ کل آئے گا ایسی صورتوں کے ساتھ جنہیں تم جانتے نہ ہو گے ولی امر یعنی حاکم عادل موجودہ حکام سے اُن کی بداعمالیوں کا مواخذہ کرے گا اور زمین اُس کے لیے اپنے جگر کے ٹکڑوں (خزانوں) کو ظاہر کردے گی وہ تمہیں دکھلائے گا کہ کیونکر ہوتی ہے عدالت سیرت میں اور زندہ کردے گا مردہ ہوجانے والی کتاب اور سنت کو۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۳۶،ص ۴۰۰]

تیسرا امر
یعنی
حکومت وسلطنت حق امام ہی کا ہے

اس کو حضرت علی علیہ السلام نے متعدد مقامات پر ظاہر فرمایا ہے اور اسی لیے آپؑ نے اُن لوگوں کا قبضہ جو اُس پر ناحق متمکن ہو جائیں ناجائز قرار دیا ہے اور اُسے اہل بیتؑ کا حق قرار دیا ہے جنہیں اُن کے اوصاف کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرما دیا تھا۔

ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۳۴، اُس وقت جب خلافت کے منصب کو مسلمانوں نے آپؑ کے لیے تسلیم کیا ہے اور مسند سلطنت پر آپؑ متمکن ہوئے ہیں تو آپؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اُس میں فرماتے ہیں۔

لَا يُقَاسُ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحَدٌ. وَ لَا يُسَوّٰى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ عَلَيْهِ اَبَدًا. هُمْ اَسَاسُ الدِّيْنِ، وَ عِمَادُ الْيَقِيْنِ. اِلَيْهِمْ يَفِيْٓءُ الْغَالِيْ وَ بِهِمْ يَلْحَقُ التَّالِيْ. وَ لَهُمْ خَصَآئِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ. وَ فِيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَ الْوِرَاثَةُ. اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰى اَهْلِهٖ. وَ نُقِلَ اِلٰى مُنْتَقَلِهٖ۔

آل محمد علیہم السلام کے ساتھ اس امّت میں سے کسی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اُن کے کبھی برابر نہیں ہو سکتے وہ لوگ جو اُن کے ممنون احسان ہیں۔ یہ لوگ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں اُن کی طرف واپس آنا چاہئے اُسے جو اُنہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے اور اُن تک پہنچنا چاہئے اُس کو جو پیچھے رہ گیا ہو اور اُن کے لیے حکومت وتصرف

کے مخصوص حقوق ہیں اور اُن میں رسولؐ کی وصیت اور آپؐ کی وراثت دونوں کا انحصار ہے۔ آج بے شک حق اپنے مستحق کی طرف واپس ہوا اور وہاں پہنچ گیا جہاں اسے پہنچنا چاہئے تھا۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۱۰۸]

ان الفاظ سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ آپؑ اُن لوگوں کو جو اس سے پہلے اس منصب پر متمکن تھے غیر مستحق اور نا اہل قرار دے رہے ہیں اور حکومت کو مخصوص حق آل محمدؐ کا قرار دیتے ہیں جو اُن میں وصیت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرارداد کی بنا پر قائم ہے اور وہی وارث رسولؐ بھی ہیں۔

خطبۂ شقشقیہ میں جو تاریخی اعتبار سے اہم ترین حیثیت رکھتا ہے۔ آپؑ نے بہت صفائی سے پہلے خلفاء کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر فرمایا ہے۔

ج ۱، ص ۳۴۔ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ. وَ اِنَّهٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیَ مِنهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی. یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ. وَ لَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ۔

آگاہ ہو خدا کی قسم کہ اس خلافت کے لباس کو ابوقحافہ کے فرزند (ابوبکر) نے زبردستی پہن لیا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ میری جگہ اُس خلافت میں وہ ہے جو چکّی کے درمیان والے لوہے کی ہوتی ہے (کہ اگر وہ نہ ہو تو چکّی گردش نہیں کر سکتی) میرا درجہ ایک بڑی پتھر کی چٹان کی طرح بلند ہے جس سے سیلاب کا پانی پھسلتا ہوا نیچے کی طرف بہہ کر جاتا ہے اور بلند پرواز پرند بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۰]

عام نسخوں میں کسی پردہ داری کی مصلحت سے ابن ابی قحافہ کی جگہ (فلاں) کی لفظ رکھ

دی گئی ہے لیکن حقیقت حال اس موقع پر اس درجہ روشن ہے کہ وہ کسی پردہ سے چھپائی نہیں جاسکتی۔ علامہ شیخ ابن عبدہ نے اس کی شرح میں صاف لکھ دیا ہے کہ

ضَمِيْرٌ يَرْجِعُ اِلَى الْخِلَافَةِ وَ فُلَانٌ كِنَايَةٌ عَنِ الْخَلِيْفَةِ الْاَوَّلِ اَبِیْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ۔

ضمیر یہ خلافت کی طرف راجع ہے اور فلاں کی لفظ کنایہ ہے خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔

اس کے بعد یہ امر کسی تصریح کا محتاج نہیں رہتا کہ آپؑ پہلی خلافت کو بالکل ناجائز سمجھتے تھے جو سنگ بنیاد ہے اس کے بعد کی دوسری خلافتوں کا اور اس خلافت کے تشریف لے جانے کے بعد پھر یہ پوری عمارت ہی بے بنیاد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس خطبہ میں آپؑ نے اُس کے بعد دوسری اور تیسری خلافت پر بھی سخت الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے جو بالکل ان خلافتوں کے بارے میں آپؑ کے عقیدہ کا آئینہ بردار ہے۔

اسی لیے بہت سے تنگ نظر افراد کی طرف سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ کم از کم اس خطبہ کو امیر المومنین علیہ السلام کے کلام سے خارج کر دیا جائے لیکن خود اہل سنت میں سے تحقیق شیوہ وسیع النظر علماء نے اس کوشش کو نقش برآب بنادیا اپنے اُن تصریحات سے جو اس خطبہ کے کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے کے متعلق موجود ہیں بلکہ دلائل کے ساتھ انہوں نے اُن خیالات کو رد کر دیا ہے جو اس کے خلاف پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

"نہج البلاغہ کا استناد" جو رسالہ اس کے پہلے شائع ہو چکا ہے اس میں یہ تصریحات درج ہیں۔

ص ۷۴۔ اُس موقع پر جب آپؑ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ طلحہ و زبیر کا مقابلہ نہ کیجئے آپؑ کا جو کلام ہے۔ اُس میں فرماتے ہیں:

مَا زِلْتُ مَدْفُوْعًا عَنْ حَقِّیْ، مُسْتَاْثَرًا عَلَیَّ، مُنْذُ قَبَضَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَتّٰى يَوْمِ النَّاسِ هٰذَا.

خدا کی قسم مجھے برابر میرے حق سے ہٹایا جاتا رہا اور میرے حقوق پر قبضہ کیا جاتا رہا جب سے حضرت رسولؐ کی وفات ہوئی آج کے دن تک۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶، ص ۱۳۴]

ص ۱۳۵ - جب حضرت عثمان کی بیعت کا مرحلہ درپیش تھا آپؑ نے فرمایا۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَيْرِیْ. وَ وَاللّٰهِ! لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِيْنَ. وَ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَیَّ خَاصَّةً. اِلْتِمَاسًا لِاَجْرِ ذٰلِكَ وَ فَضْلِهٖ. وَ زُهْدًا فِيْمَا تَنَافَسْتُمُوْهُ مِنْ زُخْرُفِهٖ وَ زِبْرِجِهٖ.

تم سب کو معلوم ہے کہ میں اس منصب کا سب سے زیادہ حقدار ہوں مگر بخدا میں خاموشی سے کام لیتا رہوں گا جب تک کہ مسلمانوں کے معاملات ٹھیک رہیں اور ظلم و ناانصافی جو کچھ ہو وہ صرف میری ذات پر رہے۔ میری یہ خاموشی اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے ہے اور بے رغبتی کا نتیجہ ہے دُنیا کے اس ساز و سامان میں جس پر تم لوگ جان دے رہے ہو۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۲، ص ۲۵۰]

اس میں آپؑ نے اپنا مستحق ہونا بھی ثابت کیا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اس معاملہ میں شروع سے جو کچھ ہوا وہ آپؑ کے حق میں ظلم اور ناانصافی کی حیثیت رکھتا ہے۔

ص ۳۱۷-۳۱۸۔ ایک شخص نے آپؑ کے اصحاب میں سے دریافت کیا کہ کیونکر آپؑ کو ان لوگوں نے اس منصب سے ہٹا دیا حالانکہ آپؑ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب مسلمانوں کی طرف سے چوتھے درجہ پر آپؑ کی خلافت تسلیم ہو چکی ہے۔ یہ سوال اس موقع پر اٹھانا بالکل موقع کے خلاف تھا۔ اس پر آپؑ نے سائل کو متنبہ بھی فرمایا لیکن پھر بھی آپؑ نے جو جواب دیا ہے اُس میں اپنی حقیقت کا اظہار کر دیا ہے۔ فرمایا:

اَمَّا الْاِسْتِبْدَادُ عَلَيْنَا بِهٰذَا الْمَقَامِ وَ نَحْنُ الْاَعْلَوْنَ نَسَبًا، وَ الْاَشَدُّوْنَ بِالرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ نَوْطًا، فَاِنَّهَا كَانَتْ اَثَرَةً شَحَّتْ عَلَيْهَا نُفُوْسُ قَوْمٍ، وَ سَخَتْ عَنْهَا نُفُوْسُ اٰخَرِيْنَ، وَ الْحَكَمُ اللهُ، وَ الْمَعْوْدُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

یہ جو ہمارے مقابلہ میں اس منصب کے متعلق استبداد سے کام لیا گیا حالانکہ ہماری خاندانی خصوصیت بلند درجہ پر تھی اور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ تعلق تھا، یہ ایک بے انصافی تھی جس میں بعض لوگوں نے بخل سے کام لیا اور دوسری جماعت نے فیاضی صرف کی اور فیصلہ کرنے والا خدا ہے اور آخر میں سب کو اُس کے پاس پہنچنا ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۰، ص ۴۵۲]

"فیاضی" سے عملی طور پر جنگ وجدال اور منازعت سے کام نہ لینا مراد ہے۔ اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکالا جا سکتا کہ اس حق کے دوسروں کے پاس چلے جانے پر رضامندی اختیار کر لی گئی ورنہ اس کے بعد کے فقرہ کا کوئی محل نہیں تھا کہ "فیصلہ کرنے والا خدا ہے اور سب کو اُس کے پاس جانا ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنائے مخاصمت فریق مخالف سے بارگاہ خداوندی میں دعوی کے لیے موجود ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سے درگزر کر کے خوشنودی سے کام نہیں لیا گیا۔

ص ۴۴۰ میں ہے۔

وَ قَدْ قَالَ قَآئِلٌ: اِنَّكَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ يَا بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ لَحَرِيْصٌ. فَقُلْتُ: بَلْ اَنْتُمْ وَاللهِ! لَاَحْرَصُ وَ اَبْعَدُ، وَ اَنَا اَخَصُّ وَ اَقْرَبُ، وَ اِنَّمَا طَلَبْتُ حَقًّا لِّيْ وَ اَنْتُمْ تَحُوْلُوْنَ

بَيْنِيْ وَ بَيْنَهٗ. وَ تَضْرِبُوْنَ وَجْهِيْ دُوْنَهٗ.

ایک کہنے والے نے کہا کہ تم اے فرزند ابوطالب اس منصب خلافت کی بہت لالچ رکھتے ہو۔ میں نے کہا کہ بخدا لالچی تو تم لوگ ہو اور میں تو خصوصیت رکھتا ہوں اور قریب درجہ رکھتا ہوں اور اپنا ایک حق طلب کرتا ہوں جو مجھ سے مخصوص ہے اور تم لوگ مجھے اس حق تک پہنچنے سے مانع ہوتے ہو اور سدراہ ہوتے ہو۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۰، ص ۴۷۵]

اس کے بعد آپؑ نے بارگاہ الٰہی میں حسب ذیل الفاظ میں مناجات کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَعْدِيْكَ عَلٰى قُرَيْشٍ وَّ مَنْ اَعَانَهُمْ! فَاِنَّهُمْ قَطَعُوْا رَحِمِيْ، وَ صَغَّرُوْا عَظِيْمَ مَنْزِلَتِيْ، وَ اَجْمَعُوْا عَلٰى مُنَازَعَتِيْ اَمْرًا هُوَ لِيْ۔

بارالہا میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں قریش اور اُن کے مددگاروں کی کہ انہوں نے میری قرابت کے لحاظ کو دور کیا اور میری عزت اور درجہ کو کم کیا اور میرے خلاف ایکا کیا اُس امر کے مجھ سے چھین لینے میں جو مجھ سے مخصوص ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۰، ص ۴۷۵]

ص ۶۴۴ میں اس دُعا کے یہ الفاظ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَعْدِيْكَ عَلٰى قُرَيْشٍ، فَاِنَّهُمْ قَدْ قَطَعُوْا رَحِمِيْ، وَ اَكْفَاُوْا اِنَائِيْ، وَ اَجْمَعُوْا عَلٰى مُنَازَعَتِيْ حَقًّا كُنْتُ اَوْلٰى بِهٖ مِنْ غَيْرِيْ۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۱۵، ص ۶۲۱]

مطلب اس کا بھی وہی ہے صرف لفظوں کا تھوڑا سا فرق ہے۔

جلد دوم ص ۶۳ میں ایک خط کے ذیل میں جو حضرتؑ نے اپنے بھائی عقیل کو لکھا ہے یہ الفاظ ہیں۔

فَجَزَتْ قُرَیْشًا عَنِّی الْجَوَازِیْ. فَقَدْ قَطَعُوْا رَحِمِیْ. وَ سَلَبُوْنِیْ سُلْطَانَ ابْنِ اُمِّیْ۔

خدا قریش سے میرے متعلق اُن کی بدسلوکی کا بدلا لے۔ انہوں نے میری قرابت کے لحاظ کو دور کیا اور میرے بھائی کی حکومت کے منصب کو مجھ سے دور کیا۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۳۶، ص ۷۳۵]

جلد دوم صفحہ ۱۲۳ میں اُس فرمان کے ذیل میں جو اہل مصر کے نام تحریر فرمایا ہے لکھا ہے۔

مَا کَانَ یُلْقٰی فِیْ رُوْعِیْ وَ لَا یَخْطُرُ بِبَالِیْ اَنَّ الْعَرَبَ. تُزْعِجُ هٰذَا الْاَمْرَ مِنْ بَعْدِهٖ ﷺ عَنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ. وَ لَا اَنَّهُمْ مُنَحُّوْهُ عَنِّیْ مِنْ بَعْدِهٖ. فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا انْثِیَالُ النَّاسِ عَلٰی فُلَانٍ یُبَایِعُوْنَهٗ. فَاَمْسَكْتُ یَدِیْ۔

مجھے کبھی یہ تصور بھی نہیں ہوتا تھا کہ عرب قوم اس خلافت کے منصب کو آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کے اہل بیتؑ سے ہٹا لے گی اور مخصوص مجھ سے اس کو دور کرے گی لیکن ایک مرتبہ یہ صورت نظر آئی کہ لوگ ابو بکر پر ٹوٹ پڑے ہیں اور اُن کی بیعت کر رہے ہیں یہ دیکھ کر بس میں نے ہاتھ روک لیا۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۶۲، ص ۸۰۰]

ان عبارتوں سے یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پہلے خلفاء کی سلطنت کو جائز اور صحیح نہیں سمجھتے تھے اور خلافت کو اپنا مخصوص حق جانتے تھے اور دوسرے لوگوں کا قبضہ اُس پر غاصبانہ قرار دیتے تھے جس کے فیصلہ کے لیے روز قیامت کے دن کے منتظر تھے۔

اہل بیت رسولؐ کی پیشوائی

حضرتؑ نے کثیر التعداد مواقع پر اہل بیت علیہم السلام کے فضائل اور اُن کے خصوصیات کو نہایت نمایاں الفاظ میں پیش کیا ہے اور بتلایا ہے کہ دین اور شریعت کا صحیح علم انہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور مسلمانوں کے حقیقی مقتداوہی بن سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہوں ذیل کے ارشادات:

ص ۳۳ آل محمد علیہم السلام کے وصف میں ہے۔

هُمْ مَوْضِعُ سِرِّهِ، وَ لَجَأُ اَمْرِهِ، وَ عَيْبَةُ عِلْمِهِ، وَ مَوْئِلُ حِكَمِهِ، وَ كُهُوْفُ كُتُبِهِ، وَ جِبَالُ دِيْنِهِ، بِهِمْ اَقَامَ انْحِنَآءَ ظَهْرِهِ، وَ اَذْهَبَ ارْتِعَادَ فَرَآئِصِهِ۔

یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسرار کے حامل اور آپؐ کی شریعت کی پشت پناہ، آپؐ کے علم کا ظرف اور آپؐ کی حکمتوں کا مرکز اور آپؐ کی کتاب کے اجزاء کی شیرازہ بندی کرنے والے اور آپؐ کے دین کے پہاڑ ہیں۔ انہی کے ذریعہ سے دین میں قوت اور پائیداری پیدا ہوئی اور اُس کے جوڑ و بند کی تھرتھری دور ہوئی ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۱۰۷]

ص ۲۰۶ میں ہے:

اُنْظُرُوْا اَهْلَ بَيْتِ نَبِيِّكُمْ فَالْزَمُوْا سَمْتَهُمْ، وَ اتَّبِعُوْا اَثَرَهُمْ فَلَنْ يُّخْرِجُوْكُمْ مِنْ هُدًى، وَ لَنْ يُّعِيْدُوْكُمْ فِيْ رَدًى، فَاِنْ لَبَدُوْا فَالْبُدُوْا، وَ اِنْ نَهَضُوْا فَانْهَضُوْا، وَ لَا تَسْبِقُوْهُمْ فَتَضِلُّوْا، وَ لَا تَتَاَخَّرُوْا عَنْهُمْ فَتَهْلِكُوْا۔

اپنے نبیؐ کے اہل بیت علیہم السلام کو، دیکھو ان کی طرف رہنے کے پابند

رہواور اُن کے نقش قدم پر چلتے رہو۔ یہ تم کو کبھی ہدایت کے دائرہ سے باہر نہیں نکالیں گے، اور ہلاکت میں ڈالیں گے نہیں ۔ اگر یہ بیٹھ جائیں تو بیٹھ جاؤاور یہ اٹھیں تو تم بھی اٹھو، ان کے آگے نہ بڑھو کہ گمراہ ہوجاؤاور نہ اُن کے پیچھے رہو کہ ہلاکت میں مبتلا ہو۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۹۵،ص ۳۱۷]

اس میں یہ بھی آپؑ نے واضح فرمادیا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کو صرف قرابت کی بناء پر فضیلت نہیں حاصل ہے بلکہ تعلیمات رسولؐ کی حقیقی روح انہی کے پاس ہے۔ اس لیے اُن کی پیروی لازم ہے۔

ص۲۲۲۔ نَحْنُ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ، وَ مَحَطُّ الرِّسَالَةِ، وَ مُخْتَلَفُ الْمَلٰٓئِكَةِ، وَ مَعَادِنُ الْعِلْمِ، وَ يَنَابِيْعُ الْحِكَمِ، نَاصِرُنَا وَ مُحِبُّنَا يَنْتَظِرُ الرَّحْمَةَ، وَ عَدُوُّنَا وَ مُبْغِضُنَا يَنْتَظِرُ السَّطْوَةَ۔

ہم نبوت کا درخت ہیں اور رسالت کے اُترنے کی جگہ ہیں اور فرشتوں کے آمدورفت کا محل اور علم کی کان اور حکمت کے سرچشمہ ہیں۔ ہمارے مددگار اور دوست کو رحمت کا امیدوار اور ہمارے دشمن کو عذاب الٰہی کا منتظر رہنا چاہئے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۷،ص ۳۴۳]

ص۲۵۰۔ وَ عِنْدَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَبْوَابُ الْحِكَمِ وَ ضِيَآءُ الْاَمْرِ۔

ہم اہل بیت علیہم السلام کے پاس علم وحکمت کے دروازے ہیں اور دین اور شریعت کی روشنی ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۱۸،ص ۳۶۲]

ص۲۹۷۔ نَحْنُ الشِّعَارُ وَ الْاَصْحَابُ، وَ الْخَزَنَةُ وَ

الْاَبْوَابُ. وَ لَا تُؤْتَی الْبُیُوْتُ اِلَّا مِنْ اَبْوَابِهَا. فَمَنْ اَتَاهَا مِنْ غَیْرِ اَبْوَابِهَا سُمِّیَ سَارِقًا.

ہم رسولؐ سے بالکل متصل اور آپؐ کے ہر وقت کے ساتھی اور خزانہ دار اور دروازے ہیں اور گھروں میں داخل نہیں ہوا جا سکتا مگر دروازوں سے، جو شخص بغیر دروازہ کے کسی دوسرے راستے سے داخل ہو وہ چور ہوگا۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۵۲، ص ۴۳۱]

اس میں آپؑ نے اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ اگر صحبت ہی سبب شرف اور معیار فوقیت سمجھی جائے تو صحبت رسولؐ کی جیسے اہل بیتؑ کو حاصل ہے ویسی کسی کو بھی نہیں ہے اس لیے اس حقیقت سے بھی خصوصیت اُن کو حاصل ہے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ آپؐ کے علوم کے حاصل کرنے کا ذریعہ صرف اہل بیتؑ ہیں جس طرح مکان میں داخل ہونے کا ذریعہ اُس کا دروازہ ہوتا ہے۔

ص ۲۹۸ میں ہے۔

فِیْهِمْ کَرَآئِمُ الْقُرْاٰنِ. وَ هُمْ کُنُوْزُ الرَّحْمٰنِ. اِنْ نَطَقُوْا صَدَقُوْا. وَ اِنْ صَمَتُوْا لَمْ یُسْبَقُوْا.

آل محمد علیہم السلام ہی وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن کی بزرگ آیتیں نازل ہوئی ہیں اور یہ خدا کی رحمت کے خزانے ہیں، اگر یہ بات کریں گے تو سچ ہی بات کریں گے اور جب یہ سکوت کریں تو کسی کو حق نہیں کہ وہ ان پر سبقت کرے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۵۲، ص ۴۳۱]

ص ۴۹۵ آل محمد علیہم السلام کے ذکر میں فرماتے ہیں:

هُمْ عَیْشُ الْعِلْمِ. وَ مَوْتُ الْجَهْلِ. یُخْبِرُکُمْ حِلْمُهُمْ عَنْ عِلْمِهِمْ. وَ ظَاهِرُهُمْ عَنْ بَاطِنِهِمْ. وَصَمْتُهُمْ عَنْ

حِكَمِ مَنْطِقِهِمْ. لَا يُخَالِفُوْنَ الْحَقَّ وَ لَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ. هُمْ دَعَآئِمُ الْاِسْلَامِ۔

یہ علم کی زندگی ہیں اور جہالت کے لیے موت کا سبب ہیں ان کی بردباری ان کے علم کی آئینہ بردار اور ان کی خاموشی ان کی حکیمانہ گویائی کی ترجمان ہے وہ حق کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ اُس میں اختلاف کرتے ہیں، وہ دین کے ستون ہیں۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۳۶، ص ۶۵۲]

ج ۲ ص ۳۲ میں آپؑ نے امیر معاویہ کے خط میں یہ وسیع معنی خیز جملہ تحریر فرما دیا ہے کہ

فَاِنَّا صَنَآئِعُ رَبِّنَا. وَ النَّاسُ بَعْدُ صَنَآئِعُ لَنَا.

ہم براہ راست اپنے خدا کے ساختہ و پرداختہ اور احسان مند ہیں اور پھر تمام لوگ اس کے بعد ہمارے ہاتھوں کے ساختہ و پراختہ اور ممنون احسان ہیں۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۸، ص ۷۰۳]

سقیفہ کی کارروائیوں پر تبصرہ

سقیفہ میں انصار کے مقابلہ میں جس طرح مسئلہ خلافت میں کامیابی حاصل کی گئی ہے اور جن دلائل سے اپنی حقانیت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے خود اُن ہی دلائل سے اُن کے مقابلہ میں حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کی حقیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج کل کے مسلمان خلافت کے لیے جمہوریت ورائے عامہ کے اصول کی تشکیل کریں لیکن جبکہ اُس خلافت کی داغ بیل پڑ رہی تھی تو حضرت ابوبکر وعمر نے اُس کو صرف قرابت کے اصول پر حاصل کیا تھا۔ رسالہ "نگار" لکھنؤ میں جو مسئلۂ خلافت و امامت پر آخری مضمون شائع ہوا ہے اور جسے امامیہ مشن کی جانب سے "خلافت و امامت" حصہ چہارم میں شائع کیا گیا ہے۔ اُس میں یہ بحث بہت تفصیل سے موجود ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کو جب سقیفہ کے حالات معلوم ہوئے تو آپؑ نے واضح طور سے اس امر پر تبصرہ فرمایا کہ: جو دلائل سقیفہ میں پیش کئے گئے ہیں اُن کا نتیجہ ہماری حقیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

ملاحظہ ہو ص ۱۲۶ حضرتؑ نے دریافت فرمایا کہ قریش نے انصار کے مقابلہ میں کیا دلیل پیش کی۔ بیان کیا گیا کہ انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ہم "شجرۃ الرسول" ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریبی رشتہ داری رکھتے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا:

اِحْتَجُّوْا بِالشَّجَرَةِ وَ اَضَاعُوا الثَّمَرَةَ۔

ان لوگوں نے درخت کو دلیل میں پیش کیا اور اُس کے میوہ کو برباد کیا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر "شجرۃ الرسول" میں ہونا ان کی حقیت کے لیے کافی ہوسکتا ہے تو آل رسولؐ جو حقیقتاً "شجرۂ رسول" کا ثمرہ ہیں اُن کی حق تلفی کیونکہ جائز ہوسکتی ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۵، ص ۲۳۹]

جلد دوم صفحہ ۳۴ میں اُس خط کے ذیل میں جو آپؑ نے معاویہ کو لکھا ہے اسے حسب ذیل واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَ لَمَّا احْتَجَّ الْمُهَاجِرُوْنَ عَلَى الْاَنْصَارِ يَوْمَ السَّقِيْفَةِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَلَجُوْا عَلَيْهِمْ. فَاِنْ يَّكُنِ الْفَلَجُ بِهٖ فَالْحَقُّ لَنَا دُوْنَكُمْ. وَ اِنْ يَّكُنْ بِغَيْرِهٖ فَالْاَنْصَارُ عَلٰى دَعْوَاهُمْ۔

جب مہاجرین نے انصار کے مقابلہ میں استدلال پیش کیا رسول اللہؐ کے ساتھ قرابت کی بنا پر تو اُن کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے۔ اگر کامیابی اس دلیل سے ہوسکتی ہے تو حق ہمارا ثابت ہوتا ہے، ان

لوگوں کا نہیں۔ اور اگر یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی تو پھر انصار اپنے دعوی پر باقی ہیں ان کو خلافت کے حق سے محروم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۸، ص ۴۰۷]

خلفاء کے بارے میں آپؑ کے خیالات

گزشتہ بیانات ہی صاف طور سے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتے ہیں کہ آپؑ اُن خلفاء کو جو مسند رسولؐ پر متمکن ہو گئے تھے اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ ان میں سب سے واضح اور صاف خطبۂ شقشقیہ ہے جس کے ابتدائی فقرات جو حقیت خلافت سے متعلق ہیں اس کے پہلے درج ہو چکے ہیں۔

آپؑ نے اس میں دوسری اور تیسری خلافت پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ بھی سن لیجئے:

ص۳۵۔۴۰ حَتّٰی مَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِيْلِهٖ. فَاَدْلٰی بِهَا اِلٰی فُلَانٍ بَعْدَهٗ. (ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الْاَعْشٰی):

شَتَّانَ مَا يَوْمِیْ عَلٰی كُوْرِهَا وَ يَوْمُ حَيَّانَ اَخِیْ جَابِرِ

فَيَا عَجَبًا! بَيْنَا هُوَ يَسْتَقِيْلُهَا فِیْ حَيَاتِهٖ اِذْ عَقَدَهَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ. لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَيْهَا! فَصَيَّرَهَا فِیْ حَوْزَةٍ خَشْنَآءَ. يَغْلُظُ كَلْمُهَا وَ يَخْشُنُ مَسُّهَا. وَ يَكْثُرُ الْعِثَارُ فِيْهَا وَ الْاِعْتِذَارُ مِنْهَا. فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ. اِنْ اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ وَ اِنْ اَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ. فَمُنِیَ النَّاسُ۔ لَعَمْرُ اللّٰهِ!۔ بِخَبْطٍ وَّ شِمَاسٍ وَّ تَلَوُّنٍ وَّ اعْتِرَاضٍ. فَصَبَرْتُ عَلٰی طُوْلِ الْمُدَّةِ. وَ شِدَّةِ الْمِحْنَةِ. حَتّٰی اِذَا مَضٰی لِسَبِيْلِهٖ جَعَلَهَا فِیْ جَمَاعَةٍ زَعَمَ اَنِّیْ اَحَدُهُمْ. فَيَا لِلّٰهِ وَ لِلشُّوْرٰی!. مَتَی اعْتَرَضَ الرَّيْبُ فِیَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْهُمْ.

حَتّٰى صِرْتُ أُقْرَنُ إِلٰى هٰذِهِ النَّظَائِرِ۔

جب خلیفۂ اوّل دنیا سے چل بسے تو انہوں نے اس خلافت کو دوسرے آدمی (عمر بن الخطاب) کے سپرد کیا۔ پھر آپؑ نے اعشیٰ کا شعر بطور مثال پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ کہاں وہ زمانہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں میری ہر طرح عزت وحرمت تھی اور کہاں یہ دور۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ کہاں تو وہ اپنی زندگی کے دور میں اس خلافت کے منصب سے معافی مانگتے تھے (اشارہ ہے حضرت ابوبکر کے اُس خطبہ کی طرف جس میں آپ نے کہا تھا: "أَقِيْلُوْنِيْ أَقِيْلُوْنِيْ فَلَسْتُ بِخَيْرِ كُمْ۔" مجھے معاف کردو معاف کردو۔ میں تم میں کچھ بہتر نہیں ہوں۔

اور کہاں اس خلافت کو اُنہوں نے اپنے انتقال کے بعد دوسرے کے لیے مقرر کر دیا۔ کتنی سختی کے ساتھ ان دونوں آدمیوں نے خلافت کے تھنوں کو اپنے درمیان تقسیم کیا۔ خلیفۂ اول نے اس کو قرار دے دیا ایک سخت جگہ پر جو سنگلاخ اور درشت ہے اور جس میں ٹھوکریں بہت لگتی ہیں اور عذر کی ضرورت بہت پڑتی ہے۔ جس کو اُس سے سابقہ پڑے وہ اس ناقہ کے سوار کی طرح ہے جس کی یہ حالت ہے کہ اگر اُس کی مہار زور سے کھینچی جائے تو وہ اپنے نتھنوں کو زخمی کئے دیتا ہو اور اگر ڈھیل دے دے تو وہ جا کر نالے کھولے میں گر پڑے۔ پس لوگ مبتلا ہو گئے۔ بخدا ہاتھ پاؤں مارنے میں اور سرکشی میں اور رنگ بدلنے میں اور بے راہ روی میں۔ میں نے اس دور میں بھی بوجہ مدت طولانی ہونے کے تحمل سے کام لیا یہاں تک کہ یہ بھی اپنے راستے پر

گئے (انتقال ہوا) تو وہ اس خلافت کو کچھ لوگوں کے درمیان قرار دے گئے جن میں سے اُنھوں نے مجھے بھی ایک خیال کیا۔ خدا سمجھے اس شوریٰ کی کمیٹی سے۔ کب شک وشبہ تھا میری حیثیت میں اُن میں سے پہلے شخص (ابوبکر) کے مقابلہ میں جواب مجھے برابر لایا گیا ایسے اشخاص کے ساتھ۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۰]

آپؑ کا اختلاف خلفاء سے اتنا نمایاں امر تھا کہ جو ہر شخص کو معلوم تھا۔ چنانچہ معاویہ نے ایک خط میں اس کو آپؑ کے مقابلہ میں بطور اعتراض پیش کیا اور یہ لکھا کہ آپؑ نے تمام خلفاء پر حسد کیا اور سب سے بغاوت کی۔

اس کے جواب میں حضرتؑ نے اصلاح حقیقت سے کہ آپ کو ان لوگوں سے اختلاف تھا انکار نہیں کیا بلکہ اُس کی اس تعریض کو صرف بے محل اور خلاف موقع بتایا اس بنا پر کہ اُس کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

جلد دوم، صفحہ ۳۴۔ امیر المومنین علیہ السلام نے جو معاویہ کو جواب لکھا ہے اُس میں تحریر فرمایا ہے:

وَ زَعَمْتَ اَنِّیْ لِکُلِّ الْخُلَفَآءِ حَسَدْتُّ، وَ عَلٰی کُلِّهِمْ بَغَیْتُ، فَاِنْ یَّکُنْ ذٰلِكَ کَذٰلِكَ فَلَیْسَ الْجِنَایَةُ عَلَیْكَ. فَیَکُوْنَ الْعُذْرُ اِلَیْكَ. وَ تِلْكَ شَکَاةٌ ظَاهِرٌ عَنْكَ عَارُهَا۔

تم نے یہ خیال کیا کہ میں نے سب خلفاء پر حسد کیا ہے اور سب کے مقابلہ میں بغاوت سے کام لیا۔ اگر ایسا بھی ہو تو یہ تمہارا کوئی جرم نہیں تھا کہ میں تم سے اس کی معذرت چاہوں۔ یہ ایسی بات ہے جس کے نتیجہ سے تم کو کوئی تعلق ہی نہیں۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۸، ص ۷۰۴]

یہ بھی معاویہ نے لکھا تھا کہ آپؑ کی حالت اُس زمانہ میں یہ تھی کہ جبریہ طور پر بیعت

کے لیے کھینچ کر لائے جاتے تھے جس طرح اونٹ کو کھینچ کر لاتے ہیں۔ آپؑ نے اس کے جواب میں بھی اصل حقیقت سے انکار نہیں کیا ہے فرماتے ہیں:

وَ قُلْتَ: اِنِّیْ كُنْتُ اُقَادُ كَمَا يُقَادُ الْجَمَلُ الْمَخْشُوْشُ حَتّٰٓى اُبَايِعَ. وَ لَعَمْرُ اللهِ! لَقَدْ اَرَدْتَ اَنْ تَذُمَّ فَمَدَحْتَ، وَ اَنْ تَفْضَحَ فَافْتَضَحْتَ! وَ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ مِنْ غَضَاضَةٍ فِیْۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَظْلُوْمًا مَّا لَمْ يَكُنْ شَاكًّا فِیْ دِيْنِهٖ، وَ لَا مُرْتَابًۢا بِيَقِيْنِهٖ!.

تم نے کہا ہے کہ میں کھینچا جاتا تھا جس طرح وہ اونٹ کھینچا جاتا ہے جس کے نکیل بندھی ہوئی ہوتا کہ بیعت کروں، بخدا تم نے چاہا تھا کہ مذمت کرو لیکن تعریف کر دی اور مجھے رسوا کرو مگر خود تمھاری رسوائی ہوئی۔ ایک مسلمان کے لیے کوئی عیب نہیں اس میں کہ وہ مظلوم ہو جب تک کہ وہ اپنے دین میں شک کرنے والا اور اپنے یقین کامل میں متزلزل نہ ہو۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۸، ص ۷۰۴]

ج ۲، ص ۱۸۷ میں آپ کا یہ قول درج ہے کہ

وَا عَجَبَاهُ! اَ تَكُوْنُ الْخِلَافَةُ بِالصَّحَابَةِ وَ الْقَرَابَةِ؟.

عجیب! کیا خلافت صحبت اور قرابت ہی کی بنیاد پر قائم ہے۔؟

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۱۹۰، ص ۸۸۲]

آپؑ کا یہ شعر بھی اسی مضمون سے متعلق ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ بِالشُّوْرٰی مَلَكْتَ اُمُوْرَهُمْ فَكَيْفَ بِهٰذَا وَ الْمُشِيْرُوْنَ غُيَّبُ؟ وَ اِنْ كُنْتَ بِالْقُرْبٰی حَجَجْتَ خَصِيْمَهُمْ فَغَيْرُكَ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ وَ اَقْرَبُ۔

یعنی اگر تم شوریٰ سے مسلمانوں کی حکومت پر متمکن ہوئے ہو تو یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ مشورہ دینے والے موجود ہی نہ تھے (کیونکہ سقیفہ میں تمام مسلمانوں کی نمایندگی نہ تھی اور اہل بیت رسولؐ میں سے کوئی فرد موجود نہ تھی) اور اگر تم قرابت سے اپنی مخالف جماعت (انصار) پر غالب آئے ہو تو تمہارے سوا دوسرا شخص (یعنی خود حضرت علی علیہ السلام) تم سے زیادہ رسولؐ کے ساتھ خصوصیت کا مالک ہے اور قرابت رکھتا ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۱۹۰، ص ۸۸۲]

عملی مخالفت نہ کرنے کی وجوہ

حضرت علی علیہ السلام نے متعدد مقامات پر وہ اسباب بھی ظاہر کئے ہیں جن کی بنا پر آپؑ نے خلفا سے عملی طور مقابلہ نہیں کیا اور جنگ کی صورت نہیں آنے دی۔ ان میں سے بعض اسباب ظاہری ہیں اور بعض واقعی جو محل اور موقع کی مناسبت سے آپؑ نے بیان فرمائے ہیں۔

پہلا سبب: اور حقیقتاً یہی سب سے بڑا سبب تھا جو امیر المومنین علیہ السلام کے لیے تلوار اُٹھانے سے مانع تھا۔

وہ مفاد اسلامی کا خیال کہ موجودہ حالت میں جبکہ مسلمان ابھی پورے طور پر اسلام میں راسخ نہیں ہوئے ہیں اور بہت سے لوگ مرتد ہونے کے لیے تیار ہیں اگر کوئی ہنگامہ برپا ہو جائے اور مسلمانوں میں جنگ قائم ہو جائے تو اسلام کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا اور یہ ظاہری اسلام کی شان بھی جو دنیا میں قائم ہے رخصت ہو جائے گی۔

اس مقصد کے لیے آپؑ نے نہ صرف جنگ سے پہلوتہی کی بلکہ اکثر مذہبی خدمتوں کے لیے دست تعاون بھی بڑھایا اور بوقت ضرورت حکومت وقت کی امداد بھی کی۔

اس کو آپؑ نے حسب ذیل الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

ج ۲ ص ۱۲۳۔ فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا انْثِیَالُ النَّاسِ عَلٰی فُلَانٍ یُبَایِعُوْنَہٗ. فَاَمْسَکْتُ یَدِیْ حَتّٰی رَاَیْتُ رَاجِعَۃَ النَّاسِ قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ، یَدْعُوْنَ اِلٰی مَحْقِ دَیْنِ مُحَمَّدٍ ﷺ. فَخَشِیْتُ اِنْ لَّمْ اَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَ اَھْلَہٗ اَنْ اَرٰی فِیْہِ ثَلْمًا اَوْ ھَدْمًا. تَکُوْنُ الْمُصِیْبَۃُ بِہٖ عَلَیَّ اَعْظَمَ مِنْ فَوْتِ وِلَایَتِکُمُ الَّتِیْ اِنَّمَا ھِیَ مَتَاعُ اَیَّامٍ قَلَائِلَ. یَزُوْلُ مِنْھَا مَا کَانَ کَمَا یَزُوْلُ السَّرَابُ. اَوْ کَمَا یَتَقَشَّعُ السَّحَابُ. فَنَھَضْتُ فِیْ تِلْکَ الْاَحْدَاثِ. حَتّٰی زَاحَ الْبَاطِلُ وَ زَھَقَ، وَ اطْمَاَنَّ الدِّیْنُ وَ تَنَھْنَہَ۔

ایک مرتبہ نظر آیا مجھے یہ کہ لوگ فلاں شخص (ابوبکر) پر بیعت کے لیے ٹوٹ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ دین اسلام سے پلٹ گئے ہیں اور اس دین کے مٹا دینے کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اُس وقت مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر میں اسلام اور مسلمانوں کی نصرت نہ کروں تو مجھے دین اسلام میں رخنہ یا بربادی کا منظر دکھائی دے جس کی مصیبت میرے اوپر زیادہ سخت ہوگی تمھاری اس حکومت کے ہاتھ سے نکل جانے سے جو چند دنوں کی ایک بات ہے اور پھر اس طرح ختم ہوجانے والی ہے جس طرح سراب کا تخیّل ختم ہوجاتا ہے یا اَبر چھٹ جاتا ہے۔ پس میں اُٹھ کھڑا ہوا ان حوادث میں یہاں تک کہ باطل کا زور و شور ختم ہوا اور وہ فنا ہوا اور دین کو قرار حاصل ہوا اور سکون پیدا ہوا۔ [نہج البلاغہ مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۲]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کے سامنے دو سوال تھے ایک مفاد اسلامی اور ایک اپنے حق کا حاصل کرنا۔ آپؑ نے مفاد اسلامی کی خاطر اپنے حق کے حاصل کرنے میں عملی جدوجہد نہیں کی اور شمشیرزنی اور لشکرآرائی سے کام نہیں لیا۔

دوسرا سبب: یہ ظاہری پہلو ہے جسے آپؑ سطحی نگاہ رکھنے والوں کے سامنے بیان فرمادیا کرتے تھے، وہ انصار و اعوان کی عدم موجودگی ہے۔ یہ عام لوگوں کی افتادِ طبع ہے کہ اگر اُنہیں کامیابی حاصل کرنے کے اسباب نہیں ہیں تب بھی وہ فریق مخالف کو پریشان کرنے کے لیے اور چین سے نہ بیٹھنے دینے کے لیے کچھ نہ کچھ دراندازی کرتے رہتے ہیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام کی بلند ہستی اس کو ناپسند کرتی تھی۔ آپؑ نے عباس اور ابوسفیان سے اُس وقت جب انہوں نے کہا ہے کہ ہم آپؑ کی خلافت کے لیے بیعت کیے لیے ہیں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ

جلد ۱، ص۴۵۔ اَفْلَحَ مَنْ نَّهَضَ بِجَنَاحٍ، اَوِ اسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ۔

(یعنی) انسان اُٹھے تو بال و پر کے ساتھ اُٹھے اور نہیں تو پھر خاموش رہے اور دنیا کو چین سے بیٹھنے دے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۵، ص ۱۳۱]

یہ طریقہ کہ کامیاب تو نہیں ہوں گے لیکن فضا میں بےچینی پیدا کئے رہیں گے اور فریق مقابل کو چین سے بھی بیٹھنے نہیں دیں گے۔ بالکل عقل و تدبّر کے خلاف ہے۔

خطبۂ شقشقیہ میں بھی آپؑ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

ص۴۵۔ وَ طَفِقْتُ اَرْتَئِیْ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّآءَ، اَوْ اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَةٍ عَمْیَآءَ، یَهْرَمُ فِیْهَا الْكَبِیْرُ، وَ یَشِیْبُ فِیْهَا الصَّغِیْرُ، وَ یَكْدَحُ فِیْهَا مُؤْمِنٌ حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّهٗ. فَرَاَیْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی هَاتَا اَحْجٰی۔

میں نے غور کیا کہ میں اس کٹے ہوئے دست و بازو کے ساتھ (یعنی بغیر انصار واعوان کے) حملہ کردوں یا اس گھنگھور مصیبت کی گھٹا پر صبر کروں جس میں کبیر السن بالکل پھوس بن جاتا ہے اور کم سن آدمی بھی بوڑھا ہوجاتا ہے۔ اور مومن اس میں مبتلائے مصیبت رہتا ہے یہاں تک کہ اس دنیا کو خیر باد کہے۔ میں نے دیکھا کہ صبر کرنا اس مصیبت پر زیادہ مطابق عقل ہے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۰]

ص ۷۴ میں ہے: فَنَظَرْتُ فَإِذَا لَيْسَ لِيْ مُعِيْنٌ إِلَّآ أَهْلُ بَيْتِيْ، فَضَنِنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَوْتِ، وَ أَغْضَيْتُ عَلَى الْقَذٰى، وَ شَرِبْتُ عَلَى الشَّجَا، وَ صَبَرْتُ عَلَى أَخْذِ الْكَظَمِ، وَ عَلَى أَمَرَّ مِنْ طَعْمِ الْعَلْقَمِ۔

میں نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ میرا مددگار نہیں ہے سوائے میرے گھرانے والوں کے۔ میں نے ان کو موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا اور چشم پوشی کی باوجود اُس خاشاک کے جو آنکھ میں پڑا ہوا تھا اور پانی پیا باوجود اُس ہڈی کے جو گلے میں پھنسی تھی اور تحمل کیا گلا گھٹنے پر اور تلخ ترین صورت حال پر۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۶، ص ۱۸۰]

یہ کہنا کہ بعقیدۂ شیعہ امیر المومنین علیہ السلام کو اعجاز کی طاقت تھی اور اس لیے تنہا مقابلہ کر سکتے تھے درست نہیں ہے اس بنا پر کہ شریعت اسلام کے احکام کی بنیاد ظاہری اسباب پر ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی ضرورت نہ ہوتی اور انصار کی امداد حاصل کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔

تیسرا سبب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت، یعنی حضرتؐ نے امیر المومنین علیہ السلام کو آیندہ کے واقعات سے اطلاع دیتے ہوئے یہ ہدایت کردی تھی کہ جنگ اور مقابلہ کی صورت پیدا

نہ ہو، اسے آپؑ نے ایک موقع پر اس طرح بیان فرمایا ہے۔

جلد۱، ص۹۸۔ اَتَرَانِیْ اَکْذِبُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ؟ وَاللّٰہِ! لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَہٗ فَلَآ اَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ کَذَبَ عَلَیْہِ. فَنَظَرْتُ فِیْۤ اَمْرِیْ. فَاِذَا طَاعَتِیْ قَدْ سَبَقَتْ بَیْعَتِیْ، وَاِذَا الْمِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَیْرِیْ۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کوئی بات غلط طور پر منسوب کروں گا؟ بخدا میں نے سب سے پہلے حضرتؐ کی تصدیق کی ہے تو میں پہلا شخص نہیں ہوں گا جو آپؐ کی طرف غلط نسبتیں دے۔ میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا تو اطاعت رسولؐ میری بیعت سے پہلے موجود ہے اور عہد و پیمان کا حلقہ میرے گلے میں ایک دوسرے شخص (رسولؐ) کی جانب سے پڑا ہوا ہے۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۷، ص ۲۰۹]

مطلب یہ ہے کہ میرے بیعت نہ کرنے کا نتیجہ یہ نہیں تھا کہ میں مقابلہ کروں کیونکہ بیعت میں کروں یا نہ کروں اس کے پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت مجھ کو ہو چکی ہے اور مجھ پر اُس کی پابندی لازم ہے۔

درحقیقت یہ تینوں باتیں جو درج ہوئیں باہم دست و گریبان ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر امیر المومنین علیہ السلام کے انصار و اعوان آپؑ کی حقیت کے بارے میں عرب میں زیادہ تعداد میں موجود ہوتے اور آپؑ کی مخالف ایک بہت کمزور اور کم تعداد جماعت ہوتی تو آپؑ کے بزور شمشیر مسند خلافت پر متمکن ہونے سے اسلام کو کوئی خاص نقصان بھی نہ پہنچتا اور اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ وصیت بھی نہ ہوتی کہ مقابلہ نہ کیا جائے۔ لیکن چونکہ آپؑ کے خلاف ایک عام سازش کی جا چکی تھی اور بہت

بڑی تعداد اشخاص کی آپؑ کے خلاف متحد بنالی گئی تھی اس لیے اگر آپؑ تلوار کھینچتے تو اسلام کی ظاہری صورت کو بہت بڑا نقصان پہنچتا اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ وصیت کی اور امیر المومنین علیہ السلام نے بھی اُس کا لحاظ کیا۔

کم علم لوگ جذبات کے ماتحت کام کرتے ہیں لیکن امیر المومنین علیہ السلام ان تمام اسرار اور باطنی سازشوں سے مطلع تھے جو آپؑ کے خلاف کی جاچکی تھیں۔ اس لیے آپؑ کبھی ایسے بے سمجھے بوجھے ہوئے اقدام پر تیار نہ ہو سکتے تھے۔

یہی آپؑ نے عباس اور ابوسفیان سے ارشاد فرمایا تھا کہ

ج۱، ص۳۶۔ بَلِ انْدَمَجْتُ عَلٰى مَكْنُوْنِ عِلْمٍ لَوْبُحْتُ بِهٖ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْاَرْشِيَةِ فِي الطَّوِيِّ الْبَعِيْدَةِ.

مجھ کو وہ مخفی علم حاصل ہے کہ اگر میں اس کا اظہار کر دوں تو تم لوگ مضطرب ہو جاؤ اُس طرح جیسے رسیاں مضطرب ہوتی ہیں بڑے گہرے کنوؤں کے اندر۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۵، ص ۱۳۱]

اس کے یہ معنی قرار دینا کہ آپؑ خلفائے وقت کی حقیت کو جانتے تھے اور یہ کہ وہ مجھ سے زیادہ اس منصب کے اہل ہیں بالکل غلط ہے۔ جبکہ آپؑ نے صاف صاف یہ تصریحات فرمادئے ہیں کہ وہ لوگ خلافت کے مستحق نہیں ہیں اور اس منصب کا استحقاق صرف آپؑ کی ذات کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں ہے۔

وصیت کے مسئلہ پر یہ اعتراض کہ پھر آپؑ نے جمل اور صفین اور نہروان میں کیوں تلوار اٹھائی ہرگز صحیح نہیں ہے۔ وصیت جس موقع سے متعلق تھی وہ دوسرا تھا اور تلوار جس موقع پر اُٹھائی وہ دوسرا۔

عجیب کارروائی

وہ لوگ جنہیں کسی وجہ سے اس کی ضرورت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو خلفاء ثلاثہ کے ساتھ متفق ثابت کریں اُن کی جانب سے عجیب طرح کی کارروائیاں کی جاتی ہیں۔ کبھی تو

اہل سنت کی کتابوں سے ایسی روایتیں درج کی جاتی ہیں جنہیں خاص اسی مقصد کے لیے تصنیف کیا گیا ہے اور جن کو شیعہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ ہمارے دلائل محض الزامی نہیں، بلکہ تحقیقی ہیں۔ حالانکہ یہ اصول تحقیق کے بھی بالکل خلاف ہے۔ ایک اختلافی مسئلہ میں جتنا وزن مخالف اشخاص کے بیانات کو ہوسکتا ہے اتنا موافق افراد کے بیانات کو کبھی نہیں ہوسکتا جبکہ تاریخ بتلاتی بھی ہے کہ اموی سلطنت کے عہد جبروت میں ہزاروں روایتیں اس طرح کی بن گئیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ان افراد کے بحث کا یہ وہ کمزور پہلو ہے جس کا احساس اکثر غیر جانبدار محققین کو بھی ہوا ہے چنانچہ مسئلہ خلافت وامامت میں رسالہ "نگار" میں جو مضامین ہر نام اور خود نیاز فتح پوری کے شائع ہوئے ہیں اُن میں اس کمزوری پر اعتراض موجود ہے۔

اس کے بعد جب نوبت آتی ہے شیعی کتب سے ثبوت پیش کرنے کی تو صحرائے استدلال بے آب وگیاہ نظر آتا ہے۔ اُس وقت کانٹ چھانٹ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اس طرح اپنی پیاس کو بجھایا جاتا ہے۔

کبھی تو امیر المومنین علیہ السلام کے اُن بیانات کو جو خلافت بمعنی سلطنت وحکومت سے متعلق ہیں لاکر چسپاں کیا جاتا ہے اُس امامت پر جو جانشینی رسول کا حقیقی منصب ہے، اور جناب امیرؑ کے اُن بیانات سے بالکل چشم پوشی کر لی جاتی ہے جو اس امامت کے متعلق صاف موجود ہیں۔ نیز اُن بیانات سے جن میں پہلی قسم کی خلافت کو بھی اپنا حق بتلایا گیا ہے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جو توضیح سے اس کے پہلے آچکی ہیں۔

اور کبھی الفاظ میں تحریف کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا جاتا ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور نہیں ہے بلکہ بعض شارحین نہج البلاغہ نے شرح میں درج کیا ہے۔ اُس سے یہ عبارت نقل کی جاتی ہے کہ

فَكَانَ اَفْضَلَهُمْ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَاَنْصَحَهُمْ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اَلْخَلِيْفَةُ الصِّدِّيْقُ وَخَلِيْفَةُ الْخَلِيْفَةِ الْفَارُوْقُ وَلَعَمْرِيْ اِنَّ مَكَانَهُمَا مِنَ الْاِسْلَامِ لَعَظِيْمٌ وَاِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجَرْحٌ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا۔

سب سے افضل اسلام میں اور سب سے زیادہ خیر خواہ خدا اور رسولؐ کے خلیفہ رسول صدیق اور اُن کے خلیفہ فاروق تھے اور قسم اپنی جان کی کہ جگہ اُن کی اسلام میں بہت بڑی تھی اور مصیبت ان دونوں کے سبب سے اسلام میں شدید تھی خدا اپنی رحمت اُن کے شامل حال کرے اور اُن کو بدلا دے اُن کے بہترین عمل کا۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی امیر المومنین علیہ السلام ان دونوں بزرگواروں کی تعریف کر رہے ہیں۔ لیکن آپ کو یہ معلوم ہونے سے تعجب ہوگا کہ اس میں شروع کے جملہ میں ایک لفظ موجود تھی جس کو حذف کر کے اس تعریف کی عمارت کو بلند کیا گیا ہے۔

پہلا فقرہ اس عبارت کا اصل میں یوں ہے:

وَكَانَ اَفْضَلَهُمْ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ الْخَلِيْفَةُ الصِّدِّيْقُ الخ۔

(یعنی) سب سے افضل اسلام میں اور خیر خواہ خدا و رسولؐ کے جیسا کہ تمہارا خیال ہے خلیفہ صدیق تھے۔ الخ

اب آپ نے دیکھا کہ یہ مخاطب کا خیال ذکر کیا جا رہا ہے نہ اپنا عقیدہ۔ پھر اس کے لیے زَعَمَ کی لفظ صرف کی گئی ہے جس کے لیے ارباب لغت سے یہ بھی سن لیجئے کہ "عرب کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص کچھ کہتا ہے اور وہ اُن کے نزدیک غلط ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں

"زَعَمَ فُلَانٌ" یعنی یہ گمان باطل اس نے قائم کیا ہے۔"[1]

کیا اس طرح کی تحریف سے یہ نتیجہ نکالا جائے اُس میں کوئی شائبہ حقانیت کا ہوسکتا ہے؟

اور سنئے نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۵۳، میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ الفاظ منقول ہیں:

وَ وَلِيَهُمْ وَالٍ فَاَقَامَ وَ اسْتَقَامَ. حَتّٰى ضَرَبَ الدِّيْنُ بِجِرَانِهٖ.

خلق خدا کے اسلام و انتظام کا ذمہ دار ہوا ایک حاکم و فرمانروا جو راہ راست پر قائم رہا اور دنیا کو اُس نے سیدھے راستے پر لگایا یہاں تک کہ دین خدا نے اپنا سینہ زمیں پر ٹیک دیا۔

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۴۶۷، ص ۹۶۹]

اس کی شرح میں مفتیٔ مصر یہ علامہ محمد عبدہ تو یہ لکھتے ہیں کہا۔

اَلْوَالِيْ يُرِيْدُ بِهِمُ النَّبِيُّ وَ وَلِيَهُمْ اَيْ تَوَلّٰى اُمُوْرَهُمْ وَ سِيَاسَةَ الشَّرِيْعَةِ فِيْهِمْ۔

(یعنی) "اَلْوَالِی" سے مراد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور والی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ مسلمانوں کے اصلاح و تربیت اور شرعی سیاست کے ذمہ دار تھے۔

اُنہوں نے اس خیال کو کہ اس سے حضرت عمر مراد ہیں انتہائی کمزور طریقہ سے "قال قائل" کے لفظ سے نقل کیا ہے۔ یعنی ایک کہنے والے نے یہ کہا ہے۔ مگر یہاں کے لوگ ہیں کہ وہ اس کمزور قول کو وحی آسمانی بنانے کے خواہشمند ہیں۔

فارس اور روم کے غزوات کے سلسلہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے مشورے

---

[1] منجد ص ۳۰۶

یہ چیز ہے جس پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کو خلفاء ثلاثہ اور بالخصوص حضرت عمر کے ساتھ اتنا اتحاد تھا کہ آپؑ نے اُن کو بہت مفید مشورے دئے ہیں۔

اس کے متعلق عرصہ ہوا کہ اخبار "الواعظ" لکھنؤ میں میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا جو "اتحاد الفریقین" حصۂ دوم میں امامیہ مشن کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ چونکہ اُس مضمون کو اس کتاب کے موضوع سے تعلق ہے اور یہی اُس کا موقع ہے۔ اس سے اس مضمون کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔ آیندہ اڈیشن میں اتحاد الفریقین سے اس کو نکال دیا جائے گا۔

سیرت علوی کا ایک ورق

دنیا میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو ذاتی مفاد کے مقابلہ میں مذہبی وملی مفاد کو پامال کر دیں لیکن ایسے افراد بہت کم ہیں جو اجتماعی مفاد کی خاطر اپنی شخصی و ذاتی مقاصد واغراض پر پانی پھرنا گوارا کریں۔

انسان کی عام ذہنیت اُس کو اغراض شخصیہ کی چار دیواری میں محدود رکھتی ہے اور اُس کی افتادِ طبع یہ ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے مقابلہ میں دنیا کی کسی چیز کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرے اور پھر تنگ نظری یہ ہے کہ وہ دوسرے انسان کو بھی اپنے ہی او پر قیاس کر کے اُس کے طرز عمل کو اپنے زاویۂ نظر اور معیار ذہنیت سے جانچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح نتائج کے نکالنے میں وہ ٹھوکریں کھاتا ہے اور غلطیاں کرتا ہے جس کی ذمہ دار اُس کی پست ذہنیت ہے اور کچھ نہیں۔

حالانکہ عقل و تدبّر کا اقتضاء یہ ہے کہ بلند افراد کے طرز عمل کو اُن کی شایان شان بلند ذہنیت کے مطابق اور پست افراد کے طرز عمل کو اُن کے مطابق نقطۂ نظر سے جانچا جائے لیکن عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔

انسان کی بلند ترین صفت یہ ہے کہ جب مفاد شخصی اور مفاد نوعی و اجتماعی میں تصادم ہو تو مفاد نوعی کو مقدم رکھا جائے۔ انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ فرض شناسی کو ہر مقام پر

مقدم رکھے اگر چہ وہ اُس کے کسی نفسانی جذبہ کے خلاف ہو۔

انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ امانت و دیانت کو ہر موقع پر ملحوظ رکھے چاہے وہ اپنے دشمن کے ساتھ ہو۔

ہر امر میں ذاتیات کا مدنظر ہونا اور اپنی نفسانی محبت یا عداوت کو ہر بات میں دخل دینا یہ تو پست فطرت اور پست طبیعت افراد کا کام ہے جن میں حیوانیت کا عنصر انسانیت سے زیادہ کارفرما ہوتا ہے اگر چہ انسان کی اکثریت ہمیشہ اسی مسلک پر قدمزن ہے لیکن اکثریت کو اگر معیار صداقت قرار دے لیا جائے تو ہر بداخلاقی، پست فطرتی اور مفسدہ پردازی ،تہذیب و تمدن اور کمال و شرافت اور ہر کمال و شرف، علم و ہنر انسان کے لیے نقص و عیب بن جانا ضروری ہے۔

لیکن یہ افسوس ہے کہ دنیا بلند افراد کے طرز عمل کو ہمیشہ اپنی ذہنیت کے تحت میں دیکھتی ہے اور اُس سے نتیجہ غلط نکالتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی ذات دنیائے اسلام میں اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ اور انسانی اوصاف و کمالات کا بہترین مجسمہ تھی۔

حضرتؑ کی سیرت اُن تمام خصوصیات سے مملو ہے جو ایک انسان کی کامل انسانیت کے جوہر سمجھے جا سکتے ہیں اس لیے حضرتؑ کی سیرت میں یہ پہلو بہت زیادہ نمایاں نظر آتا ہے کہ حضرتؑ نے کبھی اسلامی و اجتماعی معاملات میں اپنی ذاتی مخالفت اور نفسانیت، دشمنی و عداوت کو دخل نہیں دیا اور نہ امانت و دیانت کے خیال کو ذاتی اغراض و مقاصد اور خیالات و جذبات پر مقدم کیا۔

دنیا کہ جو خود اپنے اور اپنے مزعومہ پیشواؤں کے طرز عمل کی بناء پر اس بات کی عادی ہوگئی ہے کہ وہ ہر بات میں شخصی اغراض کا پہلو مدنظر رکھے حضرتؑ کے اس طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ حضرتؑ کو کوئی ذاتی اختلاف کسی سے تھا ہی نہیں اور آپؑ انتہائی ربط و محبت

اور دوستی و مودّت رکھتے تھے حالانکہ اگر تھوڑی سی بلند نظری کو صرف کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ ذاتی اختلاف کے ساتھ مصالحِ عامہ کی طرف صحیح رہنمائی کرنا وہ صفت ہے کہ جو انسانی اوصاف کا جوہر امتیاز ہے اور وہی امیر المومنین علیہ السلام کے طرزِ عمل میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے کہ جس سے امیر المومنین علیہ السلام کے واقعات زندگی میں تاریخ کے ورق مملو ہیں اور جن کی صورتیں مختلف ہیں۔

کارفرمایان سلطنت یعنی وہ کہ جنہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے تمام اوصاف و کمالات اور استحقاق و اختصاص سے چشم پوشی کر کے خلافت کے تخت کو حاصل کیا اور ملّت اسلامیہ کے تاجدار اور صاحب اقتدار بن کر اصلاح قوم و ملت کے واحد دعوے دار ہوئے، اُنہوں نے مشکلات کے موقع پر آپؑ سے مشورے لیے اور آپؑ نے وہ مشورے دئے جو مفاد اسلامی کے لیے حقیقتاً صحیح اور مناسب وقت تھے اور جن کے خلاف ہونا مفاد اسلامی کے لیے انتہائی مضرت رساں تھا۔

ملاحظہ ہو پہلا مشورہ غزوۂ روم کے متعلق جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے جب حضرت عمر نے جنگ روم میں خود اپنے جانے کے متعلق حضرتؑ سے مشورہ کیا، حضرتؑ نے فرمایا:

وَ قَدْ تَوَكَّلَ اللّٰهُ لِاَهْلِ هٰذَا الدِّيْنِ بِاِعْزَازِ الْحَوْزَةِ. وَ سَتْرِ الْعَوْرَةِ. وَ الَّذِیْ نَصَرَهُمْ وَ هُمْ قَلِيْلٌ لَّا يَنْتَصِرُوْنَ. وَ مَنَعَهُمْ وَ هُمْ قَلِيْلٌ لَا يَمْتَنِعُوْنَ. حَیٌّ لَا يَمُوْتُ. اِنَّكَ مَتٰى تَسِرْ اِلٰى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ. فَتَلْقَهُمْ بِشَخْصِكَ فَتُنْكَبْ. لَا تَكُنْ لِّلْمُسْلِمِيْنَ كَانِفَةٌ دُوْنَ اَقْصٰى بِلَادِهِمْ. وَ لَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَّرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ. فَابْعَثْ اِلَيْهِمْ رَجُلًا مِحْرَبًا. وَ احْفِزْ مَعَهٗ اَهْلَ الْبَلَآءِ وَ النَّصِيْحَةِ. فَاِنْ اَظْهَرَ اللّٰهُ فَذَاكَ مَا تُحِبُّ. وَ اِنْ تَكُنِ

الْاُخْرٰی. کُنْتَ رِدْاً لِّلنَّاسِ وَ مَثَابَۃً لِّلْمُسْلِمِیْنَ۔

خداوند عالم نے اس دین کے متعلق یہ ذمّہ داری لی ہے کہ اُس کے مرکز کی تقویت ہو اور کمزوریوں کی پردہ پوشی ہو اور اُس نے اُن کی مدد کی جب وہ کم تھے کوئی مدد کرنے والا نہ تھا اور اُن کی حفاظت کی جب وہ کم تھے خود اپنی حفاظت پر قادر نہ تھے، وہ اب بھی موجود ہے زندہ ہے اور مرنے والا نہیں۔ اگر آپ خود دشمنوں کے مقابلہ کو گئے اور جنگ ہوئی اور آپ نے شکست کھائی تو مسلمانوں کے لیے کوئی جائے پناہ اُن دشمنوں کی سرحد کے قریب نہ ہوگی اس لیے کہ آپ کے شکست کھانے کے بعد وہاں کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جس کی طرف وہ رجوع کریں لہذا بہتر یہ ہوگا کہ آپ ایک تجربہ کار شخص کو روانہ کیجئے اور اُس کے ساتھ بھیجئے اُن اشخاص کو جو سختیاں جنگ کی اُٹھانے کی طاقت اور صداقت و اخلاص رکھتے ہوں اس صورت میں اگر خدا وند عالم نے غلبہ عطا کیا تو یہی آپ کا مقصد ہے اور اگر معاملہ نوع دگر ہوا تو آپ تو یہاں موجود ہی ہیں جن کے پاس مسلمان واپس آئیں گے اور پناہ لیں گے۔ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۳۲، ص ۳۹۴]

کتنے افسوس کا امر ہے کہ اس مشورہ سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے زمانہ کے بادشاہ سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ اور اُن کی جان کو عزیز سمجھتے تھے جب ہی حضرتؑ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ جائیں اور شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان بے سرپرست رہ جائیں گے اور کوئی اُن کا والی و وارث نہ ہوگا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ خیال حقیقت حال اور مشورہ کے الفاظ سے بہت دور ہے۔

اس امر پر ذرا سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے مشورہ

کے موقع پر خلیفۂ وقت کو جنگ کے لیے خود جانے سے کیوں منع کیا؟

کیا حضرت علی علیہ السلام کی سیاسی رائے یہی تھی کہ جو بادشاہ وقت اور خلیفۂ زمانہ ہو اُس کو کبھی جنگ میں خود جا کر شریک نہ ہونا چاہیے بلکہ خود اپنی جگہ پر بیٹھ کر افواج کو بھیجنا اور دور ہی دور سے اُن کو لڑانا چاہیے؟

ایسا تو نہیں ہے ورنہ خود حضرت جبکہ ظاہری طور پر سلطنت و بادشاہت کے مالک ہوئے تو اس پر عمل کرتے اور خود مدینہ میں بیٹھ کر افواج کو روانہ کرتے یا کم از کم میدان جنگ کے قریب ہی لیکن معرکۂ جنگ سے دور کوئی اپنا مرکز قائم کرتے اور خود جنگ میں شریک نہ ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جتنی لڑائیاں آپؑ کے زمانہ میں ہوئیں سب میں آپؑ میدان جنگ میں موجود بلکہ تمام سپاہیوں کے آگے تلوار کھینچے ہوئے دشمنوں کی صفوں کے اندر شمشیر زنی کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال تو صحیح نہیں ہے کہ حضرتؑ کی رائے خلیفۂ اسلام کے متعلق کی یہی تھی کہ اُس کو اپنا مرکز نہ چھوڑنا چاہیے اور خود جنگ میں جا کر شریک نہ ہو۔

پھر کیا یہ تھا کہ حضرتؑ کو خلیفۂ وقت سے محبت اتنی تھی کہ وہ ان کے میدانِ جنگ میں جانے کے روادار نہ تھے اور یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ شہید نہ ہو جائیں تو پھر مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

یہ خیال بھی افسوس ہے کہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حضرت امیرؑ کو خلیفۂ وقت سے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو، لیکن اُس محبت کے مثل نہیں ہو سکتی جو آپؑ کو اپنے بھائی مشفق، استاد اور معلم روحانی حضرت سول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی۔ حالانکہ تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ بڑی بڑی لڑائیوں میں ہمیشہ رسالتمآبؐ میدان جنگ میں موجود ہوتے تھے۔ اور کبھی حضرت علی علیہ السلام نے حضرتؐ کو یہ مشورہ نہ دیا کہ حضورؐ کا جنگ میں تشریف لے جانا مناسب نہیں اور حضورؐ مدینہ ہی میں تشریف رکھیں اور لشکر روانہ فرمائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

حضورؐ شہید ہو جائیں پھر مسلمانوں کا کوئی والی و وارث نہ ہوگا باوجودیکہ جنگ احد میں رسالتمآبؐ کو اتنے زخم آ گئے تھے کہ حضرتؐ کی زندگی معرضِ خطر میں نظر آ رہی تھی اور بہت قریب تھا کہ حضرتؐ شہید ہو جائیں لیکن اس کے بعد بھی جنگ خندق میں حضرتؐ خود میدان جنگ میں موجود تھے اور حضرت علی علیہ السلام یا کسی صحابی نے بھی حضرتؐ کو مدینہ ہی میں قیام فرمانے کا مشورہ نہیں دیا۔

حضرت علی علیہ السلام جتنا بھی خلیفۂ وقت کو دوست رکھتے لیکن اپنے فرزند اور فرزندان رسول یعنی حسنین علیہما السلام سے زیادہ دوست نہ رکھتے تھے۔ حالانکہ صفین و جمل و نہروان کی لڑائیوں میں یہ دونوں صاحب زادے اپنے پدر بزرگوار کے پہلو بہ پہلو جنگ میں شریک تھے اور حضرت نے کسی موقع پر بھی ان کو جنگ سے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

کیا ان تمام واقعات کی موجودگی میں یہ دل کو لگتی ہوئی بات ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے صرف محبت کی وجہ سے حضرت عمر کو جنگ میں جانے سے روکا۔ اور پھر محبت کی بناء پر جو بات ہو وہ حقیقتاً مشورہ نہیں ہوا کرتا۔ اسے حضرت عمر کو ماننے کی کیا ضرورت تھی اور اگر حقیقتاً وہ جنگ میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے تو حضرت علی علیہ السلام کے صرف اس محبتانہ روکنے سے وہ رُک کیوں گئے اور جنگ میں جانے کا خیال ترک کیوں کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقت حال کچھ اور ہے اور حضرت علی علیہ السلام کا مشورہ کسی اور اندیشہ پر مبنی ہے جس کو حضرتؑ نے اپنے الفاظ میں ظاہر بھی فرما دیا ہے لیکن عام افراد کی حضرت خلیفہ ثانی کے ساتھ خوش اعتقادی اور جذبۂ اخلاص و محبت نے اس پر غور کرنے کا موقع نہیں دیا اور انہوں نے اس کو دوسرا لباس پہنا دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے یہ الفاظ خاص طور سے توجہ کے قابل ہیں:

اِنَّكَ مَتٰى تَسِرْ اِلٰى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ، فَتَلْقَهُمْ بِشَخْصِكَ فَتُنْكَبْ. لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِيْنَ كَانِفَةٌ دُوْنَ

اَقْصٰی بِلَادِھِمْ. وَلَیْسَ بَعْدَکَ مَرْجِعٌ یَرْجِعُوْنَ اِلَیْہِ۔

اس کا ترجمہ جو کیا جاتا ہے اور ہمارے پیش نظر ہے وہ یہ ہے "تحقیق جس وقت آپ اس دشمن کے سامنے خود جائیں گے اور خود اُن سے مقابلہ کریں گے تو اگر کہیں شہید ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ اُن کے آخری شہروں تک کہیں نہ ملے گی کیونکہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جس کی طرف مسلمان رجوع کریں۔"

[نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۳۲، ص ۳۹۴]

افسوس ہے کہ یہ ترجمہ ان اشخاص کے ذاتی مقصد و خواہش کے کتنا ہی مطابق ہو لیکن ان الفاظ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جو اصل مشورہ کے اندر موجود ہیں۔

"تنکب" کی لفظ کے معنی "شہید ہو گئے" کم سے کم موجودہ عربی لغت کی کتابوں میں تو نایاب ہیں۔ بلکہ "نکب" کے معنی ہیں "عدل" یعنی اپنی جگہ سے ہٹنا اور منحرف ہونا اور یا "کسر" یعنی شکست کھانا۔

بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اس اندیشہ کا اظہار نہیں کیا ہے کہ آپ شہید ہو جائیں گے بلکہ یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ کہیں آپ کو میدان جنگ سے ہٹنے کی ضرورت نہ ہو اور شکست اٹھانا نہ پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسالتمآبؐ کے ساتھ کی امتحانی لڑائیوں نے تمام افراد مہاجرین اور بالخصوص ممتاز ہستیوں کے ثبات و استقلال اور بلند حوصلگی و پرجگری کی پوری آزمائش کر لی تھی اور کوئی پردہ باقی نہ رہ چکا تھا۔

اُحد و احزاب، خیبر و حنین کے تلخ تجربے حضرت علی علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور وہ مرقع سامنے تھا کہ جب میدان جنگ کی سنسان فضا اپنی تنہائی کے سناٹے کے ساتھ ان پُرجگر اور جان نثار صحابیان رسولؐ کو دعوت دے رہی تھی اور یہ مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔

خیبر کی یادگار سپہ سالاری اور افسری فوج بھی سامنے تھی جس میں تمام فوج کے متفقہ آواز کی بناء پر شکست کی پوری ذمہ داری سالار کی بے ثباتی کے اوپر تھی اور حقیقت یہ ہے کہ سالار فوج کی کمزوری و بے ثباتی کے بعد ناممکن ہے کہ فوج کے قدم ٹھہریں اور وہ کوئی کامیابی حاصل کر سکے۔

رسالتمآبؐ کے زمانہ میں جولڑائیاں پیش آچکی تھیں اور جن میں ہمیشہ فتح کا سہرا اسلام کے سر رہا اور زبردست سے زبردست بہادر لشکر مخالف کے زیر تیغ ہوئے، انہوں نے اسلام کا رعب ودبدبہ قائم کر دیا تھا اور رسالتمآبؐ کی اُن پیشین گوئیوں نے کہ میری امت کسریٰ وقیصر کے ممالک پر قابض ہوگی۔ سلطنت کے بھوکے عربوں میں ایک خاص جوش وولولہ کی روح پھونک دی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ دشمن کے سامنے اپنی جان سے ہاتھ دھو کر جاتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فتح ہوتی تھی اور اسلام کی فاتحانہ طاقت کی ہیبت دلوں پر بڑھتی جاتی تھی اور یہ ہیبت خود ایک مستقل سبب ہوا کرتی ہے افواج مخالف کی ہزیمت کا۔

ان فتوحات یا افواج اسلامی کے غلبہ کا فلسفہ کتنا ہی عمیق کیوں نہ ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ حضرت عمر کے ساتھ اتنا ہی تعلق رکھتا ہے کہ وہ افواج آپ کے روانہ کئے ہوئے اور آپ کی جانب سے بھیجے ہوئے تھے۔ بالکل اُسی طرح جیسے آج کل کے سلاطین جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے علیحدہ رہ کر عام مخلوق کو قربانی کے لیے آگے بڑھاتے اور اُن کو پروانہ صفت اپنے شمع مقصد کی نذر کرتے اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو کٹوا کر فاتح کا لقب خود اپنے لیے حاصل کرتے ہیں وہ ہی صورت اس زمانہ کی لڑائیوں کی تھی۔ جنگ کے خطرناک مصائب، تلواروں، نیزوں کا مقابلہ، موت کے منہ میں جانا یہ سب تمام مسلمانوں کا کام تھا اور حقیقی فتح کا سہرا انہیں کے سر۔

حضرت عمرؓ ان معاملات میں خود انتہائی درجہ محتاط تھے اور ایسے خطرناک موقعوں پر آگے بڑھنا اور مہالک میں اپنے تئیں ڈالنا پسند نہ کرتے تھے وہ میدان جنگ کی سختیوں سے

واقف تھے اور خود اپنی ذاتی حالت اور دل کی طاقت سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مطلع۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ اکثر اوقات دوسرے اشخاص کے مبالغہ آمیز بیانات انسان کے احساسات وتخیلات پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ خود اپنے متعلق دھوکا کھا جاتا ہے۔

خوشامدیوں سے دنیا خالی نہیں اور خوش اعتقادی بھی کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔ جیسے آج کل کے مؤرخین اور ارباب سیر بڑے بلند بانگ دعوے کے ساتھ حضرت عمر کو اسلامی فاتح اعظم کہتے اور تمام اسلامی فتوحات اور افواج اسلامی کے غلبہ کا سہرا آپ کے سر باندھتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں خوشامد کا تو کوئی موقع ہی نہیں جو کچھ بھی ہے وہ خوش اعتقادی ہے۔ اُس زمانہ میں خود حضرت عمر کے منہ پر خوشامد اور خوش اعتقادی کے مخلوط جذبہ کا نتیجہ تھا کہ عام طور پر کہا جاتا ہوگا کہ یہ سب حضورؐ کی برکت ہے اور آپ کا اثر ہے۔ پھر جب یہاں بیٹھے بیٹھے یہ حال ہے تو حضور خود اگر میدان جنگ میں پہنچ جائیں تو کیا ہوگا۔ سپاہیوں کے دل ہاتھ ہاتھ بھر کے ہو جائیں گے، دنیا کو زیر وزبر کر دیں گے، پہاڑ بھی سامنے آئے تو ہٹا کر راستہ پیدا کریں گے اور ایک دم کے اندر میں ایرانی ملک پر قبضہ کریں گے۔

یہ خیالات ہوں گے جو عام طور پر حضرت عمر کے گوش زد کئے جاتے ہوں گے جن کا اثر یہ تھا کہ حضرت عمر تمام سابق تلخ تجربوں کے باوجود جنگ کے میدان کو اپنے فتح مند قدموں سے عزت دینے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ وہ موقع تھا کہ مدبر اسلام اور حقیقی محافظ ملت حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو اسلامی عزت ووقار کی نسبت خطرہ کا احساس ہوا اور انہوں نے مناسب الفاظ میں حضرت عمر سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ میں متعدد بار حضرت عمر کو ذمہ دارانہ حیثیت سے روانہ کیا گیا لیکن وہ ایسا نازک موقع نہ تھا حضرت عمر کی شخصیت اُس وقت کتنی نمایاں سہی لیکن ایک فرد مسلمان سے زیادہ نہ تھی۔ اگر صورت حال دگرگوں ہوئی اور شکست

کی نا گوار صورت آئی تو وہ کتنی خجالت آمیز سہی لیکن اسلام کی شکست کی مرادف نہیں ہو سکتی۔ رسول اسلامؐ تو موجود تھے ہی، ایک دوسرے قابل اعتماد شخص کے ذریعہ سے وہ اس کمزوری کا تدارک کر دیتے اور نتیجہ میں دشمنوں کو شکست دیتے تھے۔ جیسا کہ برابر ہوتا رہا اور تاریخ اسلام میں وہ تمام واقعات محفوظ ہیں۔

لیکن اب صورت حال یہ تھی کہ وہ جن اسباب کی بنا پر ہو بہر حال حضرت عمر کو دنیائے اسلام کے لیے ایک ممتاز حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور خود مسلمانوں کے اندر آپ کے متعلق کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن کفار کی نگاہ میں آپ بہر حال بادشاہ اسلام اور خلیفہ مسلمین اور جانشین رسولؐ کی حیثیت رکھتے تھے اور اس لیے اگر خدانخواستہ آپ کے میدان جنگ جانے پر کوئی نا گوار صورت پیش آتی اور آپ کو میدان جنگ چھوڑنا یا جنگ سے علیحدہ ہونا پڑتا تو یہ اسلام کی شکست ہوتی جس کے بعد پھر اسلام کو بار آوری حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت عمر یقیناً خود موقع کی نزاکت کا احساس رکھتے تھے اور اُن کا دل اس اہم اقدام کو کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا اور قیاس یہ بتلاتا ہے کہ صرف سرداران لشکر یا دوسرے عام افراد کا یہ مطالبہ اور اصرار رہا ہوگا کہ جب کہ رسولؐ برابر لڑائیوں میں خود شریک ہوتے تھے خلیفۂ رسول کیوں گھر میں بیٹھے رہیں اور میدان جنگ میں مجاہدین کی صفوں کے اندر موجود نہ ہوں۔ اس لیے حضرت عمر کو گونہ تردد ہوا اور اسی لیے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے لیے یہ بہت نازک موقع تھا وہ بات جو آپ کو جنگ میں جانے کا مشورہ دینے سے مانع تھی وہ ایسی نہیں کہ اُس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے۔ دوسری طرف مشورہ کے موقع پر صحیح رائے اور اپنے اصلی خیال کا ظاہر کر دینا شریعت اسلام اور انسانیت واخلاق کا اہم فرض ہے اور پھر جب کہ مشورہ اتنا اہم ہے جس میں اسلام کے وقار و عزت اور توہین وشکست کا سوال در پیش ہے۔

مگر کیا کہنا اس ہم صفیر زبان وحی اور ترجمان حقائق قرآنی کی بلاغت کا جس نے سب

کچھ اس شائستہ پیرایہ میں کہہ دیا جس کو آج دنیا انتہائی مدح وثناء کے الفاظ سمجھ کر اُس کو مقام افتخار میں پیش کرتی اور اپنے ممدوح کے لیے طرہ امتیاز سمجھتی ہے۔

پہلے حضرتؑ نے ان خوشامدانہ نمائشی چاپلوسی کرنے والوں کے خیاں کی غلطی ظاہر کی ہے جو حضرت عمر کے یہ ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ یہ سب حضورؑ کا فیض ہے اور یہ تمام فتوحات آپ کے دم قدم کی برکت سے ہیں اور اگر آپ جنگ میں پہنچ جائیں تو پھر اس سے زیادہ فتوحات ظاہر ہوں گے، حضرت نے اس خیال کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یہ تو خدا نے (اپنے وعدہ کے ذریعہ سے) ذمہ داری کرلی ہے کہ وہ اسلام کی طاقت و شوکت میں اضافہ کرے گا اور اس میں کمزوری پیدا نہ ہونے دے گا۔

وہ خدا جس نے ان مسلمانوں کی امداد کی اُس وقت جب یہ بے کس اور بے بس تھے کوئی مدد کرنے والا نہ تھا اور اُن کی حفاظت کی جب وہ کم تھے وہ اب بھی موجود ہے اور اُس کے لیے فنا نہیں ہے (لہٰذا یہ تو سمجھنا ہی نہ چاہئے کہ اگر آپ نہ ہوئے تو اسلام کو شوکت حاصل ہی نہیں ہوسکتی) اُس کے بعد آپؑ حضرت عمر کی روانگی سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ آپ اگر دشمن کی طرف بنفس نفیس تشریف لے گئے اور دشمن کا سامنا ہوا اور اُس وقت (خدانخواستہ) آپ کو میدان جنگ سے ہٹنا پڑا یا (نصیب دشمناں) شکست ہوئی تو (افسر کے قدم اُٹھ جانے کے بعد) پھر مسلمانوں کا کوئی مرکز اُس دور و دراز ملک میں نہ ہوگا اور آپ کے (شکست کھانے کے) بعد کوئی ایسا نہ رہے گا جس کی طرف وہ رجوع کریں۔

اس وقت تو یہ ہے کہ شاہی مرکز مدینہ میں موجود ہے اور اگر ایک افسر فوج کو شکست ہوئی اور لشکر کے قدم اُٹھے تو افواج منظم طریقہ سے واپس آئیں گے اور دوسرا بہادر افسر بھیجا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر بادشاہ خلیفۃ المسلمین کو شکست ہوئی تو پھر اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں باقی رہتی، اس صورت میں یقیناً مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوجائے گا اور وہ آندھی میں اڑتے ہوئے پتوں کی طرح پراگندہ ہوجائیں گے۔

اس کے بعد حضرتؑ صورت حال کے متعلق اپنی ذاتی رائے پیش فرماتے ہیں کہ" بہتر ہے آپ اُن کی جانب ایک ایسے شخص کو روانہ فرمائیں جسے لڑائی کا تجربہ ہو اور اُس کے ساتھ ایسے افراد کو بھیجیے جو لڑائی کی سختیوں کو برداشت کر سکیں اور اسلام کے خیر خواہ ہوں لشکر اور سردار لشکر کے یہ اوصاف و قیود حضرت علی علیہ السلام کے نقطۂ نظر کو بہت روشن طریقہ سے واضح کرتے ہیں۔"

اس صورت میں اگر خداوند عالم نے کامیابی عطا فرمائی تو کیا کہنا اور اگر پھر بھی شکست ہوئی تو آپ تو ہیں ہی وہ فوج آپ کے پاس پلٹ کر واپس آئے گی اور آپ دوسری فوج روانہ کر سکیں گے۔

یہ تھا مشورہ جو حضرتؑ نے دیا اور حقیقتاً مشورہ ایسا تھا جسے حضرت عمر کے دل نے قبول کر لیا اور انہوں نے جنگ میں جانے کے خیال کو ترک کر دیا۔

دوسرا مشورہ غزوۂ فارس کے متعلق:

جب سرداران لشکر وغیرہ نے پھر حضرت عمر کو پریشان کیا اور یہ کہا کہ اگر آپ جنگ میں چلے جائیں تو سب کام بن جائیں اس لیے کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، مسلمانوں کا لشکر کم ہے۔ اگر آپ کہیں قدم اُٹھائیں اور چل کھڑے ہوں تو قبائل عرب میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ جائے گی کہ بادشاہ سلامت خود جنگ کے لیے تشریف لے جارہے ہیں اور اس طرح تمام اطراف و جوانب سے مور و ملخ کی طرح لشکر سمٹ آئے گا۔ حضرت عمر ان لوگوں کے اصرار سے پھر پریشان ہوئے اور وہی پہلا نسخہ عمل میں لائے کہ حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ لیں اور جب آپ اختلاف کریں تو یہی آپ کے جنگ سے باز رہنے کی سند قرار پائے۔ اس موقع پر بھی کوئی تازہ امر نہ تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں تمام وہی پہلو موجود تھے جو گزشتہ مشورہ میں آپؑ کے سامنے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت عمر سے جنگ میں تشریف لے جانے پر اصرار کرنے والوں کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرتؑ نے جو

خیالات ظاہر فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

اس امر یعنی اسلام کی فتح ونصرت یا شکست و ہزیمت، کثرت وقلت پر موقوف نہیں رہی ہے، یہ تو خدا کا دین ہے کہ جس کو اُس نے غالب کیا اور اُسی کی فوج ہے جس کی اُس نے امداد کی یہاں تک کہ وہ پہنچی کامیابی کے اُس درجہ تک کہ جہاں تک پہنچی اور ہم سے خداوند عالم کی جانب سے وعدہ ہو چکا ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا ضرور کرے گا اور اپنے لشکر کی امداد کرے گا۔

امور انتظامی کے ساتھ قائم یعنی خلافت مسلمین کے ذمہ دار شخص کی حیثیت وہ ہوتی ہے جو رشتۂ قلادہ کو موتیوں کی نسبت حاصل ہے کہ یہ اُن کی شیرازہ بندی کرتا اور اُن کی جمع آوری رکھتا ہے، اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو موتی بکھر جائیں گے اور تتر بتر ہو جائیں گے اور کبھی اُن کا اجتماع نہ ہو سکے گا۔ یہ حضرتؑ نے ایک کلیہ کی صورت سے ارشاد فرمایا ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ بالخصوص نہیں نکالا جا سکتا کہ "حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عمر کی ذات والا صفات کو مسلمانوں کا مایۂ نظام فرمایا اور فرمایا کہ یہ نظام آپ کے بعد قیامت تک پھر کبھی نہ ہوگا اس لیے کہ آپ قیم بالامر ہیں۔" یہ نتیجہ تو جب نکلتا جب حضرت خصوصیت کے ساتھ فرماتے کہ آپ کی مثال وہ ہے جو رشتہ کو موتیوں کے ساتھ ہوتی ہے بیشک کلیتاً ایسا ہی ہے کہ ہر بادشاہ اپنے زیر حکومت رعایا کے لیے باعث انتظام وشیرازہ بندی ہوتا ہے اور اگر وہ ہٹ جائے تو شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اور جب تک پھر کوئی بحیثیت بادشاہ اُس شیرازہ کو مجتمع نہ کرے وہ مجتمع نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد حضرتؑ اس خیال کو رد کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں کم ہے فرماتے ہیں کہ عربوں کی تعداد (بمقابلہ اپنے مخالفین کے اگرچہ کم ہے لیکن وہ زیادہ تعداد کے ہموزن ہے)۔

اسلام کے سبب سے اور اُن کے لیے عزت حاصل ہے اُن کے اجتماع کے سبب سے

آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی جگہ پر قطب کی طرح قائم رہیں اور عربوں کو چکی کی طرح یہیں سے بیٹھے بیٹھے گردش دیں اور انہی کو آتش حرب میں ڈالیں اس لیے کہ اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو یہ تو ہوگا (جیسا کہ اُن لوگوں کا خیال ہے) کہ چاروں طرف سے عرب ٹوٹ پڑیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی بلاد خالی ہو جائیں اور آپ کو ان مقامات کا خیال جن کو آپ بے حفاظت چھوڑتے ہیں زیادہ اہم معلوم ہونے لگے اور پھر خاص بات تو یہ ہے کہ عجم آپ کو میدان جنگ میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ شخص عرب کی جڑ ہے اگر اس کو کاٹ ڈالو گے تو راحت پا جاؤ گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آپ پر شدت سے حملہ کریں گے اور پوری نظر اُن کی آپ پر ہوگی۔ (ایک بہادر کے جوش و ولولہ کے لیے یہ الفاظ تازیانہ کا کام کر سکتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر محتاط تھے حضرت علی علیہ السلام نے جو یہ پہلو پیش نظر کر دیا تو آپ نے خود جنگ میں جانے کے خیال کو ترک فرما دیا)۔

باقی رہا یہ جو آپ نے ذکر کیا کہ فوج عجم مسلمانوں کے قتال کے لیے روانہ ہو چکی ہے تو اللہ سبحانہ کو اُن کی یہ روانگی آپ سے زیادہ ناپسند ہے اور وہ جس چیز کو ناپسند کرے اُس کے بدل دینے پر قادر ہے اور جو آپ نے اُن کی کثرت بیان کی تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ زمانۂ گزشتہ میں اپنی کثرت کے برتے پر جنگ نہ کرتے تھے بلکہ خدا کی مدد پر بھروسا کر کے لڑتے تھے۔ (طرز کلام سے ظاہر ہے کہ یہ حقائق الٰہیہ مخاطب کے پیش نظر نہیں ہیں اور حضرت علی علیہ السلام اُن کے اوپر خاص طور سے توجہ دلا رہے ہیں)

یہ مشورے خالص انسانی ہمدردی اور اسلامی مفاد کے لحاظ سے تھے جن میں ذاتی دوستی دشمنی کا سوال بلند خیال اور تنگ نظری سے علیحدہ افراد کے یہاں پیدا ہی نہیں ہوتا۔

اسی طرح مسائل شرعیہ میں امداد لینے کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کا مسائل سے مطلع کر دینا اور احکام شرعیہ کا بتلا دینا یا قضایا کا فیصلہ کر دینا یہ تمام باتیں اسی نوعیت سے تعلق رکھتی ہیں۔

کیا اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام ایسی پاک نفس و پاکباز بلکہ معلم انسانیت ہستی سے یہ

توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اگر کسی سے دشمنی یا اختلاف خیال رکھتے ہوں تو اس دشمنی کی بناء پر مشورہ کے موقع پر غلط رائے دیں۔ مسائل شرعیہ غلط بتلائیں اور قضایا کا فیصلہ کچھ کا کچھ کردیں۔

پھر اگر یہ حضرتؑ کے تقویٰ وطہارت اور قدس وحقانیت کے خلاف امر ہے تو اس مشورہ کے دینے، مسائل کے بتلانے اور قضایا کے صحیح طور سے فیصلہ کر دینے کو اس امر کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا کہ حضرتؑ کو کوئی ذاتی اختلاف نہ تھا اور وہ حضرت عمر کو انتہائی دوست رکھتے تھے۔

فرض شناسی اور ذمہ داری کا احساس اور دیانت و امانتداری وہ چیز ہے جس میں دوست ودشمن کی تفریق باقی نہیں رہتی، تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ رسالتمآبؐ کفار قریش کے امانتدار تھے یعنی وہ لوگ آپؐ کے پاس امانتیں رکھواتے تھے اور حضرت اُن کی اس طرح حفاظت کرتے تھے کہ حضرتؐ کو امین کا لقب مل گیا تھا۔ یہ سلسلہ بعثت کے ہوتے ہی ختم نہیں ہوگیا بلکہ بعد بعثت ہجرت کے موقع تک کفار قریش کی امانتیں آپؐ کے پاس موجود تھیں اور حضرتؐ نے اُن امانتوں کی حفاظت کا اتنا اہتمام کیا کہ اپنے عزیز ترین بھائی علی بن ابیطالب علیہ السلام کو انہی امانتوں کے ادا کرنے کے لیے انتہائی خطرہ کے اندر مکہ معظمہ میں چھوڑ کر ہجرت فرمائی۔

کیا میں دنیائے اسلام سے دریافت کرسکتا ہوں کہ حضرت رسولؐ کفار قریش سے کوئی محبت والفت رکھتے تھے یا اختلاف؟ پہلے جزو کی نفی آیہ قرآنی سے ہوجاتی ہے کہ

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾[1]

مومن اور کافر میں دوستی ناممکن ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ حضرتؐ کو کفار قریش سے محبت نہ تھی بلکہ اختلاف تھا۔ پھر اُن کی امانتوں کی

[1] سورۂ مجادلہ، آیہ ۲۲

حفاظت میں اتنا اہتمام! اس کے کیا معنی؟ یہ وہی فرض شناسی اور دیانت و امانت کا لحاظ تھا جس میں محبت و عداوت کے سوال کا موقع ہی نہیں۔

اگر حضرت رسولؐ کا کفار قریش کی امانتیں اپنے پاس رکھنا اور ان کی حفاظت میں انتہائی اہتمام فرمانا اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ آپؐ اُن سے کوئی ذاتی اختلافات نہ رکھتے تھے تو ان کے وصی و جانشین حضرت علی علیہ السلام کا بھی اپنے مخالفین کے لیے مشورہ دینے، مسائل بتلانے، قضایا کا فیصلہ کرنے میں امانت و دیانت داری کے فرض کو ملحوظ رکھنا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ آپؑ اُن سے کوئی ذاتی اختلاف نہ رکھتے تھے۔

خلیفہ سوم سے تخاطب

نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۳۲۲ سے امیر المومنین علیہ السلام کا وہ مخاطبہ پیش کیا جاتا ہے جو آپؑ نے حضرت عثمان سے اُس وقت کیا ہے جب لوگوں نے اُن کے خلاف شورش برپا کی ہے اور جناب امیرؑ سے آ کر ان کے شکایات پیش کئے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ انتہائی مظالم ہو رہے تھے اور اسلامی ممالک میں ایک بد نظمی کا دور دورہ تھا، بڑے بڑے صحابہ کی زد و کوب ہوتی تھی، اموال غنیمت اپنے عزیزوں کو تقسیم کر دئے جاتے تھے اور دوسرے مسلمان محروم رہتے تھے۔

یہی تمام باتیں تھیں جنہیں امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا اور یہ خواہش کی گئی کہ آپؑ عثمان کو جا کر سمجھائیے۔ یہ موقع ہے کہ آپؑ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور حسب ذیل الفاظ میں ہدایت شروع کی۔

وَاللّٰهِ مَآ اَدْرِیْ مَآ اَقُوْلُ لَكَ! مَآ اَعْرِفُ شَيْئًا تَجْهَلُهٗ، وَ لَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَمْرٍ لَّا تَعْرِفُهٗ، اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ، مَا سَبَقْنَاكَ اِلٰى شَيْءٍ فَنُخْبِرَكَ عَنْهُ، وَ لَا خَلَوْنَا بِشَيْءٍ

فَنُبَلِّغَکَهُ. وَ قَدْ رَاَیْتَ کَمَا رَاَیْنَا. وَ سَمِعْتَ کَمَا سَمِعْنَا. وَ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَمَا صَحِبْنَا.

خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کیا کہوں، کوئی نئی بات ایسی نہیں ہے جو مجھے معلوم ہو اور تمہیں معلوم نہ ہو اور نہ کوئی ایسی اطلاع مجھے ہے جو تمہیں حاصل نہ ہو۔ تم سے پہلے مجھے کسی حالت کی ایسی خبر نہیں پہنچی ہے جس کی تمہیں اطلاع دوں اور نہ ہمیں تنہا کوئی بات پہنچی ہے جو تم کو پہنچائی جائے حالانکہ تم نے بھی (سیرت رسولؐ کو) دیکھا ہے جس طرح ہم نے دیکھا ہے اور (اقوال رسولؐ کو) سنا ہے جس طرح ہم نے سنا ہے اور ہماری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بھی اُٹھائی ہے۔

وَ مَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ وَ لَا ابْنُ الْخَطَّابِ بِاَوْلٰی بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْکَ. وَ اَنْتَ اَقْرَبُ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَشِیْجَةَ رَحِمٍ مِنْهُمَا. وَ قَدْ نِلْتَ مِنْ صِهْرِهٖ مَا لَمْ یَنَالَا.

اور ابوبکر اور عمر حق پر عمل کرنے کے کچھ تم سے زیادہ حق دار نہ تھے۔ حالانکہ تمہارا رشتہ قرابت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُن سے زیادہ ہے۔ اور جس طرح کی دامادی تم کو حاصل ہے وہ اُنہیں حاصل نہ تھی۔

فَاللهَ اللهَ فِیْ نَفْسِکَ! فَاِنَّکَ۔ وَاللهِ۔ مَا تُبَصَّرُ مِنْ عَمًی، وَ لَا تُعَلَّمُ مِنْ جَهْلٍ، وَ اِنَّ الطُّرُقَ لَوَاضِحَةٌ، وَ اِنَّ اَعْلَامَ الدِّیْنِ لَقَآئِمَةٌ.

پس خدا سے ڈرو۔ خدا سے ڈرو اپنے بارے میں۔ بخدا تم اندھے

پن سے آنکھیں نہیں کھولتے اور جہالت کے بدلے علم سے کام نہیں لیتے حالانکہ راستے روشن ہیں اور دینی تعلیمات بالکل ظاہر ہیں۔

فَاعْلَمْ اَنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللهِ عِنْدَ اللهِ اِمَامٌ عَادِلٌ، هُدِیَ وَ هَدٰی، فَاَقَامَ سُنَّةً مَعْلُوْمَةً، وَ اَمَاتَ بِدْعَةً مَجْهُوْلَةً، وَ اِنَّ السُّنَنَ لَنَیِّرَةٌ لَّهَآ اَعْلَامٌ، وَ اِنَّ الْبِدَعَ لَظَاهِرَةٌ لَهَآ اَعْلَامٌ، وَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ اِمَامٌ جَآئِرٌ ضَلَّ وَ ضُلَّ بِهٖ، فَاَمَاتَ سُنَّةً مَّاْخُوْذَةً، وَ اَحْيَا بِدْعَةً مَّتْرُوْكَةً.

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمام بندگان خدا میں سب سے بہتر وہ عادل حاکم ہے جو ہدایت یافتہ ہو اور اُس سے ہدایت حاصل کی جائے۔ وہ سنت کو قائم کرے اور بدعت کو فنا کرے۔ اور خدا کی سنتیں بالکل روشن ہیں اُن پر نشانیاں موجود ہیں اور بدعتیں بھی بالکل ظاہر ہیں اُن پر بھی نشانیاں ہیں اور بدترین خلق وہ ظالم حاکم ہے جو خود بھی گمراہ ہو اور لوگ بھی اُس کے ہاتھوں گمراہی میں مبتلا ہوں وہ اُس سنت کو جو رسولؐ سے حاصل ہوئی ہے مردہ کرے اور ایسی بدعت کو جواب تک جاری نہیں ہے قائم کرے۔

وَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ یَقُوْلُ: ''یُؤْتٰی یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِالْاِمَامِ الْجَآئِرِ وَ لَیْسَ مَعَهٗ نَصِیْرٌ وَّ لَا عَاذِرٌ، فَیُلْقٰی فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ، فَیَدُوْرُ فِیْهَا كَمَا تَدُوْرُ الرَّحٰی، ثُمَّ یَرْتَبِطُ فِیْ قَعْرِهَا''۔

اور میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ روز قیامت ظالم حاکم کو لایا جائے گا اس طرح کہ اُس کا کوئی فریادرس اور مددگار نہ ہوگا وہ آتش جہنم

میں ڈال دیا جائے گا تو اس میں چکر کھائے گا جس طرح چکی گھوتی ہے۔

پھر جہنم کی تہہ میں بیٹھ جائے گا۔[نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۱۶۲، ص۳۵۶]

اس میں مخالف کی جانب سے ابتدائی فقرات اپنے مفید مطلب سمجھ کر نقل کیے گئے ہیں۔ چونکہ حکمت و موعظۂ حسنہ کے اصول پر اُن کا طرز ادا خوش گوار تھا اور آخری فقرات جن میں نصیحت کے الفاظ ہیں رفتہ رفتہ تلخی اور تیزی پیدا ہوئی تھی اور جس کا خاتمہ آتش جہنم کے تذکرہ پر ہوا تھا، انہیں اپنے مسلک اور مقصد کے خلاف چھوڑ کر ترک کیا گیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ شرعی احکام کی ذمہ داریاں اُسی وقت عائد ہوتی ہیں جب انسان کو اُن کا علم بھی حاصل ہو۔ ناواقفیت میں جو امور انجام پاتے ہیں اُن میں جرم بہت سبک ہوتا ہے اور اس لیے الزام میں کوئی وزن بھی نہیں ہوتا۔

عثمان جو کچھ کرتے تھے" دیدہ و دانستہ" کرتے تھے۔ اس کے اظہار کی تمہید ہے وہ جسے آج انتہائی فضیلت سمجھ کر ذکر کیا جارہا ہے۔

کون سی بات ہے جو تم کو معلوم نہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو ہم نے دیکھا ہے تم نے نہیں دیکھا؟ کیا مسلمانوں کے حقوق اور نیز اصول مساوات کے متعلق رسولؐ کے تعلیمات کو ہم نے سنا ہے تم نے نہیں سنا؟ پھر آخر اُن تعلیمات سے چشم پوشی کیوں؟ ان ہدایات پر عمل کرنے میں یہ کوتاہی کس لیے؟

معلوم ہوتا ہے کہ اس علم اور اطلاع سے مراد اُن باتوں پر اطلاع ہے جو موجودہ حالات میں حضرت عثمان پر اتمام حجت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو محل و موقع سے وابستہ ہوسکتی ہے۔

اس کو دیگر تمام علوم و کمالات یا معرفت باری تعالیٰ یا مسائل فقہیہ کی واقفیت وغیرہ سے کیا تعلق؟ جس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ حضرت عثمان بس بالکل جناب امیرؑ کے مساوی تھے اور کوئی فرق نہ تھا۔

آخر اس تمام علم ومعرفت کے باوجود اس کے معنی پھر کیا ہو سکتے ہیں کہ

اِنَّکَ لَا تُبْصَرُ مِنْ عَمًی، وَ لَا تُعَلَّمُ مِنْ جَھْلٍ۔

تم اندھے ہو رہے ہو اور آنکھیں نہیں کھولتے، جہالت میں مبتلا ہو اور علم سے کام نہیں لیتے۔ [نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۱۶۲، ص ۴۵۷]

صحبت رسولؐ کے حصول سے صرف یہ مقصود ہے کہ اُس درجہ تک جس کی تمہیں اپنے عمل میں لاج رکھنا چاہئے۔ تم کو یہ شرف بھی حاصل ہے۔ نہ یہ کہ وقت زمانہ اور مقدار کے اعتبار سے وہ صحبت بالکل اُس صحبت کے برابر ہی ہے جو امیر المومنین علیہ السلام اور آپؑ کے بعد دوسرے سابقین اسلام کو حاصل تھی۔ یہ تو واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

یہ معنی کیسے قرار دیے جا سکتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے تو امیر المومنین علیہ السلام الزام اور جرم کو سنگین بنا رہے ہیں۔ اسی لیے اس کلام کے آخر میں آپؑ نے فرمایا ہے:

فَلَا تَکُوْنَنَّ لِمَرْوَانَ سَیِّقَۃً یَسُوْقُكَ حَیْثُ شَآءَ بَعْدَ جَلَالِ السِّنِّ وَ تَقَضِّی الْعُمُرِ۔

مروان کے ہاتھ میں بالکل بھیڑ بکری کی طرح نہ بنو کہ جدھر چاہے وہ تمہیں لے جائے جبکہ تم سن رسیدہ ہو گئے ہو اور عمر گزر گئی ہے۔

[نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۱۶۲، ص ۴۵۸]

"دامادی" کی لفظ پر بڑا زور دیا جاتا ہے حالانکہ جو شیعی علماء اس امر کے منکر ہیں کہ رسول اللہؐ کی صلبی بیٹیاں حضرت عثمان کو منسوب تھیں وہ بھی کہتے ہیں کہ وہ حضرتؐ کی ربیبہ تھیں یعنی جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ آئی تھیں اور حضرتؐ کی پرورش میں رہی تھیں اس لیے آپؐ کی بیٹیاں کہلاتی تھیں پھر جس طرح کی وہ رسولؐ کی بیٹیاں تھیں اُسی طرح کے حضرت عثمان داماد بھی سمجھے جا سکتے تھے۔ مگر حضرات شیخین کو اس طرح کی بھی بات حاصل نہ

تھی۔اس لیے اس امر پر آپؑ نے موازنہ عثمان اور حضرت ابوبکر و عمر میں فرمایا ہے۔ یہاں آپؑ اپنی ذات کو بالکل معرض بحث میں نہیں لائے ہیں۔اس لیے کہ آپؑ اپنی دامادی کی شان میں منفرد تھے۔ پھر اس پر اتنا زور دینے سے حاصل کیا ہے جبکہ وہ کوئی مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی بحث ہے۔

اگر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی بیٹیاں بھی فرض کر لی جائیں تو کیا نتیجہ نکل سکتا ہے جبکہ وہ جناب عثمان سے پہلے دو صریحی کافروں کو منسوب ہو چکی تھیں۔رہ گیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جناب عثمان کامل الایمان تھے۔اس میں کوئی کامیابی حاصل ہونا مشکل ہے اس لیے کہ عقد نکاح کی صحت میں شرعاً ظاہری اسلام کافی ہے۔

سب سے زیادہ اس کلام میں قابل لحاظ وہ جزو ہے جس میں ظالم حاکم کی پاداش ذکر کی گئی ہے اور عثمان کو متنبہ کیا گیا ہے۔

اُس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ مخاطب کے طرز عمل کو ظالمانہ قرار دے رہے ہیں۔ نیز ظالم کے لیے اس وعید کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وعید سے کوئی جماعت مستثنیٰ نہیں ہے اور نہ کسی فرد کو اس سے علیحدگی کا پروانہ ملا ہے ورنہ حضرت عثمان کے مقابلہ میں اس وعید کو ذکر کرنے کا کوئی حاصل نہ تھا اور کم از کم حضرت عثمان ہی جواب میں اپنے اُس پروانۂ نجات کا ذکر کر دیتے۔ پھر اگر حضرت عثمان اس کے بعد اپنے سابقہ طرز عمل سے علیحدہ نظر آئیں تب تو ٹھیک ہے ورنہ حضرت علی علیہ السلام کے عقیدہ اور قول کے مطابق وہ پیغام جو آپؑ نے رسولؐ کی زبانی نقل کیا ہے حضرت عثمان کے لیے خوش اعتقادی کی دنیا کو بالکل ویران کر دیتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ اس تقریر کے جواب میں جناب عثمان نے بہت عاجزی کے ساتھ اپنے مظالم کا اقرار کیا اور کہا کہ "آپ ان لوگوں سے کچھ مہلت حاصل کر لیجئے تو میں ان کے مظالم کا تدارک کر دوں گا۔"

مگر یہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمان نے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا اور آپ آخر تک اپنے طرز عمل پر قائم رہے۔ اس کے بعد دنیا کو اختیار ہے کہ وہ جناب امیرؑ کے مذکورہ بیانات کے ماتحت جن پر حضرت عثمان کے اعتراف کی مہر بھی ہو چکی ہے جو رائے چاہے قائم کرے۔

معاویہ واہل شام کی نسبت آپؑ کے آراء واقوال

(۱) نہج البلاغہ جلد ا ص ۲۱۱۔

اَنْظُرُ اِلٰى ضَلِّيْلٍ قَدْ نَعَقَ بِالشَّامِ. وَ فَحَصَ بِرَايَاتِهٖ فِيْ ضَوَاحِيْ كُوْفَانَ۔

میں ایک انتہائی گمراہ شخص کو دیکھ رہا ہوں کہ اس نے شام میں آواز بلند کی ہے اور کوفہ کے بیرونی اطراف میں اپنے جھنڈوں کو گاڑ دیا ہے۔

[نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۱۳۶ اص ۴۰۰]

اس میں آپؑ نے امیر شام کو ایک انتہائی "گمراہ شخص" کی لفظ سے یاد کیا ہے۔

(۲) جلد دوم، ص ۸۔۷۔ میں آپؑ نے خود معاویہ کو اُن کے خط کے جواب میں لکھا ہے:

نَمَّقْتَهَا بِضَلَالِكَ. وَ اَمْضَيْتَهَا بِسُوْٓءِ رَاْيِكَ. وَ كِتَابُ امْرِئٍ لَّيْسَ لَهٗ بَصَرٌ يَّهْدِيْهِ وَ لَا قَآئِدٌ يُّرْشِدُهٗ. قَدْ دَعَاهُ الْهَوٰى فَاَجَابَهٗ. وَ قَادَهُ الضَّلَالُ فَاتَّبَعَهٗ۔

تم نے اس خط کو اپنی گمراہی سے لکھا ہے اور اپنی غلطی سے روانہ کیا ہیں وہ ایک ایسے شخص کا خط ہے جس کے قوت بینائی موجود ہی نہیں کہ وہ اس کی ہدایت کرے اور نہ کوئی رہنما موجود ہے جو اسے راستہ بتلائے، صرف خواہش نفس کی دعوت پہ وہ آمادہ ہوا ہے اور گمراہی

نے اُس کو کھینچا ہے جس پر وہ چل کھڑا ہوا ہے۔

[نہج البلاغہ، مرکز افکار، مکتوب ۷، ص ۲۶۷]

(۳) ج ۲، ص ۲۴ میں ہے

وَ اِنِّیْ مِنْ ضَلَالِهِمُ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ، وَ الْهُدَی الَّذِیْ اَنَا عَلَیْهِ، لَعَلٰی بَصِیْرَةٍ مِّنْ نَّفْسِیْ، وَ یَقِیْنٍ مِّنْ رَّبِّیْ،

میں ان لوگوں کی اس گمراہی سے جن میں وہ مبتلا ہیں اور اس ہدایت سے جس پر میں قائم ہوں پورے طور مطمئن ہوں اور اپنے خدا کی جانب سے یقین کے درجہ پر فائز ہوں۔

[نہج البلاغہ، مرکز افکار، مکتوب ۶۲، ص ۸۰۰]

(۴) جلد اول ص ۱۰۹ میں آپؑ نے فرمایا ہے:۔

اَلَا وَ اِنَّ مُعَاوِیَةَ قَادَ لُمَةً مِّنَ الْغُوَاةِ، وَ عَمَّسَ عَلَیْهِمُ الْخَبَرَ، حَتّٰی جَعَلُوْا نُحُوْرَهُمْ اَغْرَاضَ الْمَنِیَّةِ۔

آگاہ ہو کہ معاویہ نے گمراہ لوگوں کی ایک جماعت کو کھینچ کر میدان جنگ میں بلایا ہے اور حقیقت حال کو اُن پر مخفی رکھا ہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے سینوں کو موت کا نشانہ بنادیا ہے۔

[نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۵۱، ص ۲۲۱]

(۵) ص ۱۱۷۔

لَا تَقْتُلُوا الْخَوَارِجَ بَعْدِیْ، فَلَیْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَاَخْطَاَهٗ کَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَاَدْرَکَهٗ. (یَعْنِیْ مُعَاوِیَةَ وَ اَصْحَابَهٗ)۔

خوارج کے قتل کے میرے بعد درپے نہ ہونا کیونکہ وہ شخص جو حق کا

طالب ہو لیکن غلطی کر جائے اُس کے مثل نہیں ہے جو باطل کو طلب کرے اور اُسے پا بھی جائے (اس سے مقصود آپ کا معاویہ اور اس کے ساتھی ہیں)۔ [نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۵۹، ص ۲۳۱]

اس عبارت میں آپؑ نے ان لوگوں کو خوارج سے بدتر بتلایا ہے۔ چنانچہ شیخ محمد عبدہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے:

فَالْخَوَارِجُ عَلٰی مَا بِهِمْ اَحْسَنُ حَالًا مِنْهُمْ۔

خوارج اپنی گمراہی کے باوجود ان سے بہتر حالت رکھتے ہیں۔

(۶) جلد ۲ صفحہ ۱۷۔

مَآ اَسْلَمُوْا وَ لٰكِنِ اسْتَسْلَمُوْا وَ اَسَرُّوا الْكُفْرَ، فَلَمَّا وَجَدُوْٓا اَعْوَانًا عَلَيْهِ اَظْهَرُوْهُ۔

یہ لوگ اسلام نہیں لائے بلکہ ظاہری طور پر تابع اسلام ہو گئے تھے اور کفر کو پوشیدہ کر لیا تھا اب جبکہ اُن کو مددگار مل گئے اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے تو اُسی دشمنیٔ اسلام کے جذبہ کو ظاہر کر دیا۔

[نہج البلاغہ، مرکز افکار، مکتوب ۱۶، ص ۶۸۱]

تعجب ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ان تصریحات کی موجودگی میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپؑ معاویہ اور اُن کے ساتھیوں کو مومن کامل سمجھتے تھے اور اس کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں آپؑ کے الفاظ جو آپؑ نے گشتی فرمان کی صورت سے جنگ صفین کے بعد امراء مما لک کو لکھ کر بھیجے تھے اور جس میں جنگ صفین کی روئداد سے اُنہیں مطلع کیا گیا تھا۔

جلد ۲ ص ۱۱۸۔

وَ كَانَ بَدْءُ اَمْرِنَآ اَنَّا الْتَقَيْنَا وَ الْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ، وَ الظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ، وَ نَبِيَّنَا وَاحِدٌ، وَ دَعْوَتَنَا فِي

الْاِسْلَامِ وَاحِدَةٌ. لَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللهِ. وَ التَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ، وَ لَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا. اَلْاَمْرُ وَاحِدٌ. اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ. وَ نَحْنُ مِنْهُ بَرَآءٌ۔

ابتدائی حالات یہ ہیں کہ ہم سے اور شام والوں کی ایک جماعت سے مقابلہ ہوا اس صورت میں کہ ظاہری طور پر ہمارا خدا ایک تھا۔ ہمارا نبی ایک تھا۔ اور اسلام میں ہماری آواز ایک تھی اور خدا ورسولؐ پر ایمان کے بارے میں نہ ہم اُن سے زیادتی کے طالب تھے اور نہ وہ ہم سے۔ سب باتوں میں اتفاق تھا مگر بس وہ جو ہمارے درمیان عثمان کے خون میں اختلاف ہو گیا تھا اور واقعہ یہ تھا کہ ہم اس سے بالکل بری تھے۔[نہج البلاغہ، مرکز افکار، مکتوب ۵۸، ص ۷۹۶]

اس میں "الظَّاهِرُ" کی لفظ سے بالکل ظاہر ہے کہ یہ اتحاد ایمان باللہ اور تصدیق رسولؐ وغیرہ صرف ظاہری حیثیت سے تھا۔ باطن اس کے سوا کچھ اور تھا اور یہی وہ ہے جس کی تفصیل اس کے پہلے والے کلام میں موجود ہے۔ پھر آخر اس کو ان لوگوں کے واقعی ایمان سے کیا واسطہ؟

عصمت

کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اپنے معصوم ہونے کی نفی کی ہے۔ اس کے لیے نہج البلاغہ جلد ۱، ص ۴۶۳ سے جس عبارت کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے:

فَاِنِّيْ لَسْتُ فِيْ نَفْسِيْ بِفَوْقِ اَنْ اُخْطِئَ. وَ لَا آمَنُ ذٰلِكَ مِنْ فِعْلِيْ. اِلَّا اَنْ يَكْفِيَ اللهُ مِنْ نَفْسِيْ مَا هُوَ اَمْلَكُ بِهٖ مِنِّيْ۔

میں اپنے نفس کے لحاظ سے اس سے بالاتر نہیں ہوں کہ غلطی کروں
اور نہ مجھے اپنے فعل سے اس کا اطمینان ہوسکتا ہے۔ مگر یہ کہ خدا
میرے نفسانی تقاضے کو میرے قابو میں رکھے جس پر وہ مجھ سے زیادہ
قادر ہے۔[نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۲۱۴، ص ۶۱۹]

اس کے آخری فقرہ کو نظر انداز کر کے پہلے ٹکڑے سے مطلب نکالا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ نفسانی خواہشیں ایک معصوم میں بھی پائی جاتی ہیں مگر جبکہ "عصمت" ایک خداوندی لطف ہے تو آخری جزو میں جو استثنا کیا گیا ہے وہی عصمت کی طرف اشارہ کا حامل ہوسکتا ہے۔ جو لوگ اس سے امیر المومنین علیہ السلام کی عصمت کے خلاف استدلال پیش کر سکتے ہیں وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یقیناً عصمت کے حدود سے خارج سمجھ چکے ہیں اُن کے ان الفاظ سے جو قرآن میں درج ہیں۔

﴿وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ﴾

میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ نفس تو برائیوں کی تحریک کرتا ہی ہے مگر یہ کہ خدا کا رحم شامل حال ہو۔[1]

حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ حضرت علی بن ابیطالب علیہما السلام کی لفظوں سے زیادہ نفس کے مجرمانہ تقاضے کا اظہار کرتے ہیں مگر وہاں ﴿اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ﴾ کے الفاظ میں جو استثنیٰ ہے وہ ہی امیر المومنین علیہ السلام کے کلام میں (اِلَّآ اَنۡ یَّکۡفِیَ اللّٰہُ الخ) کے الفاظ میں موجود ہے۔ نبی اور امام کا لب ولہجہ اس مقام پر بالکل متحد ہے۔ اور اُس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور رسول اللہؐ کے یہ الفاظ بھی قرآن میں موجود ہیں کہ: ﴿مَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ﴾ پہلے ٹکڑے سے لوگ یہی سمجھیں گے کہ آپ کو کوئی امتیاز عام افراد انسانی سے ہے ہی نہیں مگر

[1] سورہ یوسف، آیہ ۵۳

﴿يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ سے اُس خصوصیت کی طرف اشارہ ہے جو آپؐ کو خدا کی جانب سے حاصل ہے۔
امیرالمومنین علیہ السلام کا درجہ اور خصوصیت کس حد پر تھی اس کو ملاحظہ کیجئے اس خطبہ میں :۔
جلداول، ص ۴۱۶۔

وَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ، وَ الْمَنْزِلَةِ الْخَصِيْصَةِ: وَضَعَنِيْ فِيْ حِجْرِهٖ وَ اَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِيْ اِلٰى صَدْرِهٖ، وَ يَكْنُفُنِيْ فِيْ فِرَاشِهٖ، وَ يُمِسُّنِيْ جَسَدَهٗ، وَ يُشِمُّنِيْ عَرْفَهٗ. وَ كَانَ يَمْضَغُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيْهِ، وَ مَا وَجَدَ لِيْ كَذْبَةً فِيْ قَوْلٍ، وَ لَا خَطْلَةً فِيْ فِعْلٍ۔

تم کو معلوم ہے میرا درجہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قریبی قرابت اور مخصوص مرتبہ کی حیثیت سے حاصل ہے۔ آپؐ نے مجھ کو اپنی تربیت میں لیا اُس وقت جب میں بچہ تھا، آپؐ مجھ کو اپنے سینہ سے لگاتے تھے اور بچھونے پر اپنے پہلو میں سلاتے تھے اور مجھ سے اپنے جسد کو متصل کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے اور غذا چبا کر میرے منہ میں دیتے تھے اور آپؐ نے میرے اقوال میں کبھی کوئی غلط بیانی دیکھی اور نہ افعال میں کوئی لغزش۔

[نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۵۸]

یہ ہے عصمت کا اظہار جس کے قول و فعل میں رسولؐ کو خطا اور غلطی نظر نہ آئے وہ معصوم نہیں تو کیا ہے؟

ص ۴۱۷۔ وَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَنَّةَ الشَّيْطٰنِ حِيْنَ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَيْهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا هٰذِهِ الرَّنَّةُ؟

فَقَالَ: "هٰذَا الشَّيْطٰنُ قَدْ اَيِسَ مِنْ عِبَادَتِهٖ. اِنَّكَ تَسْمَعُ مَآ اَسْمَعُ. وَ تَرٰى مَآ اَرٰى. اِلَّآ اَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ. وَ لٰكِنَّكَ وَزِيْرٌ".

میں نے شیطان کی فریاد سنی اُس وقت جب حضرتؐ پر وحی نازل ہوئی تو میں نے کہا یا رسول اللہؐ یہ فریاد کیسی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ شیطان ہے جو آج اپنی پرستش سے مایوس ہو گیا۔ تم تو سنتے ہو وہ جو میں سنتا ہوں اور دیکھتے ہو وہ جو میں دیکھتا ہوں۔ مگر تم نبی نہیں ہو۔ بے شک وزیر ہو۔ [نہج البلاغہ، مرکز افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۵۹]

حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے مرتبہ سے ناشناس افراد یقیناً اس کو غلو سمجھیں گے مگر وہ ایک حقیقت ہے جسے امیر المومنین علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بیان کیا ہے۔

یہ امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے اقوال و تعلیمات تمام مسلمانوں کی واقفیت کے لیے پیش ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان اقوال پر غور کیا جائے تو مسلمانوں میں افتراق کی خلیجیں بہت کم ہو جائیں اور کم از کم وہ منافرت جو باہمی پائی جاتی ہے دور ہو جائے۔ کیونکہ یہ اس ہستی کے تعلیمات ہیں جو تمام مسلمانوں میں نقطۂ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے اور جسے کسی نہ کسی درجہ پر تمام مسلمان امام خلق اور پیشوائے مطلق تسلیم کرتے ہیں۔

والسلام

علی نقی النقوی عفی عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

نہج البلاغہ کا مقدمہ

ترجمہ مقدمہ علامہ مفتی جعفر حسین

فخر المحققین سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی اعلی اللہ مقامہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الۡاَنۡبِيَآءِ وَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَ اٰلِهِ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاهِرِيۡنَ

❁ نہج البلاغہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کلام کا وہ مشہور ترین مجموعہ ہے جسے جناب سید رضیؒ برادر شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مرتب فرمایا تھا۔ اس کے بعد پانچویں صدی کے پہلے عشرہ میں آپ کا انتقال ہو گیا ہے اور نہج البلاغہ کے انداز تحریر سے پتہ یہ چلتا ہے کہ انہوں نے طویل جستجو کے ساتھ درمیان میں خالی اوراق چھوڑ کر امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کو متفرق مقامات سے یکجا کیا تھا، جس میں ایک طویل مدت انہیں صرف ہوئی ہوگی اور اس میں اضافہ کا سلسلہ ان کے آخر عمر تک قائم رہا ہوگا۔ یہاں تک کہ بعض کلام جو کتاب کے یکجا ہونے کے بعد ملا ہے، اس کو تعجیل میں انہوں نے اس مقام کی تلاش کئے بغیر جہاں اسے درج ہونا چاہیے تھا، کسی اور مقام پر شامل کر دیا ہے اور وہاں پر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ کلام کسی اور روایت کے مطابق اس کے پہلے کہیں پر درج ہوا ہے۔ یہ اندازِ جمع و تالیف خود ایک غیر جانبدار شخص کیلئے یہ پتہ دینے کے واسطے کافی ہے کہ اس میں خود سید رضیؒ کے ملکہ انشاء اور قوت تحریر کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ انہوں نے صرف مختلف مقامات سے جمع آوری کر کے امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کو یکجا کر دینے پر اکتفا کی ہے۔ یہ پاشانی اور پریشانی جسے بحیثیت تالیف کے کتاب کا ایک نقص سمجھنا چاہیے، مقام اعتبار میں اس پر اعتماد پیدا کرنے والا ایک جوہر ہو گیا ہے۔ انہوں نے مختلف نسخوں اور مختلف راویوں کی یادداشت کے مطابق نقل الفاظ میں اتنی احتیاط کی ہے کہ بعض وقت

دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہو جاتا ہے کہ اس عبارت کے نقل کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا جبکہ ابھی ابھی ہم ایسی ہی عبارت پڑھ چکے ہیں۔ جیسے "ذم اہل بصرۃ" میں اس شہر کی غرقابی کے تذکرے میں اس کی مسجد کا نقشہ کھینچنے میں مختلف عبارات کبھی: "نَعَامَةٍ جَاثِمَةٍ" اور کبھی "كَجُؤْجُؤِ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ"[1] اور اس سے ملتے جلتے ہوئے اور الفاظ، یہ اسی طرح کا اہتمام صحت نقل میں ہے۔

جیسے موجودہ زمانہ میں اکثر کتابوں کی عکسی تصویر شائع کی جاتی ہے جس میں اغلاط کتابت تک کی اصلاح نہیں کی جاتی اور صرف حاشیہ پر لکھ دیا جاتا ہے کہ بظاہر یہ لفظ غلط ہے، صحیح اس طرح ہونا چاہیے۔ دیکھنے والے کا دل تو ایسے مقام پر یہ چاہتا ہے کہ اصل عبارت ہی میں غلط کو کاٹ کر صحیح لفظ لکھ دی گئی ہوتی، مگر صحت نقل کے اظہار کیلئے یہ صورت اختیار کی جایا کرتی ہے، جیسے قرآن مجید میں بعض جگہ تالیف عثمانی کے کاتب نے جو کتابت کی غلطیاں کردی تھیں جیسے "لَا اَذْبَحَنَّهٗ" میں "لَا" کے بعد ایک الف جو یقیناً غلط ہے، اس لئے کہ یہ "لائے نافیہ" نہیں، جس کے بعد "اَذْبَحَنَّهٗ" فعل آئے، بلکہ "لام تاکید" ہے جس سے "اَذْبَحَنَّهٗ" فعل متصل ہے، مگر اس قسم کے اغلاط کو بھی دور کرنا بعد کے مسلمانوں نے صحت نقل کے خلاف سمجھا۔ اسی طرح اِملائے قرآن گویا ایک تعبدی شکل سے معین ہو گیا۔ بعض جگہ "رحمۃ" کی "ت" لمبی لکھی جاتی ہے، بعض جگہ "جنٰت" بغیر الف کے لکھا جاتا ہے۔ بعض جگہ "یدعوٗ" ایسے فعل واحد میں بھی وہ "الف" لکھا ہوا ہے کہ جو جمع کے بعد غیر ملفوظی ہونے کے باوجود لکھا جایا کرتا ہے۔ ان سب خصوصیات کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے، جس سے مقصود وثاقتِ نقل میں قوت پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح علامہ سیّد رضیؒ نے جس شکل میں جو فقرہ دیکھا اس کو درج کرنا ضروری سمجھا تا کہ کسی قسم کا تصرف کلام میں ہونے نہ

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۳۔

پائے۔ یہ ایک درایتی پہلو ہے جو اس تصور کو بالکل ختم کر دیتا ہے کہ یہ کتاب سیّد رضیؒ رحمہ اللہ کی تصنیف کی حیثیت رکھتی ہو۔

❁ دوسرا پہلو خطبوں کے درمیان کے ''وَمِنْهَا. وَمِنْهُ'' ہیں، جس میں عموماً بعد کا حصہ قبل سے بالکل غیر مرتبط ہوتا ہے، بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قبل کا حصہ قبل بعثت سے متعلق ہے یا اوائل بعثت سے اور بعد کا حصہ بعد وفات رسولؐ سے متعلق ہے۔ یہ بھی دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہو جایا کرتا ہے، مگر اس سے بھی اس مقصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اگر سیّد رضیؒ کا کلام ہوتا تو فطری طور پر اس میں تسلسل ہوتا یا اگر انہیں دو موضوعوں پر لکھنا ہوتا تو اسے وہ دو خطبوں میں مستقل طور پر تحریر کرتے، لیکن وہ کیا کرتے جبکہ انہیں کلام امیر المومنینؑ ہی کا انتخاب پیش کرنا تھا۔ اس لئے جہاں خطبہ کا پہلا جز اور آخر کا جز دو مختلف موضوعوں سے متعلق ہے اور درمیان کا حصہ کسی وجہ سے وہ درج نہیں کر رہے ہیں تو نہ وہ اس کو کلام واحد بنا سکتے ہیں نہ مستقل دو خطبے بلکہ انہیں ایک ہی کلام میں ''وَمِنْهَا'' کے فاصلے قائم کرنا پڑتے ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ شکل بعض جگہ تو انتخاب کی وجہ سے ہوئی ہے اور بعض جگہ یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ سابق میں قلمی کتابوں کے سوا کوئی دوسری شکل مواد کے فراہم ہونے کی نہ ہوتی تھی اور قلمی کتابوں کے اکثر نسخے منحصر بفرد ہوتے تھے۔ اب اگر ان میں درمیان کا حصہ کرم خوردہ ہو گیا ہے یا اوراق ضائع ہو گئے ہیں یا رطوبت سے روشنائی پھیل جانے کی وجہ سے وہ ناقابل قرائت ہے تو علامہ سیّد رضیؒ اس موقع پر درمیان کا حصہ نقل کرنے سے قاصر رہے ہیں اور حرص جمع وحفاظت میں انہوں نے اس کے قبل یا بعد یا وسط کے وہ سطور تلاش کئے ہیں جو کسی مستقل مفاد کے حامل ہیں اور اس طرح درمیان کے حصوں میں انہوں نے ''وَمِنْهَا'' کہہ کر اس کے درج کرنے سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ یہ بھی ہے کہ اس وقت

علم کا ایک بڑا ذخیرہ حفاظ و ادباء و محدثین کے سینوں میں ہوتا تھا۔ فرض کیجئے کسی اپنے استاد اور شیخ حدیث سے علامہ سیّد رضیؒ نے کسی موقع کی مناسبت سے خطبہ کا ابتدائی حصہ سن لیا اور انہوں نے اسے فوراً قلم بند کر لیا، پھر دوسرے موقعہ پر انہوں نے ان کی زبان سے اسی خطبہ کے کچھ دوسرے فقرات سنے اور انہیں محفوظ کر لیا اور اتنا موقعہ نہ مل سکا کہ درمیانی اجزا ان سے دریافت کر کے لکھتے۔ اس طرح انہوں نے اس کی خانہ پری ''وَمِنْهَا'' کے ذریعہ سے کی۔ یہ بھی اس کی دلیل قوی ہے کہ انہوں نے اصل کلام امیر المومنینؑ کے ضبط و حفظ ہی کی کوشش کی ہے، قطعاً کوئی تصرف خود نہیں کرنا چاہا۔

❁ تیسرا شاہد اس کا خود جناب رضیؒ کے وہ مختصر تبصرے ہیں جو کہیں کہیں کچھ خطبوں کے بعد انہوں نے اس کلام کے متعلق اپنے احساسات و تاثرات کے اظہار پر مشتمل درج کر دیئے ہیں یا بعض جگہ کچھ الفاظ کی تشریح ضروری سمجھی ہے۔ ان تبصروں کی عبارت نے ان خطبوں سے متصل ہو کر ہر صاحب ذوق عربی دان کیلئے یہ اندازہ قطعی طور پر آسان کر دیا ہے کہ ان تبصروں کا انشاء پرداز وہ ہرگز نہیں ہو سکتا، جو ان خطبوں کا انشاء پرداز ہے۔ جس طرح خود علامہ رضیؒ نے اپنی مایہ ناز تفسیر حقائق التنزیل میں اعجازِ قرآن کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ باوجودیکہ امیر المومنینؑ کا کلام جو فصاحت و بلاغت میں مافوق البشر ہے مگر جب خود حضرتؑ کے کلام میں کوئی قرآن کی آیت آ جاتی ہے تو وہ اس طرح چمکتی ہے جس طرح سنگریزوں میں گوہر شاہوار، بالکل اسی شکل سے اگرچہ علامہ سیّد رضیؒ اپنے دور کے افصح زمانہ تھے اور ادب عربی میں معراج کمال پر فائز تھے، مگر نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کے کلام کے بعد جب ان کی عبارت آ جاتی ہے تو ہر دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کی نگاہ بلندیوں سے گر کر نشیب میں پہنچ چکی ہے۔ حالانکہ ان عبارتوں میں علامہ سیّد رضیؒ نے ادبیت صرف کی ہے اور اپنی حد بھر اپنی قابلیت دکھائی ہے، مگر سابق کلام کی بلندی کو ہر مطالعہ کرنے والے

کیلئے ایک امرِ محسوس کی حیثیت سے ظاہر کر دیا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا داخلی شاہد ہے، اس تصور کے غلط ہونے کا کہ وہ علامہ سیّد رضیؒ کا کلام ہو۔

❁ چوتھا امر یہ ہے کہ جناب سیّد رضیؒ اپنے دور کے کوئی گمنام شخص نہ تھے۔ وہ دینی و دنیوی دونوں قسم کے ذمہ دار منصبوں پر فائز تھے۔ یہ دور بھی وہ تھا جو مذہب و ملت کے علماء و فضلاء سے بھرا ہوا تھا۔ بغداد سلطنت عباسیہ کا دار السلطنت ہونے کی وجہ سے مرکز علم و ادب بھی تھا۔ خود سیّد رضیؒ کے استاد شیخ مفیدؒ بھی نہج البلاغہ کے جمع و تالیف کے دور میں موجود تھے۔ اس لئے کہ جناب شیخ مفیدؒ علامہ سیّد رضیؒ کی وفات کے بعد تک موجود رہے ہیں اور شاگرد کا انتقال استاد کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا اور معاصرین کو تو ایک شخص کے متعلق الزامات کی تلاش رہتی ہے۔ پھر شریف رضیؒ سے تو خود حکومت وقت کو بھی مخاصمت پیدا ہو چکی تھی، اس محضر پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے جو فاطمیین مصر کے خلاف حکومت نے مرتب کیا تھا اور جس پر علامہ رضیؒ کے بڑے بھائی اور ان کے والد بزرگوار تک نے حکومت کے تشدد کی بنا پر دستخط کر دیئے تھے مگر علامہ سیّد رضیؒ نے عواقب و نتائج سے بے نیاز ہو کر اس پر دستخط سے انکار کر دیا تھا۔ علاوہ اس کے کہ اس کردار کا شخص جو صداقت کو ایسے قوی ترین محرکات کے خلاف محفوظ رکھے اس طرح کی چھچھوری بات کر ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک پوری کتاب خود لکھ کر امیر المومنین علیہ السلام کی جانب منسوب کر دے جس کا غلط ہونا علمائے عصر سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا اور اگر بالفرض وہ ایسا کرتے بھی تو ان کے دور میں ان کے خلاف علمائے وقت اور ارکان حکومت کی طرف سے اس الزام کو شدت سے اچھالا جاتا اور سخت سے سخت نکتہ چینی کی جاتی۔ حالانکہ ہمارے سامنے خود ان کے عصر کے علماء کی کتابیں اور ان کے بعد کے کئی صدی تک کے مصنفین کی تحریرات موجود ہیں، ان میں سے کسی میں کمزور سے کمزور طریقہ پر بھی ان کے حالات زندگی میں اس قسم کے الزام کا عائد کیا جانا یا اس بارے میں ان پر کسی

قسم کی نکتہ چینی کا ہونا موجود نہیں ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ صرف بر بنائے جذبات نہج البلاغہ کے بعض مندرجات کو اپنے معتقدات کے خلاف پا کر کچھ متعصب افراد کی بعد کی کارستانی ہے جو انہوں نے نہج البلاغہ کو کلامِ سیّد رضی قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ خود جناب سیّد رضی اعلی اللہ مقامہ کے دور میں اس کے مندرجات کا کلام امیرالمومنینؑ ہونا بلا تفریق فرقہ و مذہب ایک مسلّم چیز تھی اور اسی لئے ان پر اس بارے میں کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکا۔

❁ پانچواں امر یہ ہے کہ سیّد رضی اعلی اللہ مقامہ کے قبل ایسا نہیں ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کے خطبوں کا کوئی نام و نشان عالم اسلامی میں نہ پایا جاتا ہو، بلکہ کتب تاریخ و ادب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلم الثبوت ذخیرہ بحیثیت خطب امیرالمومنینؑ کے سیّد رضیؒ کے قبل سے موجود تھا۔ چنانچہ مورّخ مسعودی نے جو علامہ سیّد رضیؒ سے مقدم طبقہ میں ہیں، بلکہ ان کی ولادت کے قبل وفات پا چکے تھے (اس لئے کہ علامہ سیّد رضیؒ کا دور شباب ہی میں ۴۰۶ھ میں انتقال ہوا ہے اور مسعودی کی وفات ۳۴۰ھ میں ہو چکی تھی، جس وقت سیّد رضیؒ کے استاد شیخ مفیدؒ ہی نہیں، بلکہ ان کے بھی استاد شیخ صدوق محمد بن علی ابن بابویہ قمیؒ بھی زندہ تھے)، مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھا ہے کہ:

وَ الَّذِیْ حَفِظَ النَّاسُ عَنْهُ مِنْ خُطَبِهٖ فِیْ سَآئِرِ مَقَامَاتِهٖ اَرْبَعمِائَةِ خُطْبَةٍ وَّ نَیِّفٍ وَّ ثَمَانُوْنَ خُطْبَةً یُوْرِدُهَا عَلَى الْبَدِیْهَةِ تَدَاوَلَ النَّاسَ ذٰلِکَ عَنْهُ قَوْلًا وَّ عَمَلًا.

لوگوں نے آپؑ (حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ) کے جو خطبے مختلف موقعوں کے محفوظ کر لئے ہیں، وہ چار سو اسی (۴۸۰) سے کچھ زیادہ تعداد میں ہیں جنہیں آپؑ نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا تھا، جنہیں لوگوں

نے نقل قول کے طور بھی بتواتر نقل کیا ہے اور اپنے خطب و مضامین
میں ان کے اقتباسات وغیرہ سے بکثرت کام بھی لیتے رہے ہیں۔[1]

ظاہر ہے کہ یہ چار سواسّی (۴۸۰) سے کچھ اوپر خطبے اگر تمام وکمال یکجا کیے جائیں تو بلا شبہ نہج البلاغہ سے بڑی کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ جب یہ اتنا بڑا ذخیرہ سیّد رضیؒ کی ولادت سے پہلے سے موجود تھا تو پھر علامہ سیّد رضیؒ کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ اس ذخیرہ سے کام نہ لیں اور اپنی طرف سے نہج البلاغہ ایسی کتاب کو تحریر کر دیں۔ ایسا اس شخص کے لیے کیا جاتا ہے جو گمنام ہو اور جس کا کارنامہ کوئی موجود نہ ہو اور اس کے اخلاف یا منتسبین خواہ مخواہ اس کو نمایاں بنانے کیلئے اس کی جانب سے کوئی کارنامہ تصنیف کر دیں۔

صرف علامہ مسعودی کا یہ قول ہی اس ذخیرہ کے ثبوت کیلئے کافی تھا، جبکہ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ذخیرہ آثار قدیمہ کے طور پر کسی دور دراز عجائب خانہ یا کسی ایک عالم کے متروکات میں شامل نہیں تھا جس تک رسائی کسی زحمت کی طلبگار ہوتی ہو، بلکہ ''حَفِظَ النَّاسُ'' اور ''تَدَاوَلَ النَّاسَ'' کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ عموماً اہل علم کے ہاتھوں میں موجود اور متداول تھا۔ اس کے علاوہ دور عباسیہ کے یگانۂ روزگار کاتب عبدالحمید بن یحیی متوفی ۱۳۲ھ کا یہ مقولہ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں درج کیا ہے کہ:

حَفِظْتُ سَبْعِيْنَ خُطْبَةً مِّن خُطَبِ الْاَصْلَعِ فَفَاضَتْ ثُمَّ فَاضَتْ.

میں نے ستر خطبے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ازبر کیے ہیں، جن کے فیوض و برکات میرے یہاں نمایاں ہیں۔[2]

---

[1] مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۳، طبع مصر۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۴۔

اس کے بعد ابن المقفع متوفی ۱۴۲ھ کا اعتراف ہے جسے علامہ حسن الندوبی نے اپنے ان حواشی میں، جو کتاب ''البیان والتبیین للجاحظ'' پر لکھے ہیں۔ وہ ابن مقفع کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَالظَّاهِرُ اَنَّهُ تَخَرَّجَ فِي الْبَلَاغَةِ عَلَى خُطَبِ الْاِمَامِ عَلِيٍّ عليه السلام وَلِذٰلِكَ كَانَ يَقُوْلُ: شَرِبْتُ مِنَ الْخُطَبِ رَيًّا وَّلَمْ اَضْبَطْ لَهَا رَوِيًّا فَفَاضَتْ ثُمَّ فَاضَتْ.

غالباً ابن مقفع نے بلاغت میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خطبوں سے استفادہ کیا تھا اور اسی بنا پر وہ کہتے تھے کہ: میں نے خطبوں کے چشمہ سے سیراب ہو کر پیا ہے اور اسے کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں رکھا ہے تو اس چشمہ کے برکات بڑھے اور ہمیشہ بڑھتے رہے۔[1]

اس کے بعد ابن نباتہ متوفی ۳۷۴ھ۔ یہ بھی سیّد رضیؒ سے مقدم ہیں اور ان کا یہ قول ہے:

حَفِظْتُ مِنَ الْخِطَابَةِ كَنْزًا لَّا يَزِيْدُهُ الْاِنْفَاقُ اِلَّا سَعَةً وَّ كَثْرَةً. حَفِظْتُ مِائَةَ فَصْلٍ مِنْ مَوَاعِظِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

میں نے خطابت کا ایک خزانہ محفوظ کیا ہے، جس سے جتنا زیادہ کام لیا جائے، پھر بھی اس میں برکت زیادہ ہی ہوتی رہے گی۔ میں نے سو فصلیں علیؑ ابن ابی طالبؑ کے مواعظ میں سے یاد کی ہیں۔[2]

ابن نباتہ کے اس قول کا بھی ابن ابی الحدید نے تذکرہ کیا ہے۔

---

[1] البیان والتبیین، ج ۱، حاشیہ برحالات عبداللہ بن المقفع

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۴۔

رجال کشی میں ابوالصباح کنانی کے حالات میں لکھا ہے کہ: زید بن علیؑ ابن الحسینؑ کہ جو ''زید شہید'' کے نام سے مشہور ہیں اور جن کی شہادت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں ہوئی، وہ برابر امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو سنا کرتے تھے۔ ابوالصباح کہتے ہیں:

كَانَ يَسْمَعُ مِنِّيْ خُطَبَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام.

زید شہید مجھ سے امیر المومنین علی علیہ السلام کے خطبات سنا کرتے تھے۔[1]

یہ دوسری صدی ہجری کا ذکر ہے اور اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ایک ذخیرہ خطبوں کا اس وقت بھی موجود تھا جو مسلم طور پر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتا تھا۔

ان تمام مقامات پر بطور ارسال مسلمات، ''خطب علیؑ'' کہنا بتاتا ہے کہ اس زمانے میں اس بارے میں کوئی شک وشبہ بھی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ ورنہ جیسا کئی صدی بعد جب کچھ اغراض کی بنا پر مصنفین نے اس حقیقت کو مشکوک بنانا ضروری سمجھا تو ''اَلْمَنْسُوْبَةُ اِلٰی عَلِیٍّ'' کہنے لگے۔ دورِ اوّل میں اس قسم کے شک وشبہ کے اظہار کرنے والی کوئی لفظ پائی نہیں جاتی۔

رجال کبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ زید ابن وہب جہنی متوفی حدود ۹۰ھ نے جو خود حضرت امیر المومنینؑ کے رواۃِ احادیث میں سے ہیں، آپؑ کے خطبوں کو جمع کیا تھا اور اس کے بعد اور متعدد افراد ہیں، جنھوں نے سیّد رضیؒ سے پہلے حضرتؑ کے خطب واقوال کو جمع کیا جیسے:

۱۔ ہشام ابن محمد ابن سائب کلبی متوفی ۱۴۶ھ۔ ان کے جمع وتالیف کا ذکر فہرست ابن ندیم ج۷، ص ۱۵۲ میں موجود ہے۔

۲۔ ابراہیم ابن ظہیر فرازی۔ ان کا ذکر فہرست طوسیؒ میں یوں ہے:

صَنَّفَ كُتُبًا مِّنْهَا كِتَابُ الْمَلَاحِمِ، وَ كِتَابُ خُطَبِ

---

[1] رجال کشی، ص ۲۲۴۔

عَلِیٍّ علیہ السلام.

متعدد کتابیں تصنیف کیں، منجملہ ان کے کتاب ''الملاحم'' اور کتاب ''خطب علیؑ'' ہے۔[۱]

اور رجال نجاشیؒ میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔[۲]

۳۔ ابو محمد مسعدہ بن صدقہ عبدی۔ ان کے متعلق رجال نجاشی میں ہے:

لَهُ كُتُبٌ مِنْهَا كِتَابُ خُطَبِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام.

ان کے متعدد تصنیفات ہیں جن میں سے ایک ''کتاب خطب علیؑ'' ہے۔[۳]

۴۔ ابو القاسم عبد العظیم ابن عبد اللہ حسنی جن کا مزار تہران سے تھوڑے فاصلہ پر ''شاہ عبد العظیم'' کے نام سے مشہور ہے، یہ امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کے جمع کردہ خطبوں کا ذکر رجال نجاشی میں اس طرح ہے:

لَهُ كِتَابُ خُطَبِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام۔

ان کی ایک کتاب ''خطب امیر المومنینؑ'' ہے۔[۴]

۵۔ ابو الخیر صالح ابن ابی حماد رازی۔ یہ بھی امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں۔ نجاشی میں ہے:

لَهُ كُتُبٌ مِنْهَا كِتَابُ خُطَبِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام۔

---

۱ الفہرست، ص ۳۵۔

۲ رجال نجاشی، ص ۱۵۔

۳ رجال نجاشی، ص ۱۵۔

۴ رجال نجاشی، ص ۲۴۷۔

منجملہ آپ کی تالیفات کے کتاب ''خطب امیر المومنینؑ'' ہے۔[۱]

۶۔علی ابن محمد ابن عبد اللہ مدائنی متوفی ۲۲۵ھ۔انہوں نے حضرتؑ کے خطبوں کو اور ان مکاتیب کو جمع کیا جو حضرتؑ نے اپنے عمال کو تحریر فرمائے تھے۔اس کا ذکر معجم الادباء، یاقوت حموی جزو۵،ص ۳۱۳ میں ہے۔

۷۔ابو محمد عبد العزیز جلودی بصری متوفی ۳۳۰ھ کے تصانیف میں کتاب خطب علیؑ، کتاب رسائل، کتاب مواعظِ علیؑ، کتاب خطب علیؑ فی الملاحم، کتاب دُعاء علیؑ موجود ہیں جن کا تذکرہ شیخ طوسیؒ نے فہرست میں اور نجاشیؒ نے ان کے طویل تصنیفات کے ذیل میں اپنے رجال میں کیا ہے۔

۸۔ابو محمد حسن بن علی ابن شعبہ حلبی متوفی ۳۲۰ھ،نے اپنی مشہور کتاب ''تحف العقول'' میں امیر المومنین علیہ السلام کے کچھ کلمات،امثال اور خطب کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

اِنَّنَا لَوِ اسْتَغْرَقْنَا جَمِيْعَ مَا وَصَلَ اِلَيْنَا مِنْ خُطَبِهٖ وَ كَلَامِهٖ فِي التَّوْحِيْدِ خَاصَّةً دُوْنَ مَا سِوَاهُ مِنَ الْمَعَانِيْ لَكَانَ مِثْلَ جَمِيْعِ هٰذَا الْكِتَابِ.

اگر ہم وہ سب لکھنا چاہیں جو ہم تک حضرت علی علیہ السلام کے خطبے اور آپؑ کا کلام صرف توحید کے بارے میں پہنچا ہے،علاوہ دوسرے موضوعات کے تو وہ پوری اس کتاب (تحف العقول) کے برابر ہوگا۔[۲]

اب مذکورہ بالا تفصیل پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ:

پہلی صدی میں ''زید بن وہب جہنی'' نے حضرتؑ کے خطبوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔

---

[۱] رجال نجاشی،ص ۱۹۸۔

[۲] تحف العقول،ص ۱۳،طبع ایران۔

دوسری صدی میں ''عبدالحمید ابن یحییٰ کاتب'' اور ''ابن مقفع'' کے دور میں وہ ذخیرہ مسلّم طور پر موجود تھا اور اس صدی کے وسطی دور دور کے میں وہ خطبے پڑھے اور سنے جاتے تھے، جیسا کہ زید شہیدؒ کے واقعہ سے ظاہر ہوا اور ادباء، اس کو زبانی حفظ کرتے تھے، جیسا کہ عبدالحمید اور ابن مقفع کے تصریحات سے ظاہر ہوا۔

اور تیسری صدی میں متعدد مصنفین نے جو جو خطبے ان تک پہنچے تھے، ان کو مدوّن کیا۔ ایسی صورت میں جناب سیّد رضیؒ کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ ان تمام ذخیروں کو نظر انداز کر کے یہ دماغی کاوش و کاہش گوارا کریں کہ وہ از خود کلام امیرالمومنینؑ کے نام سے کوئی چیز تصنیف کریں۔

❁ چھٹا امر یہ ہے کہ ان تمام ذخیروں کے سابق سے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ علامہ سیّد رضیؒ کیلئے یہ تو قطعی ممکن نہیں تھا کہ وہ ان تمام ذخائر کو تلف کرا دیتے اور پھر اسی کی ترویج کرتے جو انہوں نے کلامِ امیرالمومنینؑ قرار دیا تھا۔ یہ قطعی ناممکن تھا۔ اگر وہ ذخیرہ کسی ایک مصنف کے پاس، کسی ایک دور دراز جگہ ہوتا، تو یہ امکان بھی تھا، جیسا کہ مشہور ہے کہ شیخ ابوعلی سینا نے فارابی کی تمام مصنفات کو کسی شخص سے حاصل کر کے انہیں تلف کر دیا اور ان چیزوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ یہاں یہ صورت قطعاً ناممکن تھی، جبکہ وہ کلام ادباء کے سینوں میں محفوظ تھا، اطراف و اقطار عالم اسلامی میں منتشر تھا اور بہت سے مصنفین اس کی تدوین کر چکے تھے۔ پھر جبکہ سیّد رضیؒ کی تصنیف کے ساتھ ان ذخائر کا موجود ہونا لازمی تھا تو اگر سیّد رضیؒ کا جمع کردہ کلام اس ذخیرہ سے مختلف ہوتا یا اسلوب بیان میں اس سے جدا ہوتا تو وہ تمام ادبائے زمانہ، خطبائے روزگار، علمائے وقت جو اس کلام کو دیکھے ہوئے، پڑھے ہوئے یا یاد کیے ہوئے تھے، صدائے احتجاج بلند کر دیتے، ان میں تلاطم ہو جاتا اور سیّد رضیؒ تمام دنیا میں اس کی وجہ سے بدنام ہو جاتے۔ کم از کم کوئی ان کے ہم عصر ادباء میں سے اس

کی تنقید ہی کرتا ہوا ایک کتاب ہی اس موضوع پر لکھ دیتا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا جو کلام اب تک محفوظ رہا یہ سیّد رضیؒ کے جمع کئے ہوئے ذخیرہ سے مختلف ہے۔ خصوصاً جب وہ وجہ جو بعد میں ایک طبقہ کو اس باب میں انکار یا تشکیک کی موجب ہوئی، جس کی تفصیل کسی حد تک آئندہ درج ہوگی۔ وہ ایک مذہبی بنیاد تھی، یعنی یہ کہ نہج البلاغہ میں ان افراد کے بارے میں جنہیں سواد اعظم قابل احترام سمجھتا ہے کچھ تعریضات یا انتقادی کلمات ہیں۔

ظاہر ہے کہ نہج البلاغہ سلطنت عباسیہ کے دار السلطنت میں لکھی گئی جو اہل سنت کا علمی مرکز تھا۔ اس وقت بڑے بڑے علما، حفاظ، ادباء، خطباء، اہل سیر اور محدثین اہل سنت میں موجود تھے اور ان کا جم غفیر خاص بغداد میں موجود تھا۔ اگر امیر المومنین علیہ السلام کے وہ خطبات جو ابن مقفع، ابن نباتہ، عبدالحمید ابن یحیی، جاحظ اور دیگر مسلّم الثبوت ادباء کے دور میں موجود تھے، ان تعریضات سے خالی تھے اور اس قسم کے مضامین ان میں نہ تھے، بلکہ فطری طور پر اس صورت میں اس کے خلاف چیزوں پر انہیں مشتمل ہونا چاہیے تھا، تو اس وقت کے اہل سنت کے علماء اس پر قیامت برپا کر دیتے اور اس کو اپنے مذہب کے خلاف ایک عظیم حملہ تصور کر کے پورے طور سے اس کا مقابلہ کرتے اور اس کی دھجیاں اُڑا دیتے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، کوئی دھیمی سی آواز بھی اس کے خلاف بلند نہیں ہوئی۔ یہ اس کا قطعی ثبوت ہے کہ سیّد رضیؒ کے جمع کردہ مجموعہ میں کوئی نئی چیز نہ تھی، بلکہ وہ وہی تھا جو اس کے پہلے مضبوط و مدون، متداول و محفوظ رہا تھا، علماء قطعاً اس سے اجنبیت نہ رکھتے تھے، بلکہ اس سے مانوس اور اس کے سننے کے اور یاد کرنے کے عادی تھے۔ وہ اس ادبی ذخیرہ کو اس کی ادبی افادیت کے اعتبار سے سر آنکھوں پر رکھتے تھے اور اس تنگ نظری میں مبتلا نہ تھے کہ چونکہ اس میں کچھ چیزیں ہمارے مذہب کے خلاف ہیں، اس لئے اس کا انکار کیا جائے یا اس سے اجنبیت برتی جائے۔

❁ ساتواں امر یہ ہے کہ بہت سی کتابیں علامہ سیّد رضیؒ کے قبل کی اس وقت بھی ایسی موجود ہیں، جن میں امیر المومنین علیہ السلام کے اکثر مواقع کے کلام یا خطبات کو کسی مناسبت سے ذکر کیا ہے جیسے:

❁ جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی ''البیان والتبیین''

❁ ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ کی ''عیون الاخبار وغریب الحدیث''

❁ ابن واضح یعقوبی متوفی ۲۷۸ھ کی مشہور ''تاریخ''

❁ ابوحنیفہ دینوری متوفی ۲۸۰ھ کی ''الاخبار الطوال''

❁ ابوالعباس المبرد متوفی ۲۸۶ھ کی ''کتاب المبرد''

❁ مشہور مؤرخ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی ''تاریخ کبیر''

❁ ابن درید متوفی ۳۲۱ھ کی کتاب ''المجتنی''

❁ ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ کی ''عقد الفرید''

❁ ثقۃ الاسلام کلینی متوفی ۳۲۹ھ کی مشہور کتاب ''الکافی''

❁ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کی تاریخ ''مروج الذہب''

❁ ابوالفرج اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب ''اغانی''

❁ ابوعلی قالی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب ''النوادر''

❁ شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ کی کتاب ''التوحید'' اوران کے دوسرے جوامع حدیث۔

شیخ مفید رحمہ اللہ، متوفی ۴۱۶ھ (اگرچہ تاریخ وفات کے اعتبار سے جناب رضیؒ سے مؤخر ہیں مگر ان کے استاد ہونے کی وجہ سے طبقۃً مقدم ہیں (ان کی کتب ''الارشاد'' اور ''کتاب الجمل''، و............ ہیں)۔

ان تمام کتابوں میں جو حضرت کے خطبے درج ہیں، ان کا جب مقابلہ علامہ سیّد رضیؒ کے

مندرجہ خطب اور اجزاء کلام سے کیا جاتا ہے تو اکثر تو وہ بالکل متحد ہوتے ہیں اور نہج البلاغہ میں ایسا درج شدہ کلام اگر کوئی ہے جو ان کتابوں میں درج نہیں ہے یا ان کتابوں میں کوئی کلام ایسا ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور نہیں ہے تو اسلوب بیان اور انداز کلام، تسلسل و بلند آہنگی، جوش و حقائق نگاری کے لحاظ سے یقیناً متحد ہوتا ہے، جس میں کسی واقف عربیت کو شک نہیں ہو سکتا۔ امیر المومنین علیہ السلام کے اس کلام کا جو نہج البلاغہ میں درج ہے اس تمام کلام سے جو حضرتؑ کی طرف نسبت دے کر اور دوسری کتابوں میں درج ہے متحد الاسلوب ہونا، پھر اس پہلو کے ضمیمہ کے ساتھ جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ وہ خود سیّد رضیؒ کے اس کلام سے جو نہج البلاغہ میں بطور مقدمہ یا تبصرہ موجود ہے، بالکل مختلف ہونا، ایک غیر جانبدار شخص کیلئے اس کا کافی ثبوت ہے کہ یہ واقعی امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام ہے جسے علامہ سیّد رضیؒ نے صرف جمع کیا ہے۔

❁ آٹھواں امر یہ ہے کہ خود علامہ سیّد رضیؒ کے معاصرین یا ان سے قریب العہد متعدد لوگوں نے بطور خود بھی کلام امیر المومنینؑ کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے اپنی کتابوں کے ضمن میں درج کیا ہے جیسے: ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ نے ''تجارب الامم'' میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں، شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے (جو شیخ مفید رحمہ اللہ سے تلمذ کی حیثیت سے علامہ رضیؒ کے ہم طبقہ اور علم الہدیٰ سیّد مرتضیٰؒ کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے اور نیز سال وفات کے اعتبار سے ان سے ذرا موخر ہیں (اپنی کتاب، ''تہذیب'' اور کتاب ''الامالی'' میں، نیز عبد الواحد ابن محمد ابن عبد الواحد آمدی جو اسی عصر کے تھے اپنی مستقل کتاب ''غرر الحکم و درر الکلم'' جو امیر المومنین علیہ السلام کے مختصر کلمات پر مشتمل ہے اور مصر و صیدا اور ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے اور اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

نیز ابو سعید منصور ابن حسین آبی وزیر متوفی ۴۲۲ھ اپنی کتاب ''نزہۃ الادب ونثر الدرر'' میں جس کا ذکر ''کشف الظنون'' باب النون میں ہے اور قاضی ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ قطاعی شافعی متوفی ۴۵۳ھ جن کی عظیم الشان کتاب اس موضوع پر ''دستور معالم الحکم'' کے نام سے ہے اور وہ مصر میں طبع ہو چکی ہے، یہ سب تقریباً سیّد رضیؒ کے معاصرین ہی ہیں، ان سب کی کاوشیں ہمارے سامنے موجود ہیں، سوائے ابو سعید منصور کی کتاب کے جس کا کشف الظنون میں تذکرہ ہے، باقی یہ سب کتابیں مطبوع ومتداول ہیں، ان میں جو کلام مندرج ہے وہ بھی علامہ سیّد رضیؒ کے درج کردہ کلام سے عیناً متحد یا اسلوب میں متفق ہی ہے۔

پھر اگر سیّد رضیؒ کی نسبت یہ تصور کیا جائے کہ انہوں نے خود اس کلام کو تصنیف کر دیا ہے تو ان تمام جامعین اور اپنی کتابوں کے ضمن میں درج کرنے والے دوسرے افراد کو کیا کہا جائے گا۔ پھر ان کی نسبت بھی یہی تصور کرنا چاہیے، جبکہ ان میں سے سب یا زیادہ افراد یقیناً جلالت شان اور ورع وتقویٰ وغیرہ میں علامہ سیّد رضیؒ سے بالاتر نہیں معلوم ہوتے۔

اب اگر ان سب کی نسبت یہی خیال کیا جائے، تو خیر علامہ سیّد رضیؒ تو اشعر الطالبین تھے اور کتب سیر انہیں خود ادبیت اور فصاحت وبلاغت میں معراج کمال پر ظاہر کرتے ہیں، مگر ان میں سے ہر شخص کی نسبت تو یہ تصور قطعی غلط ہے کہ وہ سب علامہ سیّد رضیؒ ہی کے ادبی حیثیت سے ہم پایہ تھے، پھر ایسے مختلف المرتبہ اشخاص کی ذہنی کاوشوں اور قلمی ثمرات میں اتنا ہی فرق کیوں نہیں ہے، جو خود ان اشخاص کے مبلغ علمی میں یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ اشخاص کہ جو کلام کے جمع کرنے والے ہیں، ان میں آپس میں زمین وآسمان کا فرق اور کلام جو انہوں نے جمع کیا ہے وہ سب ایک ہی مرتبہ، ایک ہی شان کا، اسے دیکھتے ہوئے سوائے ایسے شخص کے جو جان بوجھ کر حقیقت کے انکار کرنے پر تلا ہوا ہو اور کسی کو اس میں شک وشبہ

بھی باقی نہیں رہ سکتا کہ ان اشخاص کا کارنامہ صرف جمع و تالیف ہی ہے، جس میں ان کے سلیقہ اور ذوق کا اختلاف فقط شان ترتیب اور عنوان تالیف میں نمودار ہوتا ہے، لیکن اصل کلام میں ان کی ذاتی قابلیت، ذہانت اور مبلغ علمی اور معیار ادبی کو ذرہ برابر بھی دخل نہیں ہے۔

❁ نواں امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا افراد اگر چہ اپنے زمانۂ حیات کے کچھ حصوں میں علامہ سیّد رضیؒ سے متحد ہیں، مگر ان میں سے متعدد افراد کے سال وفات کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ ان کا زمانہ جمع و تالیف نہج البلاغہ سے مؤخر ہے اور اس کے بعد ایک ایسا طبقہ ہے جو بالکل علامہ سیّد رضیؒ سے مؤخر ہی ہے۔ جیسے ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۵ھ، سبط ابن جوزی متوفی ۶۰۶ھ اور اس کے بعد بہت سے مصنفین۔ ظاہر ہے کہ علامہ رضیؒ کی کتاب نہج البلاغہ گوشۂ گمنامی میں اور ان لوگوں سے مخفی نہ تھی۔ ان لوگوں کا محرک اس جمع و تالیف پر صرف یہ تھا کہ علامہ سیّد رضیؒ نے انتخاب سے کام لیتے ہوئے یا ماخذوں کی کمی سے یا ان نسخوں کے کرم خوردہ یا ناقص ہونے کی وجہ سے جو ان کے پاس تھے، بہت سے اجزائے کلام امیر المومنینؑ کے نقل نہیں بھی کئے تھے۔ اس لئے مصنفین کو مستدرک اور مستدرک در مستدرک کی ضرورت پڑتی رہی، جس کا سلسلہ ماضی قریب میں علامہ شیخ ہادی آل کاشف الغطاءؒ تک جاری رہا جنہوں نے ''مستدرک نہج البلاغہ'' تحریر فرمایا جو نجف اشرف میں طبع ہو چکا ہے۔

اگر علامہ سیّد رضیؒ کے قریب العہد یا ان کے بعد کے اہل قلم میں کسی کو بھی نہج البلاغہ کے مندرجہ کلمات و خطب میں یہ خیال ہوتا کہ یہ جناب سیّد رضیؒ نے تصنیف کر کے اس میں شامل کر دیئے ہیں تو وہ سب بالخصوص معاصرین جو کسی رعایت کیلئے کبھی تیار نہیں ہوتے، اپنی کتابوں کی وجہ تالیف میں اس کا تذکرہ ضروری سمجھتے کہ چونکہ اس کے قبل جو کتاب امیر المومنینؑ کے خطبوں پر مشتمل کہہ کر لکھی گئی ہے اس میں آپ کا اصل کلام موجود نہیں ہے، بلکہ

وہ ساختہ و پرداختہ اور وضعی ہے، اس لئے ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم آپؑ کا اصلی کلام منظر عام پر لائیں، جبکہ ایسا نہیں ہوا اور یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ان سب کے نزدیک علامہ سیّد رضیؒ نے جو کلام جمع کیا وہ بلاشبہ کلام امیر المومنینؑ کی حیثیت سے اس کے پہلے سے مدوّن و متداول تھا اور ان کو سیّد رضیؒ سے شکایت صرف بعض خطبوں کو چھوڑ دینے یا احاطہ و استقصاء نہ کرنے یا شان ترتیب وعنوان تالیف میں کسی مناسب تر صورت کو اختیار نہ کرنے ہی کی تھی جس کیلئے انہوں نے بھی اس بارے میں کوشش ضروری سمجھی، جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور ممکن ہے کہ بعض مصنفین اب بھی کسی خاص ترتیب سے نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب کو دیکھنے کے متمنی ہوں۔ یہ دوسری چیز ہے اور اصل کلام کے بارے میں کسی شک وشبہ کا رکھنا دوسری چیز ہے۔

❁ دسواں امر یہ ہے کہ تلاش کی جاتی ہے تو نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب و اقوال کا پتہ اب بھی بعیون الفاظہا نہج البلاغہ کے قبل تالیف شدہ کتابوں میں مل جاتا ہے اور جبکہ اکثر حصہ اس کا قبل کی کتابوں میں مندرج موجود ہے تو تھوڑا سا حصہ اگر دستیاب نہ بھی ہو تو ایک معتدل ذہن میں اس سے کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہوسکتا، جبکہ یہ معلوم ہے کہ دنیا میں مختلف حوادث کے ذیل میں کتابوں کے اتنے ذخیرے تلف ہوئے ہیں جو اگر موجود ہوتے تو یقیناً موجودہ ذخائر سے بدرجہا زیادہ ہوتے۔ خود تاریخ نے کلام امیر المومنینؑ کے جن جمع شدہ ذخیروں کا پتا علامہ سیّد رضیؒ کے قبل ہم تک پہنچا دیا ہے وہی سب اس وقت کہاں موجود ہیں؟ اس لئے اگر بعض مندرجات رائج الوقت کتابوں میں نہیں بھی ملتے تو ذہن یہی فیصلہ کرتا ہے کہ ان کتابوں میں موجود ہوں گے، جن تک ہماری اس وقت دسترس نہیں ہے۔ نہج البلاغہ کے مندرجات کے ان حوالوں کو پہلے علامہ شیخ ہادی کاشف الغطاءؒ نے مستدرک نہج البلاغہ کے اثناء تالیف ہی میں مدارک نہج البلاغہ کے نام سے مرتب کیا تھا، جو غالباً مکمل شائع نہیں

ہوا ہے اور ایک قابل قدر کوشش رامپور کے ایک سنی فاضل عرشی صاحب نے کی ہے جو ''فاران'' کراچی میں مقالہ کی صورت میں شائع ہوئی ہے اور مزید تلاش کی جائے تو اس سلسلہ میں مزید کامیابی کا بھی امکان ہے۔

گیارہواں امر یہ ہے کہ محققین علمائے شیعہ کا رویہ دیکھا جائے تو وہ ہر اس کتاب یا مجموعہ کو جو معصومین علیہم السلام میں سے کسی کی طرف منسوب ہو بلا چون و چرا صرف اس لئے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوجاتے کہ وہ معصومین علیہم السلام کی جانب منسوب ہے، بلکہ وہ پوری فراخ حوصلگی کے ساتھ محققانہ فریضہ کو انجام دیتے ہوئے۔ اگر وہ قابل انکار ہوتا ہے تو کھل کر اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اگر مشکوک ہوتا ہے تو شک وشبہ کا اظہار کر دیا کرتے ہیں اور اس طرح بہت سے وہ ذخیرے جو کلام معصومینؑ کے نام سے موجود ہیں، مقام اعتبار میں مختلف درجے اختیار کر چکے ہیں۔

مثلاً ''دیوان امیر المومنینؑ'' بھی تو بطور کلام علیؑ ہی رائج ہے مگر علمائے شیعہ بلا رو رعایت اسے غلط سمجھتے ہیں۔ اس سے بالاتر ذرا درجہ ''تفسیر امام حسن عسکریؑ'' کا ہے، حالانکہ وہ شہرت میں تقریباً نہج البلاغہ سے کم نہیں ہے اور شیخ صدوقؒ ایسے بلند مرتبہ قدیم محدث نے اس پر اعتماد کیا ہے مگر اکثر علمائے شیعہ اسے تسلیم نہیں کرتے، اثبات میں لکھ دیا ہے۔ ''فقہ الرضاؑ''، امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے مگر اس کے اعتبار اور عدم اعتبار کی بحث ایک مہتم بالشان علمی مسئلہ بن گئی ہے جس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح ''جعفریات'' اور امام رضا علیہ السلام کا ''رسالہ ذہبیہ'' وغیرہ کوئی نقد و بحث سے نہیں بچا ہے۔

اس رویہ کے باوجود سیّد رضیؒ کے بعد سے اس وقت تک کسی دور میں بھی کسی شیعہ عالم کا نہج البلاغہ کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اور اس میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ کا اظہار نہ کرنا اس کا ثبوت قطعی ہے کہ ان سب کی نظر میں اس کی حیثیت ان تمام مجموعوں سے ممتاز اور جداگانہ

ہے۔ نہج البلاغہ کے ہم پلہ اس حیثیت سے اگر کوئی کتاب ہے تو صرف صحیفہ کاملہ جو اسی طرح مسلم طور پر امام زین العابدین علیہ السلام کے کلام کا مجموعہ ہے اور کوئی کتاب اس ذیل میں ان دونوں کے ہم مرتبہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا وجوہ کا نتیجہ یہ ہے کہ علامہ سیّد رضیؒ کے بعد تقریباً دو ڈھائی سو برس تک نہج البلاغہ کے خلاف کوئی آواز اٹھتے ہوئے معلوم نہیں ہوتی، بلکہ متعدد علمائے اہل سنت نے اس کی شرحیں لکھیں جیسے ابوالحسن علی ابن ابی القاسم بیہقی، متوفی ۵۶۵ھ، امام فخر الدین، متوفی ۶۰۶ھ، ابن ابی الحدید، متوفی ۶۵۵ھ، علامہ سعد الدین تفتازانی وغیرہ۔

غالباً انہی علمائے اہل سنت کے شروح وغیرہ لکھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ عوام میں نہج البلاغہ کا چرچا پھیلا اور اس کے ان مضامین کے بارے میں جو خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ہیں اہلسنت میں بے چینی پیدا ہوئی اور اب آپس میں بحثیں شروع ہوگئیں اور اس کی وجہ سے علماء کو اپنے اصولِ عقائد سنبھالنے کے لیے اور عوام کو تسلی دینے کے لیے نہج البلاغہ کے بارے میں شکوک وشبہات اور رفتہ رفتہ انکار کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ سب سے پہلے ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے اس کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور علامہ سیّد مرتضیٰؒ کے حالات میں یہ لکھا کہ:

قَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ كِتَابِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الْمَجْمُوْعِ مِنْ كَلَامِ الْاِمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ . هَلْ هُوَ جَمَعَهٗ . اَمْ جَمَعَهٗ اَخُوْهُ الرَّضِيُّ ؟ وَقَدْ قِيْلَ : اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ عَلِيٍّ، وَ اِنَّمَا الَّذِيْ جَمَعَهٗ وَ نَسَبَهٗ اِلَيْهِ هُوَ الَّذِيْ وَضَعَهٗ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

لوگوں میں کتاب نہج البلاغہ کے بارے میں جو امیر المومنین علی ابن

ابی طالب علیہ السلام کے کلام کا مجموعہ ہے، اختلاف ہے کہ وہ انہی (سیّد مرتضیٰؒ) کا جمع کردہ ہے یا ان کے بھائی سیّد رضیؒ کا اور بعض کہتے ہیں کہ: یہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام ہی نہیں ہے، بلکہ جسے جامع سمجھا جاتا ہے اسی کی یہ تصنیف ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

یہ امر بہت قابل لحاظ ہے کہ نہج البلاغہ کے بارے میں اختلافی آواز ڈھائی صدی کے بعد بھی نہج البلاغہ کے تالیف کے مرکز یعنی بغداد یا ملک عراق کے کسی شہر سے بلند نہیں ہوئی، بلکہ مغربی مملکت جہاں بنی امیہ کی سلطنت تھی اور قیروان و قرطبہ میں جس سلطنت کے زیر اثر علماء کی پرورش ہو رہی تھی وہاں ابن خلکان مغربی کی زبان سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جنہیں ''اِخْتَلَفَ النَّاسُ'' کہا جا رہا ہے، یہ مسلمان دارالخلافہ کے کوئی ذمہ دار افراد نہیں ہیں ورنہ ''اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ''، ''اِخْتَلَفَ الْمُحَقِّقُوْنَ''، ''اِخْتَلَفَ الْاُدَبَاءُ'' ایسے کوئی وقیع الفاظ درج کئے جاتے، بلکہ یہ ''النَّاس'' اموی سلطنت کے پروردہ مملکت مغربیہ کے سنی عوام ہیں جنہیں یہ خبر تک نہیں ہے کہ یہ کتاب سید رضیؒ کی جمع کردہ ہے یا سید مرتضیٰ کی اور یہ جناب ابن خلکان کا تقیہ ہے کہ وہ خود اپنی اطلاعات کو جو اس کتاب اور اس کے جامع کے بارے میں یقیناً ان کو تھے، پیش نہیں کرتے، بلکہ عوام کے جذبات کی تسلی کے لیے خود انہی عوام کے اختلافات کی ترجمانی کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ: ''بعض لوگ اسے سید مرتضیٰ کا جمع کردہ کہتے ہیں اور بعض سید رضیؒ کا'' اور خود ان کے ضمیر کا فیصلہ پہلے آ جاتا ہے کہ جمع کرنے والا کوئی بھی ہو، لیکن ہے وہ کلام امیرالمومنینؑ ہی کا۔ اور پھر عوامی جذبات کو دھچکا پہنچنے کے اندیشے سے وہ بعض ان متعصب، مجہول الاسم والرسم اشخاص کے اس عذر کو جو اس کے مضامین کے تسلیم کرنے سے گریز کے لیے وہ مقام مناظرہ

[1] وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۳، ص ۳۱۳، مطبوعہ دارالثقافہ، بیروت، ۱۹۷۲ء۔

میں پیش کرتے تھے کہ ہم اسے کلام علیؑ ہی تسلیم نہیں کرتے، وہ ''قِیْلَ'' کہہ کے ذکر کر دیتے ہیں کہ: ''بعض ایسا کہتے ہیں کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے ہی نہیں، بلکہ جس نے جمع کیا ہے اسی نے اس کو تصنیف کر دیا ہے''۔ یہ خود ''قِیْلَ'' اس قول کے ضعف کے لیے کافی تھا لیکن خود ان کا ضمیر اس ''قِیْلَ'' سے چونکہ مطمئن نہیں ہے، لہٰذا آخر میں ''وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ'' کہہ کے وہ اس میں مزید شک وشبے کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں۔ اس سے صرف یہ پتا چلتا ہے کہ ابن خلکان اس بارے میں اپنے فیصلے کو ماحول کے دباؤ سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور وہ صرف عوام کی باہمی چہ مگوئیوں کا تذکرہ کر کے اپنا دامن بچا لے جانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تشکیک کا علمی دنیا میں کوئی وزن ہی نہیں مانا جا سکتا۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ اگرچہ علامہ ابن خلکان نے اپنے ضمیر کی تحریک سے بہت حد تک اپنے کو نہج البلاغہ کے انکار کی ذمہ داری سے بچایا تھا، مگر اُن کے اِن الفاظ نے بعد والے میدان مناظرہ کے پہلوانوں کو آسانی سے یہ داؤ بتا دیا کہ وہ نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنینؑ ہونے کا انکار کر دیں۔ چنانچہ اس کے ایک صدی کے بعد ذہبی نے جو اپنے دور کے انتہائی متعصب شخص تھے، یہ جرأت کی کہ وہ اس شک کو یقین کا درجہ دے دیں اور انہوں نے سید مرتضیٰؒ کے حالات میں لکھ دیا کہ:

> مَنْ طَالَعَ كِتَابَهٗ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ جَزَمَ بِاَنَّهٗ مَكْذُوْبٌ عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. فَفِيْهِ السَّبُّ الصَّرِيْحُ وَالْحَطُّ عَلَى السَّيِّدَيْنِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ.
>
> جو شخص ان کی کتاب نہج البلاغہ کو دیکھے وہ یقین کر سکتا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت بالکل جھوٹ ہے۔ اس لئے کہ اس میں کھلا ہوا سب وشتم اور ہمارے دونوں سرداروں

ابوبکر وعمر کی تنقیص ہے۔[1]

اب آپ ذرا اس عجیب رفتار کو دیکھئے کہ تالیف نہج البلاغہ سے دوڈھائی سو برس بعد یعنی ابن خلکان کے عہد تک تو اختلاف یا شک وشبہ کا بھی نہج البلاغہ کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ اس کے بعد ابن خلکان ملک مغرب میں بیٹھ کر عوام الناس کے اختلاف کا اس بارے میں اظہار کرتے ہیں کہ: یہ سیّد مرتضیٰؒ کی جمع کردہ کتاب ہے یا سیّد رضیؒ کی اور ایک ضعیف قول اس کا بیان کرتے ہیں کہ اس کی نسبت امیر المومنین علیہ السلام کی جانب غلط ہے اور پھر ''واللہ اعلم'' کہہ کر اس تغلیط کو مشکوک کرتے ہیں۔

یہ اس وقت جبکہ قرب عہد کی وجہ سے پھر بھی ذرائع اطلاع زیادہ ہوسکتے تھے اور اس کے ایک صدی کے بعد ذہبی پہلے تو بیک گردش قلم اس اختلاف کو جو جامع کے بارے میں تھا، ختم کر کے اسے سیّد مرتضیٰؒ کا کارنامہ قرار دے دیتے ہیں اور پھر اس شک کو یقین کا درجہ دے کر یہ کہتے ہیں کہ جو بھی نہج البلاغہ کا مطالعہ کرے وہ ایسا ہی یقین کرے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے وقت تک تین سو برس میں گویا کسی نے اس کتاب کا مطالعہ ہی نہ کیا تھا یا انہیں کوئی ایسی عینک ملی ہے جو اس سے پہلے کسی کے پاس نہ تھی اور اب وہ اسی عینک سے اپنے دور کے بعد ہر شخص کو نہج البلاغہ کے مطالعہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ عینک کیا ہے؟ اسے خود اپنے آخر کلام میں درج کر دیتے ہیں۔

علمی حیثیت سے، اصول روایت کے لحاظ سے، تنقیدی قوانین کے پیش نظر انہیں چاہیے تھا کہ اس کی نسبت غلط ہونے کے ثبوت میں امیر المومنینؑ کا وہ مسلّم کلام پیش کرتے جو سیّد رضیؒ کے علاوہ دوسرے مستند ماخذوں سے ان کے نزدیک مسلم ہوتا اور وہ سیّد رضیؒ کے مندرجہ مضامین سے مختلف ہوتا۔ خود سیّد رضیؒ کے زمانہ والے مصنفین کے انتقادات کا

---

[1] میزان الاعتدال، ذہبی، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۳۸۲ھ، ج ۳، ص ۱۲۴۔

حوالہ دیتے کہ انہوں نے بھی اسے غلط قرار دیا ہے۔ اس تین سو برس کی مدت میں دوسرے علماء وناقدین نے جو کچھ اس کی ردّ وقدح کی ہوتی اسے پیش کرتے مگران کے جیب ودامن تحقیق میں کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے۔

ان کی دلیل اس نسبت کے یقینی طور پر جھوٹ ہونے کی صرف یہ ہے کہ اس میں ان کے دوسرداروں کی تنقیص ہے۔ کیا علمی دنیا میں اس دلیل کی کوئی قیمت ہوسکتی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے قرآن نازل ہونے کے چند صدی بعد کوئی طبقہ مشرکین کا، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے صرف اس لئے انکار کرے کہ اس میں ان کے الٰہہ کے خلاف تنقیص ومذمت کی آیتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو اپنے جذبات کا تابع بنا کر اگر جانچا جائے، تو کوئی حقیقت باقی ہی نہیں رہ سکتی ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾[1]۔

اس دروازہ کے کھل جانے کے بعد تمام اصول روایت ودرایت معطل وبیکار ہوجاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر عقیدہ اور خیال کا انسان پھر ہر قوی سے قوی نص کو صرف اس بنا پر ردّ کر دے گا کہ وہ اس کے عقیدہ اور خیال کے خلاف ہے۔ جہاں تک خلفائے ثلاثہ کے مقابل میں شیعوں کے استدلال کا تعلق ہے، وہ احادیث رسولؐ یہاں تک کہ صحاح ستہ میں درج شدہ اخبار واحادیث سے بھی اس میں تمسک کرتے ہیں اور نہج البلاغہ کے مندرجات سے کچھ کم وہ احادیث پیغمبرؐ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ محتاط اور علمی اصول کے کسی حد تک پابند علمائے اہل سنت کا یہ طریقہ رہا کہ وہ ان احادیث کے مضامین ومطالب کے تاویلوں سے ہمیشہ کام لیتے رہے اور بالکل ان احادیث کے انکار کی جرأت نہیں کی۔

مناظرانہ ضرورتوں سے انکارِ نصوص کا یہ رجحان جس کا مظاہرہ ذہبی نے کیا ہے، یہ

---

[1] سورۂ مومنون، آیت ۷۱۔

بڑھتے بڑھتے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے زمانہ میں یہاں تک آیا کہ شروع شروع عیسائی مبلّغین سے مناظرہ میں انہیں وفات مسیح کے خیال کو پیش کرنے کی ضرورت ہوئی۔ صرف اس جذبہ کے ماتحت کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ایک طرح کی فضیلت عیسائی پیش کرتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں، لہٰذا اس کو ختم کرنا چاہیے۔ انہوں نے اس مناظرانہ ترکیب کو اصل قرار دیا اور پھر جو اسلامی نصوص اور متفق علیہ احادیث اس بارے میں تھیں ان سب کا انکار کر دیا اور آخر میں خود ان کے دعوائے مسیحیت کے لیے ایک راستہ بن گیا۔

یہی جذبہ ترقی کر کے اب اہل قرآن کے ہاتھوں، جن کی نمائندگی ''طلوع اسلام'' وغیرہ کر رہے ہیں، یہاں تک پہنچا ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہوئے کہ طبری اور دوسرے مفسرین اور مؤرخین سب کے یہاں کچھ نہ کچھ شیعوں کے موافق باتیں موجود ہیں، اس لئے کلیۃً احادیث، تفاسیر اور تواریخ کے اعتبار پر انہوں نے ضرب لگا دی ہے اور ان سب کے انکار کی یہی بنیاد ہے کہ ان لوگوں نے شیعوں کے موافق چیزیں درج کی ہیں، لہٰذا یہ سب جھوٹ ہے۔ جو عمارت ایک غلط اساس پر قائم کی جاتی ہے، اس کا آخری انجام یہی ہوتا ہے۔ کاش! یہ لوگ حقیقت کو صرف حقیقت کے اعتبار سے دیکھتے اور پھر اپنے جذبات کو اس کے ماتحت لانے کی کوشش کرتے جو ایک عام مسلمان کا فریضہ ایمانی ہے، چہ جائیکہ وہ افراد جو اپنے کو علمائے اسلام قرار دیتے ہوں یا دنیا میں اس حیثیت سے متعارف ہوں۔

اس کے بعد کی صدیوں میں یہ دروازہ پاٹوں پاٹ کھل ہی گیا تھا۔ چنانچہ اب تو مناظرہ کے میدان کا یہ بہت ہی عام ہتھیار بن گیا کہ جب نہج البلاغہ کا کوئی کلام پیش ہو تو اسے غلط کہہ دیا جائے۔ اس کے بعد پھر موجودہ دور میں تو اور بھی بہت سے جذبات کارفرما ہو گئے ہیں: مثلاً تجدد پسند طبقے کا یہ رجحان کہ ''عورت ہر بات میں مرد کے برابر ہے''، جب نہج البلاغہ کے مندرجات سے مجروح ہوتا ہے تو اس جذبہ کے تحفظ کے لیے یہ ثابت کرنے کی

کوشش کی جاتی ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں عورتوں کی تنقیص ہے۔ اور موجودہ سائنس سے اس کے نظریات کو ٹکراتے ہوئے دیکھا جاتا ہے تو سائنس کو اصل قرار دے کر اس کا انکار کر دیا جاتا ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہو۔ کبھی اس جذبہ کے ماتحت کہ اس میں ان علوم وفنون کی حقیقتوں کا اظہار ہے جسے بعد والے اپنے وقت کا کارنامہ سمجھتے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کلام بعد کی پیداوار ہے۔ اس لئے کہ اس وقت عرب میں یہ علوم وفنون تھے ہی نہیں، یہاں تک کہ کسی ایک لفظ مثلاً ''سلطان'' بمعنی بادشاہ کو حادث قرار دے کر اس لفظ کے استعمال کو نہج البلاغہ میں اس کی دلیل بنایا جاتا ہے کہ یہ جناب امیر علیہ السلام کی زبان سے نہیں نکل سکتا، حالانکہ یہ سب باتیں صرف اپنی خواہشوں کی تکمیل کا ایک بہانہ ہیں اور اپنے مزعومات کو اصل قرار دے کر حقیقتوں کو ان کا تابع بنا لینے کا کرشمہ ہے۔

قرآن مجید میں درج شدہ حقائق کب ایسے ہیں جو اس وقت کے عربوں کو معلوم ہوں اور احادیث رسولؐ کے بہت سے معارف کب اس وقت کی دنیا کو معلوم تھے جو باب مدینۃ العلم کے اقوال میں کچھ ایسے علوم وفنون کے انکشاف پر تعجب کیا جائے، جن کو اس وقت کی دنیا کی خبر نہ تھی۔ ہر لفظ جس کے لیے کسی قدیم عربی شعر کو سند میں پیش کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس شعر سے پہلے اس کے ماخذ کا ہمیں علم نہیں ہوتا، ورنہ اس شعر کو ہم سند ہی قرار دینے کی کیوں زحمت محسوس کرتے۔ تو کیا اس تصور کو حقیقت قرار دے کر کہ اس کے پہلے یہ لفظ کہیں نہیں ہے، ہم اس شعر کا انکار کر دیں گے یا صحیح طریقہ یہ ہوگا اور یہی اصول معمول بہ ہے کہ اس شعر میں اس لفظ کے وجود سے خود ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس لفظ کا زبانِ عرب میں رواج تھا۔ اسی طرح ہم آخر لفظ ''سلطان'' میں یہ اصول کیوں اختیار کرتے ہیں کہ ہم اپنے اس مزعومہ کو وحی منزل قرار دیں کہ یہ لفظ حادث ہے اور کلام عرب میں موجود نہ تھا۔ خود

جناب امیر علیہ السلام کے کلام میں اس کا وارد ہونا اس کا ثبوت کیوں نہ ہو کہ یہ لفظ چاہے عام اکثریت کی زبان پر جاری نہ ہو، لیکن وہ کلیۃً مفقود نہیں تھا اور اس کا شاہد یہی کلام امیر المومنینؑ کیوں قرار نہ پائے؟۔ پھر ''السلطان'' کو لفظی طور پر بمعنی ''مَلِک'' (بادشاہ) قرار دینے کی ضرورت ہی کیا ہے، جبکہ وہ بمعنی مصدری یعنی حکومت واقتدار اور غلبہ یقینی موجود تھا اور قرآن مجید میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ ذریعۂ غلبہ ہونے ہی کی بنا پر ''دلیل'' کو ''سلطان'' کہا گیا ہے جس طرح اسی اعتبار سے اس کو ''حجت'' کہا جاتا ہے اور یہی معنی مصدری بعد میں اسی شکل اختیار کر کے بمعنی ''مَلِک'' (بادشاہ) ہو گئے ہیں تو اس میں کیا دشواری ہے کہ ''اِذَا تَغَیَّرَ السُّلْطَانُ تَغَیَّرَ الزَّمَانُ''[1] میں ہم ''السُّلْطَانُ'' کو حاکم کے معنی میں نہیں، بلکہ حکومت واقتدار کے معنی میں لیں جو ہماری زبان میں بھی بمعنی حاکم برابر رائج ہے۔ لفظی طور پر یہ معنی نہ کہیں کہ ''جب بادشاہ بدلتا ہے تو زمانہ بدل جاتا ہے''، بلکہ یہ معنی کہیں کہ ''جب اقتدار بدلتا ہے تو زمانے میں بھی تغیر ہو جاتا ہے''، نتیجہ وہی ایک ہے، مگر وہ ہمارا مزعومہ بھی اگر ہمیں بہت عزیز ہو تو اس صورت میں محفوظ رہتا ہے۔ غرض یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں جو کسی اصول روایت ودرایت پر منطبق نہیں ہوتیں۔

خلفاء کے بارے میں نہج البلاغہ میں ہرگز کوئی ایسی سخت بات نہیں ہے جو دوسری کتابوں میں موجود نہ ہو اور جناب امیر علیہ السلام کے ان رجحانات کے مطابق نہ ہو جو مسلم الثبوت حیثیت سے دوسری کتب اہلسنت میں بھی موجود ہیں۔ ایسی صورت میں اس قسم کے الفاظ کا حضرتؑ کی زبان پر آنا تو اس کا ثبوت ہے کہ وہ آپؑ کا کلام ہے۔ ہاں! اگر آپؑ کے واقعی رجحانات کے خلاف اس میں الفاظ ملتے تو اس پر تو غور کرنے کی بھی ضرورت ہوتی کہ وہ کس

[1] نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۳۱۔

بنا پر ہیں یا انہیں کسی مجبوری کا نتیجہ قرار دینا پڑتا۔ جیسے بعض علماء کے خیال کے مطابق ''لِلّٰہِ بَلَآءُ فُلَانٍ ''[1] والا خطبہ یہی نوعیت رکھتا ہے، مگر وہ کلام جو اپنے متکلم کے خیالات کا نمایاں طور پر آئینہ بردار ہو، اسے تو کسی حیثیت سے اس متکلم کی طرف نسبت صحیح ماننے میں تامل کا کوئی سبب ہی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ باوجود ابن خلکان کے اس اظہارِ تذبذب اور ذہبی کے اس جسارتِ انکار کے پھر بھی منصف مزاج اور حقیقت پسند علماء و محققین بلا تفریق مذہب و ملت، نہج البلاغہ کے مندرجات کو کلام امیر المومنینؑ مانتے رہے اور اس کا اظہار کرتے رہے، جن میں سے کچھ افراد کا جو سر دست پیش نظر ہیں، ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱) علامہ شیخ کمال الدین محمد ابن طلحہ قریشی شافعی

علامہ شیخ کمال الدین محمد ابن طلحہ قریشی شافعی متوفی ۶۵۲ ھ، اپنی کتاب ''مطالب السؤل فی مناقب آل الرسولؐ'' میں جو لکھنو میں بھی طبع ہو چکی ہے علوم امیر المومنینؑ کے بیان میں لکھتے ہیں:

> وَ رَابِعُهَا: عِلْمُ الْبَلَاغَةِ وَ الْفَصَاحَةِ وَ كَانَ فِيْهَا اِمَامًا لَا يُشَقُّ غُبَارُهٗ وَ مُقَدَّمًا لَا تُلْحَقُ اٰثَارُهٗ وَمَنْ وَقَفَ عَلٰى كَلَامِهِ الْمَرْقُوْمِ الْمَوْسُوْمِ بِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ صَارَ الْخَبَرُ عِنْدَهٗ عَنْ فَصَاحَتِهٖ عَيَانًا وَّ الظَّنُّ بِعُلُوِّ مَقَامِهٖ فِيْهِ اِيْقَانًا.
>
> چوتھے: علم فصاحت و بلاغت، آپؑ اس میں امام کا درجہ رکھتے تھے جن کے گرد قدم تک بھی پہنچنا ناممکن ہے اور ایسے پیشرو تھے جن کے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۲۸۔

نشانِ قدم کا مقابلہ نہیں ہوسکتا اور جو حضرتؑ کے اس کلام پر مطلع ہو جو ''نہج البلاغہ'' کے نام سے موجود ہے، اس کے لیے آپؑ کی فصاحت کی سماعی خبر مشاہدہ بن جاتی ہے اور آپؑ کی بلندی مرتبہ کا اس باب میں گمان یقین کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اَلنَّوْعُ الْخَامِسُ فِی الْخُطَبِ وَ الْمَوَاعِظِ مِمَّا نَقَلَتْهُ الرُّوَاةُ وَ رَوَتْهُ الثِّقَاتُ عَنْهُ علیہ السلام قَدِ اشْتَمَلَ کِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الْمَنْسُوْبِ اِلَیْهِ عَلٰی اَنْوَاعٍ مِنْ خُطَبِهٖ وَ مَوَاعِظِهِ الصَّادِعَةِ بِاَوَامِرِهَا وَ نَوَاهِیْهَا الْمُطْلِعَةِ اَنْوَارَ الْفَصَاحَةِ وَ الْبَلَاغَةِ مُشْرِقَةٌ مِّنْ اَلْفَاظِهَا وَ مَعَانِیْهَا الْجَامِعَةِ حِکَمَ عُیُوْنِ عِلْمِ الْمَعَانِیْ وَ الْبَیَانِ عَلَی اخْتِلَافِ اَسَالِیْبِهَا.

پانچویں قسم ان خطب اور مواعظ کی شکل میں ہے جس کو راویوں نے بیان کیا ہے اور ثقات نے حضرتؑ سے ان کو نقل کیا ہے اور ''نہج البلاغہ'' کتاب جس کی نسبت حضرتؑ کی طرف دی جاتی ہے وہ آپؑ کے مختلف قسم کے خطبوں اور موعظوں پر مشتمل ہے جو اپنے اوامر و نواہی کو مکمل طور پر ظاہر کرتے اور فصاحت و بلاغت کے انوار کو اپنے الفاظ و معانی سے تابندہ شکل میں نمودار کرتے اور فنِ معانی و بیان کے اصول اور اسرار کو اپنے مختلف انداز بیان میں ہمہ گیر صورت سے ظاہر کرتے ہیں۔

اس میں مندرجات نہج البلاغہ کو معتبر و ثقہ راویوں کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے یقینی

[1] مطالب السؤل فی مناقب آل الرسولؐ طبع لکھنؤ۔

طور پر کلام امیر المومنین علیہ السلام تسلیم کیا ہے۔ ایک جگہ جو "منسوب" کا لفظ ہے، اس سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، وہ بحیثیت مجموعی کتاب بشکل کتاب سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کتاب امیر المومنینؑ کی جمع کردہ نہیں ہے۔ کتاب تو حقیقتاً سید رضیؒ ہی کی ہے مگر عوام مجازی طور پر یا ناواقفیت کی بنا پر یونہی کہتے ہیں کہ یہ امیر المومنینؑ کی کتاب ہے۔ یہ نسبت اس کلام کے لحاظ سے دی جاتی ہے جو اس کتاب میں درج ہے اور اسی لئے اس محل پر علامہ ابن طلحہ نے "منسوب" کا لفظ استعمال کیا ہے جو بالکل درست ہے۔ اس سے اصل کلام کے بارے میں ان کے وثوق واطمینان کو کوئی دھچکا نہیں پہنچتا۔

۲) علامہ ابوحامد عبدالحمید ابن ہبۃ اللہ المعروف بابن ابی الحدید مدائنی بغدادی

علامہ ابو حامد عبدالحمید ابن ہبۃ اللہ المعروف بابن ابی الحدید مدائنی بغدادی متوفی ۶۵۵ھ جنہوں نے اس کتاب کی مبسوط شرح لکھی ہے، وہ حضرت امیر علیہ السلام کے فضائل ذاتیہ میں فصاحت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اَمَّا الْفَصَاحَةُ فَهُوَ اِمَامُ الْفُصَحَآءِ وَ سَيِّدُ الْبُلَغَآءِ وَ عَنْ كَلَامِهٖ قِيْلَ: دُوْنَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ. وَ مِنْهُ تَعَلَّمَ النَّاسُ الْخِطَابَةَ وَ الْكِتَابَةَ.

فصاحت کی آپؑ کا یہ عالم ہے کہ آپ فصحاء کے امام اور اہل بلاغت کے سرگروہ ہیں، آپؑ ہی کے کلام کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ وہ خالق کے کلام کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے اور آپؑ ہی سے دنیا نے خطابت وبلاغت کے فن کو سیکھا۔

اس کے بعد عبدالحمید بن یحیی اور ابن نباتہ کے وہ اقوال درج کئے گئے ہیں، جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں پھر لکھا ہے:

وَ لَمَّا قَالَ مِحْقَنُ بْنُ اَبِیْ مِحْقَنٍ لِّمُعَاوِیَةَ: جِئْتُكَ مِنْ عِنْدِ اَعْیَا النَّاسِ. قَالَ لَهٗ: وَیْحَكَ! كَیْفَ یَكُوْنُ اَعْیَا النَّاسِ. فَوَاللهِ! مَا سَنَّ الْفَصَاحَةَ لِقُرَیْشٍ غَیْرُهٗ. وَ یَكْفِیْ هٰذَا الْكِتَابُ الَّذِیْ نَحْنُ شَارِحُوْهُ دَلَالَةً عَلٰی اَنَّهٗ لَا یُجَارٰی فِی الْفَصَاحَةِ وَ لَا یُبَارٰی فِی الْبَلَاغَةِ.

اور جب محقن بن ابی محقن نے (خوشامد میں (معاویہ سے کہا کہ: میں سب سے زیادہ گنگ شخص کے پاس سے آیا ہوں، معاویہ نے کہا کہ: وائے ہو تم پر! وہ گنگ کیونکر کہے جاسکتے ہیں، حالانکہ خدا کی قسم فصاحت کا راستہ قریش کو سوا ان کے کسی اور نے نہیں دکھایا ہے۔ اور یہی کتاب جس کی ہم شرح لکھ رہے ہیں اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ حضرتؑ فصاحت میں وہ بلند درجہ رکھتے ہیں کہ کوئی آپؑ کے ساتھ نہیں چل سکتا اور بلاغت میں آپؑ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ مذکور دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں:

اِنَّ كَثِیْرًا مِنْ فُصُوْلِهٖ دَاخِلٌ فِیْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ الْمُحَمَّدِیَّةِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَی الْاَخْبَارِ الْغَیْبِیَّةِ وَ خُرُوْجِهَا مِنْ وُسْعِ الطَّبِیْعَةِ الْبَشَرِیَّةِ.

اس کتاب کے اکثر مقامات حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ کہے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ غیبی خبروں پر مشتمل ہیں اور انسانی طاقت کے حدود سے باہر ہیں۔

حالانکہ علامہ ابن ابی الحدید اپنے معتقدات میں جو شیعیت کے خلاف ہیں پورے

راسخ ہیں اور اس لیے نہج البلاغہ میں جہاں جہاں ان کے معتقدات کے خلاف چیزیں ہیں، ان کو کافی زحمت درپیش ہوئی ہے، مگر اس کے باوجود کسی ایک مقام پر بھی وہ اس شک وشبہ کا اظہار نہیں کرتے کہ یہ شاید امیرالمومنینؑ کا کلام نہ ہو، بلکہ خطبہ شقشقیہ تک میں جو سب سے زیادہ ان کے جذبات کے خلاف مضامین پر مشتمل ہے، وہ اس امر کو بقوت تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ہے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کلام ضرور، اور اس کے خلاف ہر تصور کو دلائل کے ساتھ رد کر دیتے ہیں۔ انہوں نے خطبہ کی (شرح ہی (میں کہا کہ: {قَدَّمَ الْمَفْضُوْلَ عَلَى الْفَاضِلِ}: ''خدا نے (معاذ اللہ! (کسی مصلحت سے غیر افضل کو افضل پر مقدم کر دیا''، اور اسی طرح خطبہ شقشقیہ وغیرہ کی تشریحات میں انہوں نے اپنے معتقدات کا اظہار کر دیا ہے اور امیرالمومنینؑ کے الفاظ کو معاذ اللہ! آپؑ کے بشری جذبات کا تقاضا قرار دیا ہے۔

یہ امور اس تصور کو ختم کر دیتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب میں اس شیعہ رئیس کی خوشامد مدنظر رکھی ہے جس کے نام پر انہوں نے یہ شرح معنون کی تھی۔ ابن العلقمی شیعہ ضرور تھے، مگر وہ سلطنت بنی عباس کے وزیر تھے اور یہ کتاب دولت عباسیہ کے سقوط سے پہلے ان کے دور وزارت میں لکھی گئی ہے۔ اوّل تو اگر خوشامد مدنظر ہوتی تو وزیر کے بجائے خود خلیفہ کے جذبات کا لحاظ کرنا زیادہ ضروری ہوتا۔ دوسرے ظاہر ہے کہ سلطنت عباسیہ کے وزیر ہونے کی بنا پر خود ابن العلقمی بھی کھل کر ایسے شخص کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے تھے جو حکومت وقت کے مذہب کے موافق کوئی بات کہے نہ وہ خود ہی ایسے جذبات کا علانیہ اظہار کرتے تھے۔ پھر اگر ان کی خوشامد ہی پیش نظر ہوتی تو ابن ابی الحدید اس کتاب میں شیعیت کی رد کیوں کرتے اور خلافت ثلاثہ کو شروع سے لے کر آخر تک بقدر امکان مضبوط کرنے کی کوشش کس لئے کرتے۔

ان کا یہ طرزِ عمل صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں اپنے حقیقی خیالات اور

جذبات کو برابر پیش نظر رکھا ہے۔ وہ اگر نہج البلاغہ کی صحت میں ذرا سا شک وشبہ کا بھی اظہار کر دیتے تو وہ اس سے زیادہ ابن العلقمی کے لیے تکلیف دہ نہیں ہوسکتا تھا جتنا خدا کی طرف اس غلط کام کو منسوب کرنا کہ "وہ مفضول کو فاضل پر ترجیح دے دیتا ہے" یا امیر المومنین علیہ السلام کے اقوال کو معاذ اللہ! نفسانیت پر محمول کرنا جو خطبہ شقشقیہ وغیرہ کی شرح میں انہوں نے لکھ ڈالا ہے، بلکہ ایک شیعہ کے لیے ان الفاظ کے کلام امیر المومنینؑ ہونے سے انکار کر دینا اتنا صدمہ نہیں پہنچا سکتا اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی اتنی بڑی توہین نہیں ہے جتنا یہ تصور کرنا کہ حضرتؑ نے معاذ اللہ! حقیقت کے خلاف صرف اپنی ذاتی رنجش کی بنا پر یہ الفاظ فرما دیئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہرگز ابن ابی الحدید کو ابن العلقمی کی کوئی خاطر داری اظہارِ خیالات میں پیش نظر نہ تھی اور اس کتاب پر ابن العلقمی نے اگر کوئی انعام دیا ہو تو یہ صرف ان کے وسعت صدر اور وسعت نظر اور تحمل کا ثبوت ہے کہ انہوں نے ایک مخالفِ مذہب کے ایک علمی کارنامے کی صرف علمی کارنامہ ہونے کی بنا پر قدر کی جو کہ ان کے خود عقائد وخیالات سے متضاد مضامین پر بھی مشتمل تھا۔ میرے خیال میں تو ابن ابی الحدید نے اپنی سنّیت کو اس کتاب میں اتنا ضرورت سے زیادہ طشت از بام کیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی رورعایت کا تصور بھی پیدا ہونا غلط ہے۔

۳) ابوالسعادات مبارک مجد الدین ابن اثیر جزری

ابوالسعادات مبارک مجد الدین ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ ھ نے اپنی مشہور کتاب نہایہ میں جو احادیث وآثار کے لغات کی شرح کے موضوع پر ہے، کثیر التعداد مقامات پر نہج البلاغہ کے الفاظ کو حل کیا ہے۔ ابن اثیر کی حیثیت فقط ایک عام لغوی کی نہیں ہے بلکہ وہ محدث بھی ہیں۔ اگر صرف ادبی اہمیت کے لحاظ سے ان کو ان الفاظ کا حل کرنا ہی ضروری تھا تو وہ اس کو نہج البلاغہ کا نام لکھ کر درج کرتے، پھر واقعہ تو یہ ہے کہ اگر اس کو وہ کلام امیر

المومنینؑ سمجھتے ہی نہ، تو انہیں اس کتاب میں جو صرف احادیث اور آثار کے حل کے لیے لکھی گئی ہے، ان لغات کو جگہ ہی نہ دینا چاہیے تھی، کیونکہ اصطلاحی طور پر "اثر" صرف صحابہ اور ممتاز تابعین کی زبان سے نکلے ہوئے اقوال کو کہتے ہیں۔ کسی متاخر عالم کی کتاب کے الفاظ نہ "حدیث" میں داخل ہیں اور نہ "اثر" میں۔ ان کا ان الفاظ کو جگہ دینا ہی اس کا ثبوت ہے کہ وہ اس کو سید رضیؒ کا کلام نہیں سمجھتے، بلکہ کلام امیر المومنینؑ قرار دیتے ہیں۔

پھر یہ کہ ان لغات کو درج کرنے میں ہر مقام پر تصریحاً وہ حدیث علیؑ کے لفظ کا استعمال کرتے ہیں، جیسے لغت "جوی" میں "مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ"، یونہی "فَتَقَ الْاَجْوَاءِ وَ شَقَّ الْاَرْجَاءِ"[۱] میں زیادہ تر ان الفاظ کا تذکرہ "حَدِيْثُ عَلِيٍّ" کے لفظوں کے ساتھ ہے اور کہیں پر "خُطْبَةُ عَلِيٍّ" ہے، جیسے لغت "لوط" میں "فِيْ خُطْبَةِ عَلِيٍّ: وَ لَاطَهَا بِالْبِلَّةِ حَتّٰى لَزَبَتْ"[۲]، ایک جگہ لغت "ایم" میں یہ الفاظ ہیں: "كَلَامُ عَلِيٍّ: مَاتَ قَيِّمُهَا وَ طَالَ تَاَيُّمُهَا"[۳]۔ اسی طرح لغت "اسل" میں "فِيْ كَلَامِ عَلِيٍّ" کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی دو ایک جگہ اور باقی تمام مقامات پر "حَدِيْثُ عَلِيٍّ" لکھا ہے اور جو مکاتیب کے الفاظ ہیں انہیں "كِتَابُ عَلِيٍّ" کہہ کر درج کیا ہے۔ ان تمام مقامات کو استقصاء کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب "نہج البلاغہ کا استناد" میں درج کیا ہے جو امامیہ مشن لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۴) علامہ سعد الدین تفتازانی

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

وَ اَيْضًا هُوَ اَفْصَحُهُمْ لِسَانًا عَلٰى مَا يَشْهَدُ بِهٖ كِتَابُ

---

۱ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۔

۲ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۔

۳ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۶۹۔

نَهْجِ الْبَلَاغَةِ.

حضرتؑ سب سے زیادہ فصیح اللسان بھی تھے، جس کی گواہی کتاب ''نہج البلاغہ'' دے رہی ہے۔[1]

۵) جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی مصری

جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ، انہوں نے بھی نہایہ کی طرح اپنی عظیم الشان کتاب لسان العرب میں مندرجہ الفاظ کو ''کَلَامُ عَلِیٍّ'' کہتے ہوئے حل کیا ہے۔

۶) علامہ علاء الدین قوشجی

علامہ علاء الدین قوشجی متوفی ۸۷۵ھ شرح تجرید میں قول محقق طوسی ''اَفْصَحُهُم لِسَانًا'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

عَلٰی مَایَشْهَدُ بِهٖ کِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ قَالَ الْبُلَغَآءُ: اِنَّ کَلَامَهٗ دُوْنَ کَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ کَلَامِ الْمَخْلُوْقِ.

جس کی شاہد ہے آپ کی کتاب ''نہج البلاغہ'' اور اہل بلاغت کا قول ہے کہ:

''آپؑ کا کلام خالق کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے''۔[2]

۷) محمد بن علی بن طباطبائی معروف بہ ابن طقطقی

محمد بن علی بن طباطبائی معروف بہ ابن طقطقی اپنی کتاب تاریخ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، مطبوعہ مصر، ص ۹ میں لکھتے ہیں:

عَدَلَ نَاسٌ اِلٰی نَهْجِ الْبَلَاغَةِ مِنْ کَلَامِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ

---

[1] شرح مقاصد، ج ۵، ص ۲۹۹۔

[2] شرح تجرید، قوشجی، ص ۳۷۸۔

عَلِيِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ. فَاِنَّهُ الْكِتَابُ الَّذِیْ يُتَعَلَّمُ مِنْهُ الْحِكَمُ وَ الْمَوَاعِظُ وَالْخُطَبُ وَ التَّوْحِيْدُ وَالشَّجَاعَةُ وَ الزُّهْدُ وَ عُلُوُّ الْهِمَّةِ وَ اَدْنٰی فَوَآئِدِهِ الْفَصَاحَةُ وَ الْبَلَاغَةُ.

بہت سے لوگوں نے کتاب ''نہج البلاغہ'' کی طرف توجہ کی جو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کلام ہے، کیونکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس سے حکم اور مواعظ اور توحید اور زہد اور علو ہمت، ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا سب سے ادنیٰ فیض فصاحت و بلاغت ہے۔

۸) علامہ محدث ملا طاہر فتنی گجراتی

علامہ محدث ملا طاہر فتنی گجراتی، انہوں نے بھی مجمع بحار الانوار، نہایہ کی طرح احادیث و آثار کے لغات ہی کی شرح میں لکھی ہے اور انہوں نے بھی الفاظ نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین علیہ السلام تسلیم کرتے ہوئے ان کی شرح کی ہے۔

۹) علامہ احمد بن منصور کازرونی

علامہ احمد بن منصور کازرونی اپنی کتاب مفتاح الفتوح میں امیر المومنین علیہ السلام کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَمَنْ تَاَمَّلَ فِیْ كَلَامِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ خُطَبِهٖ وَ رِسَالَاتِهٖ. عَلِمَ اَنَّ عِلْمَهٗ لَا يُوَازِیْ عِلْمَ اَحَدٍ وَّ فَضَآئِلُهٗ لَا تُشَاكِلُ فَضَآئِلَ اَحَدٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ مِنْ جُمْلَتِهَا كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ، وَ اَيْمُ اللّٰهِ! لَقَدْ وَقَفَ دُوْنَهٗ فَصَاحَةُ الْفُصَحَآءِ وَ بَلَاغَةُ الْبُلَغَآءِ وَ حِكْمَةُ

اَلْحُکَمَآءُ.

جو حضرتؑ کے کلام اور خطوط اور خطبوں اور تحریروں پر غور کی نگاہ ڈالے، اسے معلوم ہوگا کہ حضرتؑ کا علم کسی دوسرے کے علم کی طرح اور حضرتؑ کے فضائل پیغمبرؐ کے بعد کسی دوسرے کے فضائل کے قبیل سے نہیں تھے۔ (یعنی بدرجہا زیادہ تھے (اور انہی میں سے کتاب ''نہج البلاغہ'' ہے۔[1] اور خدا کی قسم! آپؑ کی فصاحت کے سامنے تمام فصحاء کی فصاحت اور بلیغوں کی بلاغت اور حکمائے روزگار کی حکمت مفلوج و معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔

۱۰) علامہ یعقوب لاہوری

علامہ یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں ''افصح'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَمَنْ اَرَادَ مُشَاهَدَةَ بَلَاغَتِهٖ وَ مُسَامَعَةَ فَصَاحَتِهٖ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّنْسَبَ هٰذَا الْكَلَامُ الْبَلِيْغُ اِلٰى رَجُلٍ شِيْعِيٍّ.

جو شخص آپؑ کی فصاحت کو دیکھنا اور آپ کی بلاغت کو سننا چاہتا ہو، وہ ''نہج البلاغہ'' پر نظر کرے اور ایسے فصیح و بلیغ کلام کو کسی شیعہ عالم کی طرف منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔

۱۱) علامہ شیخ احمد ابن المصطفیٰ معروف بہ طاشکیری زادہ

علامہ شیخ احمد ابن المصطفیٰ معروف بہ طاشکیری زادہ اپنی کتاب ''شقائق نعمانیہ فی علماء

---

[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ: مصنف کے پیش نظر یہ حقیقت تھی کہ حضرتؑ کے کلام کا ذخیرہ "نہج البلاغہ" کے علاوہ بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے اور یہ صرف اس کا ایک جز ہے۔

دولۃ عثمانیہ''، قاضی قوام الدین یوسف کی تصانیف کی فہرست میں لکھتے ہیں:

وَ شَرْحُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْإِمَامِ الْهُمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهٗ.

۱۲) مفتی دیار مصریہ علامہ شیخ محمد عبدہ

مفتی دیار مصریہ علامہ شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ جن کی اس سعی جمیل کے مشکور ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے مصر اور بیروت وغیرہ اہل سنت کے علمی مرکزوں کو نہج البلاغہ کے فیوض سے بہرہ مند بنانے کا سامان کیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کے سبب سے اس جلیل القدر کتاب کا تعارف ہو سکا، انہوں نے نہج البلاغہ کو اپنے تفسیری حواشی کے ساتھ مصر میں چھپوایا جس کے بہت سے ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں، وہ اپنے اس مقدمہ میں جو شروع کتاب میں درج کیا ہے، اپنی اس دہشت و حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جو نہج البلاغہ کے حقائق آگیں عبارات سے ان پر طاری ہوئی ہے، تحریر کرتے ہیں:

كَانَ يُخَيَّلُ اِلَيَّ فِيْ كُلِّ مَقَامٍ اَنَّ حُرُوْبًا شُبَّتْ، وَ غَارَاتٍ شُنَّتْ، وَ اَنَّ لِلْبَلَاغَةِ دَوْلَةً وَّ لِلْفَصَاحَةِ صَوْلَةً، وَ اَنَّ لِلْاَوْهَامِ عَرَامَةً وَّ لِلرَّيْبِ دَعَارَةً، وَ اَنَّ جَحَافِلَ الْخِطَابَةِ، وَ كَتَآئِبَ الذَّرَابَةِ، فِيْ عُقُوْدِ النِّظَامِ، وَ صُفُوْفِ الْاِنْتِظَامِ، تَنَافَحَ بِالصَّفِيْحِ الْاَبْلَجِ وَ الْقَوِيْمِ الْاَمْلَجِ، وَ تَمْتَلِجُ الْمُهَجُ بِرَوَاضِعِ الْحُجَجِ، فَتَفُلَّ مِنْ دَعَارَةِ الْوَسَاوِسِ وَ تُصِيْبُ مَقَاتِلَ الْخَوَانِسِ، فَمَا اَنَا اِلَّا وَ الْحَقُّ مُنْتَصِرٌ، وَ الْبَاطِلُ مُنْكَسِرٌ، وَ مَرَجَ الشَّكُّ فِيْ

خُمُوْدٍ وَ هَرَجَ الرَّيْبُ فِيْ رُكُوْدٍ. وَ اَنَّ مُدَبِّرَ تِلْكَ الدَّوْلَةِ.وَ بَاسِلَ تِلْكَ الصَّوْلَةِ. هُوَ حَامِلُ لِوَآئِهَا الْغَالِبِ. اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ عليه السلام.

ہر مقام پر (اس کے اثناء مطالعہ میں (مجھے ایسا تصور ہو رہا تھا کہ جیسے لڑائیاں چھڑی ہوئی ہیں، نبرد آزمائیاں ہو رہی ہیں، بلاغت کا زور ہے اور فصاحت پوری قوت سے حملہ آور ہے، توہمات شکست کھا رہے ہیں، شکوک و شبہات پیچھے ہٹ رہے ہیں، خطابت کے لشکر صف بستہ ہیں، طلاقت لسان کی فوجیں شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں مصروف ہیں، وسوسوں کا خون بہایا جا رہا ہے اور توہمات کی لاشیں گر رہی ہیں اور ایک دفعہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بس حق غالب آ گیا اور باطل کی شکست ہوگئی اور شک و شبہ کی آگ بجھ گئی اور تصورات باطل کا زور ختم ہو گیا اور اس فتح و نصرت کا سہرا اس کے علمبردار اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سر ہے۔

بَلْ كُنْتُ كُلَّمَا انْتَقَلْتُ مِنْ مَّوْضِعٍ اِلٰى مَوْضِعٍ اُحِسُّ بِتَغَيُّرِ الْمَشَاهِدِ. وَ تَحَوُّلِ الْمَعَاهِدِ:

بلکہ اس کتاب کے مطالعہ میں جتنا جتنا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا، میں نے مناظر کی تبدیلی اور مواقف کے تغیر کو محسوس کیا:

فَتَارَةً كُنْتُ اَجِدُنِيْ فِيْ عَالَمٍ يَّعْمُرُهٗ مِنَ الْمَعَانِيْ اَرْوَاحٌ عَالِيَةٌ. فِيْ حُلَلٍ مِّنَ الْعِبَارَاتِ الزَّاهِيَةِ. تَطُوْفُ عَلَى النُّفُوْسِ الزَّاكِيَةِ. وَ تَدْنُوْ مِنَ الْقُلُوْبِ الصَّافِيَةِ. تُوْحِيْ اِلَيْهَا رَشَادُهَا. وَ تَقُوْمُ مِنْهَا مُرَادُهَا. وَ تَنْفِرُ بِهَا عَنْ

مَدَاحِضِ الْمَزَالِ. اِلٰی جَوَادِ الْفَضْلِ وَ الْكَمَالِ.

کبھی میں اپنے کو ایسے عالم میں پاتا تھا جہاں معانی کی بلند روحیں خوش نما عبارتوں کے جامے پہنے ہوئے پاکیزہ نفوس کے گرد چکر لگاتی اور صاف دلوں کے نزدیک آ کر انہیں سیدھے رستے پر چلنے کا اشارہ کرتی اور نفسانی خواہشوں کا قلع قمع کرتی اور لغزشِ مقامات سے متنفر بنا کر فضیلت و کمال کے راستوں کا سالک بناتی ہیں،

وَ طَوْرًا كَانَتْ تَتَكَشَّفُ لِيَ الْجُمَلُ عَنْ وُّجُوْهٍ بَاسِرَةٍ. وَ اَنْيَابٍ كَاشِرَةٍ. وَ اَرْوَاحٍ فِيْۤ اَشْبَاحِ النُّمُوْرِ. وَ مَخَالِبِ النُّسُوْرِ. قَدْ تَحَفَّزَتْ لِلْوِثَابِ. ثُمَّ انْقَضَّتْ لِلْاِخْتِلَابِ. فَخَلَبَتِ الْقُلُوْبَ عَنْ هَوَاهَا. وَ اَخَذَتِ الْخَوَاطِرَ دُوْنَ مَرْمَاهَا. وَ اغْتَالَتْ فَاسِدَ الْاَهْوَآءِ وَ بَاطِلَ الْاٰرَآءِ۔

اور کبھی ایسے جملے سامنے آ جاتے ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ تیوریاں چڑھائے ہوئے اور دانت نکالے ہوئے ہولناک شکلوں میں آگے بڑھ رہے ہیں اور ایسی روحیں ہیں جو چیتوں کے پیکروں میں اور شکاری پرندوں کے پنجوں کے ساتھ حملہ پر آمادہ ہیں اور ایک دم شکار پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور دلوں کو ان کے ہوا و ہوس کے مرکزوں سے جھپٹ کر لے جاتے ہیں اور ضمیروں کو پست جذبات سے زبردستی علیحدہ کر دیتے اور غلط خواہشوں اور باطل عقیدوں کا قلع قمع کر دیتے ہیں۔

وَ اَحْيَانًا كُنْتُ اَشْهَدُ اَنَّ عَقْلًا نُوْرَانِيًّا لَّا يَشْبَهُ خَلْقًا جَسَدَانِيًّا. فَصَلَ عَنِ الْمَوْكِبِ الْاِلٰهِيِّ وَ اتَّصَلَ بِالرُّوْحِ الْاِنْسَانِيِّ. فَخَلَعَهٗ عَنْ غَاشِيَاتِ الطَّبِيْعَةِ. وَ سَمَا بِهٖ اِلٰی

الْمَلَكُوْتِ الْاَعْلٰى، وَ نَمَا بِهٖ اِلٰى مَشْهَدِ النُّوْرِ الْاَجْلٰى. وَ سَكَنَ بِهٖ اِلٰى عَمَارِ جَانِبِ التَّقْدِيْسِ. بَعْدَ اسْتِخْلَاصِهٖ مِنْ شَوَآئِبِ التَّلْبِيْسِ.

اور بعض اوقات میں ایسے مشاہدہ کرتا تھا کہ ایک نورانی عقل جو جسمانی مخلوق سے کسی حیثیت سے بھی مشابہ نہیں ہے، خداوندی بارگاہ سے الگ ہوئی اور انسانی روح سے متصل ہو کر اسے طبیعت کے پردوں سے اور مادیت کے حجابوں سے نکال لیا اور اسے عالم ملکوت تک پہنچا دیا اور تجلیات ربانی کے مرکز تک بلند کر دیا اور لے جا کر عالم قدس میں اس کو ساکن بنا دیا۔

وَ اٰنَاتٍ كَاَنِّيْٓ اَسْمَعُ خَطِيْبَ الْحِكْمَةِ يُنَادِيْ بِاَعْلِيَآءِ الْكَلِمَةِ. وَ اَوْلِيَآءِ اَمْرِ الْاُمَّةِ. يُعَرِّفُهُمْ مَوَاقِعَ الصَّوَابِ. وَ يُبَصِّرُهُمْ مَوَاضِعَ الْاِرْتِيَابِ. وَ يُحَذِّرُهُمْ مَزَالِقَ الْاِضْطِرَابِ. وَ يُرْشِدُهُمْ اِلٰى دَقَآئِقِ السِّيَاسَةِ. وَ يَهْدِيْهِمْ طُرُقَ الْكِيَاسَةِ. وَ يَرْتَفِعُ بِهِمْ اِلٰى مَنَصَّاتِ الرِّئَاسَةِ وَ يُصْعِدُهُمْ شَرَفَ التَّدْبِيْرِ. وَ يَشْرَفُ بِهِمْ عَلٰى حُسْنِ الْمَصِيْرِ.

اور بعض لمحات میں معلوم ہوتا تھا کہ حکمت کا خطیب صاحبان اقتدار اور قوم کے اہل حل وعقد کو للکار رہا ہے اور انہیں صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کر رہا ہے اور انہیں سیاست کی باریکیاں اور تدبر وحکمت کے دقیق نکتے سمجھا رہا ہے اور ان کی صلاحیتوں کو حکومت کے منصب اور تدبر و سیاست کی اہلیت

پیدا کر کے مکمل بنا رہا ہے۔

اس میں علامہ محمد عبدہ نے جس طرح یقینی طور پر اس کو کلام امیر المومنین علیہ السلام تسلیم کیا ہے، اسی طرح اس کے مضامین کی حقانیت اور اس کے مندرجات کی سچائی کا بھی اعتراف کیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین حق کی فتح اور باطل کی شکست اور شکوک و اوہام کی فنا اور توہمات و وساوس کی بیخ کنی کا سبب ہیں اور وہ شروع سے آخر تک انسانی روح کے لیے روحانیت و طہارت اور جلال و کمال کی تعلیمات کی حامل ہیں۔

علامہ محمد عبدہ کو نہج البلاغہ سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ اسے قرآن مجید کے بعد ہر کتاب کے مقابلہ میں ترجیح کا مستحق سمجھتے تھے اور انہوں نے اپنا یہ اعتقاد بتایا ہے کہ جامعہ اسلامیہ میں اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونا اسلام کی ایک صحیح خدمت ہے اور یہ صرف اس لئے کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام ایسے بلند مرتبہ مصلح عالم کا کلام ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لَيْسَ فِيْ اَهْلِ هٰذِهِ اللُّغَةِ اِلَّا قَآئِلٌ بِاَنَّ كَلَامَ الْاِمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ هُوَ اَشْرَفُ الْكَلَامِ وَ اَبْلَغُهٗ بَعْدَ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ كَلَامِ نَبِيِّهٖ وَ اَغْزَرُهٗ مَادَّةً وَ اَرْفَعُهٗ اُسْلُوْبًا وَ اَجْمَعُهٗ لِجَلَآئِلِ الْمَعَانِيْ. فَاَجْدَرُ بِالطَّالِبِيْنَ لِنَفَآئِسِ اللُّغَةِ وَ الطَّامِعِيْنَ فِي التَّدَرُّجِ لِمَرَاقِيْهَا اَنْ يَّجْعَلُوْا هٰذَا الْكِتَابَ اَهَمَّ مَحْفُوْظِهِمْ وَ اَفْضَلَ مَاْثُوْرِهِمْ مَعَ تَفَهُّمِ مَعَانِيْهِ فِي الْاَغْرَاضِ الَّتِيْ جَآءَتْ لِاَجْلِهَا وَ تَاَمُّلِ اَلْفَاظِهٖ فِي الْمَعَانِي الَّتِيْ صِيْغَتْ لِلدَّلَالَةِ عَلَيْهَا. لِيَصِيْبُوْا بِذٰلِكَ اَفْضَلَ غَايَةٍ وَ يَنْتَهُوْا اِلٰى خَيْرِ نِهَايَةٍ.

اس عربی زبان والوں میں کوئی ایسا نہیں جو اس کا قائل نہ ہو کہ امیر

المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کلام، کلام خدا و کلامِ رسولؐ کے بعد ہر کلام سے بلند تر، زیادہ پر معانی اور زیادہ فوائد کا حامل ہے۔ لہٰذا زبانِ عربی کے نفیس ذخیروں کے طلاب کے لیے یہ کتاب سب سے زیادہ مستحق ہے کہ وہ اسے اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم درجہ پر رکھیں اور اس کے ساتھ ان معانی و مقاصد کے سمجھنے کی کوشش کریں جو اس کتاب کے الفاظ میں مضمر ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ علامہ محمد عبدہ کی یہ کوشش پورے طور پر بار آور بھی ہوئی۔ ایسے تنگ نظری کے ماحول میں جبکہ علمی دنیا کا یہ افسوسناک رویہ ہے کہ خود اہل سنت کی وہ کتابیں جو اہل بیت معصومین علیہم السلام سے یا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے متعلق ہیں، انہیں زیادہ تر ایران کے شیعی مطبعوں نے شائع کیا ہے مگر مصر و بیروت وغیرہ کے علمی مرکزوں نے انہیں کبھی قابل اشاعت نہ سمجھا۔ مثلاً: ''سبط ابن جوزی'' کتب سیر میں پوری علمی جلالت سے یاد کئے گئے ہیں، مگر ان کی کتاب ''تذکرہ'' صرف اس لئے سوادِ اعظم کی بارگاہ میں درخور اعتنا نہیں سمجھی گئی کہ اس میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زیادہ ہیں۔ اسی طرح حافظ نسائی کی خصائص وغیرہ۔ مگر نہج البلاغہ اپنے تمام مندرجات کے باوجود جن سے سوادِ اعظم کو اختلاف ہوسکتا ہے، پھر بھی مصر اور بیروت کے علمی حلقوں میں پوری پوری مقبولیت اور مرکزیت رکھتی ہے۔ اس کے مسلسل ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور مدارس اور یونیورسٹیوں کے نصابوں میں داخل ہے۔ یہ صرف ہندوستان یا پاکستان کی مناظرانہ ذہنیت اور اس کی مسموم فضا ہے کہ یہاں کے مدارس میں اکثر اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے جو خالص شیعی کتاب سے ہونا چاہیے۔

علامہ شیخ محمد عبدہ نے نہ صرف اس کتاب پر حواشی لکھ دیئے اور اسے طبع کر دیا بلکہ وہ

اپنی گفتگوؤں میں برابر اس کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ "مجلۃ الہلال" مصر نے اپنی جلد نمبر ۳۵ کے شمارۂ اول بابت نومبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۸۷ پر چار سوالات علمی طبقہ کی توجہ کے لیے شائع کئے تھے جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ:

مَا هُوَ الْكِتَابُ اَوِ الْكُتُبُ الَّتِيْ طَالَعْتُمُوْهَا فِيْ شَبَابِكُمْ، فَاَفَادَتْكُمْ وَ كَانَ لَهَا اَثَرٌ فِيْ حَيَاتِكُمْ؟

وہ کونسی کتاب یا کتابیں ہیں، جن کا آپ نے دور شباب میں مطالعہ کیا تو انہوں نے آپ کو فائدہ پہنچایا اور ان کا آپ کی زندگی پر اثر پڑا؟

اس سوال کا جواب استاد شیخ مصطفی عبد الرزاق نے دیا ہے جو شمارۂ دوم بابت دسمبر ۱۹۲۶ھ کے صفحہ ۱۵۰ پر شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

طَالَعْتُ بِاِرْشَادِ الْاُسْتَاذِ الْمَرْحُوْمِ الشَّيْخِ مُحَمَّد عَبْدُهٗ دِيْوَانَ الْحِمَاسَةِ وَ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ.

میں نے استاد مرحوم شیخ محمد عبدہ کی ہدایت سے دیوان حماسہ اور نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔

عبد المسیح انطاکی نے بھی جن کی رائے اس کے بعد آئے گی، اس کا ذکر کیا ہے کہ علامہ محمد عبدہ نے مجھ سے فرمایا کہ: "اگر تم چاہتے ہو کہ انشا پردازی کا درجہ حاصل کرو تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو اپنا استاد بناؤ اور ان کے کلام کو اپنے لئے چراغ ہدایت قرار دو"۔

موصوف کا یہ عقیدہ نہج البلاغہ کے متعلق کہ وہ تمام وکمال امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے، اتنا نمایاں تھا کہ ان کے تمام شاگرد جوان کے بعد سے اب تک مصر کے بلند پایہ اساتذہ میں رہے، اس حقیقت سے واقف تھے۔ چنانچہ استاد محمد محی الدین عبد الحمید مدرس کلیہ لغت عربیہ جامعہ ازہر جن کے خود خیالات ان کی عبارت میں اس کے بعد پیش ہوں گے، اپنے شائع

کردہ ایڈیشن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

عَسَیْتُ اَنْ تَسْئَلَ عَنْ رَّاْیِ الْاُسْتَاذِ الْاِمَامِ الشَّیْخِ مُحَمَّد عَبْدُہٗ فِیْ ذٰلِکَ. وَ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ الْکِتَابَ مِنْ مَّرْقَدِہٖ. وَ لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ اَوْسَعَ مِنْہُ اطِّلَاعًا. وَ لَآ اَدَقَّ تَفْکِیْرًا. وَ الْجَوَابُ عَلٰی ھٰذَا التَّسَاؤُلِ: اَنَّا نَعْتَقِدُ اِنَّہٗ رَحِمَہُ اللّٰہُ کَانَ مُقْتَنِعًا بِاَنَّ الْکِتَابَ کُلَّہٗ لِلْاِمَامِ عَلِیٍّ رَّحِمَہُ اللّٰہُ.

ممکن ہے تم اس بارے میں استاد امام شیخ محمد عبدہ کی رائے دریافت کرنا چاہتے ہو جنہوں نے اس کتاب کو خوابِ گمنامی سے بیدار کیا اور ان سے بڑھ کر کوئی وسعتِ اطلاع اور باریکیٔ نگاہ میں مانا بھی نہیں جاسکتا تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام و کمال امیر المومنین علیہ السلام کا کلام سمجھتے تھے۔

علامہ محمد عبدہ کا یہ مقدمہ جس کے اقتباسات ہم نے درج کئے ہیں، خود دنیائے ادبیت میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ سیّد احمد ہاشمی نے اپنی کتاب ''جواہر الادب'' حصہ اول میں صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ پر اسے تمام و کمال درج کر دیا ہے اور اس پر عنوان قائم کیا ہے: وَصْفُ نَھْجِ الْبَلَاغَۃِ لِلْاِمَامِ الْمَرْحُوْمِ الشَّیْخِ مُحَمَّدٍ عَبْدُہُ الْمُتَوَفّٰی ۱۳۲۳ھ۔

۱۳) شیخ مصطفٰی غلا ئینی

ملک عرب کے مشہور مصنف، خطیب اور انشاء پرداز شیخ مصطفٰی غلا ئینی استاذ التفسیر و الفقہ والادب العربیۃ فی الکلیۃ الاسلامیۃ بیروت، اپنی کتاب ارتج الزہر میں زیر عنوان ''نہج البلاغۃ واسالیب الکلام العربی'' ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں:

مِنْ اَحْسَنِ مَا یَنْبَغِیْ مُطَالَعَتُهٗ لِمَنْ یَتَطَلَّبُ الْاُسْلُوْبَ الْعَالِیَ کِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ. وَ هُوَ الْکِتَابُ الَّذِیْ اُنْشِئَتْ هٰذَا الْمَقَالُ لِاَجْلِهٖ. فَاِنَّ فِیْهِ مِنْ بَلِیْغِ الْکَلَامِ وَ الْاَسَالِیْبِ الْمُدْهِشَةِ وَ الْمَعَانِی الرَّائِقَةِ وَ مَنَاحِی الْمَوْضُوْعَاتِ الْجَلِیْلَةِ مَا یَجْعَلُ مُطَالِعَهٗ اِذْ اَزَاوَلَهٗ مُزَاوَلَةً صَحِیْحَةً. بَلِیْغًا فِیْ کِتَابَتِهٖ وَ خِطَابَتِهٖ وَ مَعَانِیْهِ.

بہترین چیز جس کا مطالعہ بلند معیار ادبی کے طلبگاروں کو لازم ہے، وہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کی کتاب نہج البلاغہ ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس کے لیے خاص طور پر یہ مقدمہ لکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں بلیغ کلام اور ششدر کر دینے والے طرز بیان اور خوش نما مضامین اور مختلف عظیم الشان مطالب ایسے ہیں کہ مطالعہ کرنے والا اگر ان کی صحیح مزاولت کرے تو وہ اپنی انشا پردازی، اپنی خطابت اور اپنی گفتگو میں بلاغت کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کتاب سے کثیر التعداد افراد بلکہ اقوام نے استفادہ کیا ہے جن میں سے ایک کاتب الحروف بھی ہے۔ میں ان تمام افراد کو جو عربی کے بلند اسلوب تحریر کے طالب اور کلام بلیغ کے جویا ہوں، اس کتاب کے حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

۱۴) استاد محمد کرد علی

استاد محمد کرد علی رئیس مجمع علمی دمشق نے الہلال کے چار سوالات کے جواب میں، جن میں سے تیسرا سوال یہ تھا کہ: ”مَا هِیَ الْکُتُبُ الَّتِیْ تَنْصَحُوْنَ لِشُبَّانِ الْیَوْمِ بِقِرَاءَتِهَا؟“: ”وہ کونسی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے کی موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کو آپ

ہدایت کرتے ہیں؟'' اس سوال کے جواب میں لکھا ہے:

اِذَا طُلِبَ الْبَلَاغَةُ فِیْ اَتَمِّ مَظَاهِرِهَا وَ الْفَصَاحَةِ الَّتِیْ لَمْ تَشُبْهُهَا عُجْمَةٌ، فَعَلَیْکَ بِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ، دِیْوَانِ خُطَبِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ علیہ السلام وَ رَسَآئِلِهٖ اِلٰی عُمَّالِهٖ. یُرْجَعُ اِلٰی فَصْلِ الْاِنْشَآءِ وَ الْمُنْشِئِیْنَ فِیْ کِتَابِیْ ''اَلْقَدِیْمُ وَ الْحَدِیْثُ''.

اگر بلاغت کا اس کے مکمل ترین مظاہرات کے ساتھ مشاہدہ مطلوب ہو اور اس فصاحت کو جس میں ذرہ بھر بھی زبان کی کوتاہی شامل نہیں ہے، دیکھنا ہو تو تم کو نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنا چاہیے جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خطب و مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''القدیم والحدیث'' مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ء، ''فَصْلُ الْاِنْشَآءِ وَ الْمُنْشِئِیْنَ'' دیکھنا چاہیے۔

یہ جواب ''الہلال'' کی جلد نمبر ۳۵ کے شمارہ نمبر ۵ بابت ماہ مارچ ۱۹۲۷ء میں صفحہ ۵۷۲ پر شائع ہوا ہے۔

۱۵) استاد محمد محی الدین

استاد محمد محی الدین المدرس فی کلیۃ اللغۃ العربیۃ بالجامعۃ الازہر جنہوں نے نہج البلاغہ پر تعلیقات تحریر کئے ہیں اور علامہ شیخ محمد عبدہ کے حواشی برقرار رکھتے ہوئے بہت سے تحقیقات و شرح کا اضافہ کیا ہے اور ان حواشی کے ساتھ یہ کتاب مطبع استقامۃ مصر میں طبع ہوئی ہے، انہوں نے اس ایڈیشن کے شروع میں اپنی جانب سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جس میں نہج البلاغہ کے استناد و اعتبار پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ضروری

اجزا یہاں درج کیے جاتے ہیں:

وَ بَعْدُ! فَهٰذَا كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ، وَ هُوَ مَا اخْتَارَهُ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ اَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمُوْسَوِيُّ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ الَّذِيْ جَمَعَ بَيْنَ دَفَّتَيْهِ عُيُوْنَ الْبَلَاغَةِ وَ فُنُوْنَهَا وَ تَهَيَّأَتْ بِهٖ لِلنَّاظِرِ فِيْهِ اَسْبَابُ الْفَصَاحَةِ وَ دَنَا مِنْهُ قُطَافُهَا. اِذْ كَانَ مِنْ كَلَامِ اَفْصَحِ الْخَلْقِ بَعْدَ الرَّسُوْلِ صلى الله عليه وسلم مَنْطِقًا، وَ اَشَدِّهِمْ اقْتِدَارًا، وَ اَبْرَعِهِمْ حُجَّةً. وَ اَمْلَكِهِمْ لُغَةً. يُدِيْرُهَا كَيْفَ شَآءَ. اَلْحَكِيْمُ الَّذِيْ تَصْدُرُ الْحِكْمَةُ عَنْ بَيَانِهٖ. وَ الْخَطِيْبُ الَّذِيْ يَمْلَأُ الْقَلْبَ سِحْرُ لِسَانِهٖ. اَلْعَالِمُ الَّذِيْ تَهَيَّأَ لَهٗ مِنْ خِلَاطِ الرَّسُوْلِ وَ كِتَابَةِ الْوَحْيِ. وَ الْكِفَاحُ عَنِ الدِّيْنِ بِسَيْفِهٖ وَ لِسَانِهٖ. مُنْذُ حَدَاثَتِهٖ مَا لَمْ يَتَهَيَّأْ لِاَحَدٍ سِوَاهُ. هٰذَا كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ اَنَا بِهٖ حَفِيٌّ مُنْذُ طَرَآءَةِ السِّنِّ وَ مَيْعَةِ الشَّبَابِ. فَلَقَدْ كُنْتُ اَجِدُ وَالِدِيْ كَثِيْرَ الْقِرَآءَةِ فِيْهِ وَ كُنْتُ اَجِدُ عَمِّيَ الْاَكْبَرَ يَقْضِيْ مَعَهٗ طَوِيْلَ السَّاعَاتِ يُرَدِّدُ عِبَارَاتِهٖ وَ يَسْتَخْرِجُ مَعَانِيْهَا وَ يَتَقَبَّلُ اُسْلُوْبَهٗ وَ كَانَ لَهُمَا مِنْ عَظِيْمِ التَّاْثِيْرِ عَلٰى نَفْسِيْ مَا جَعَلَنِيْ اَقْفُوْ اَثَرَهُمَا. فَاَحَلَّهٗ مِنْ قَلْبِي الْمَحَلَّ الْاَوَّلَ وَ اَجْعَلُهٗ سَمِيْرِيَ الَّذِيْ لَا يُمَلُّ وَ اَنِيْسِيَ الَّذِيْ اَخْلُوْا اِلَيْهِ اِذَا عَزَّ الْاَنِيْسُ.

یہ کتاب نہج البلاغہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کلام کا وہ انتخاب ہے جو شریف رضی ابوالحسن محمد بن حسن موسوی نے کیا ہے۔

یہ وہ کتاب ہے جو اپنے دامن میں بلاغت کے نمایاں جوہر اور فصاحت کے بہترین مرقعے رکھتی ہے اور ایسا ہونا ہی چاہیے کیونکہ وہ ایسے شخص کا کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام خلق میں سب سے زیادہ فصیح البیان، سب سے زیادہ قدرتِ کلام کا مالک اور قوت استدلال میں زیادہ اور الفاظ لغت عربی پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والا تھا کہ جس صورت سے چاہتا انہیں گردش دے دیتا تھا اور وہ بلند مرتبہ حکیم جس کے بیان سے حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور وہ خطیب جس کی جادو بیانی دلوں کو بھر دیتی ہے، وہ عالم جس کے لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی روابط اور وحی کی کتابت اور دین کی نصرت میں شمشیر وزبان دونوں سے جہاد کے ابتدائی عمر سے وہ مواقع حاصل ہوئے جو کسی دوسرے کو ان کے سوا حاصل نہیں ہوئے، یہ ہے کتاب نہج البلاغہ! اور میں اپنے عنفوانِ شباب اور ابتدائے عمر ہی سے اس کا گرویدہ رہا ہوں، کیونکہ میں اپنے والد کو دیکھتا تھا کہ وہ اکثر اس کتاب کو پڑھتے تھے اور اپنے بڑے چچا کو بھی دیکھتا کہ وہ گھنٹوں پڑھتے رہتے، اس کے معانی کو سمجھتے رہتے اور اس کے انداز بیان پر غور کرتے رہتے اور ان دونوں بزرگواروں کا میرے دل پر اتنا بڑا اثر تھا جس نے مجھے بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کے لیے مجبور کر دیا اور میں نے اس کتاب کو اپنے قلب میں سب سے مقدم درجہ دے دیا، اسے اپنا مونس تنہائی قرار دیا جو ہمیشہ

میرے لئے دلبستگی کا باعث ہے۔

اس کے بعد علامہ مذکور نے ان اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کا رجحان یہ ہے کہ وہ اسے شریف رضیؒ خود کا کلام قرار دیتے ہیں، ان کے خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں:

کہتے ہیں کہ سب سے اہم اسباب جو اس کتاب کے کلام امیر المومنینؑ نہ ہونے سے متعلق پیش کئے جاتے ہیں، صرف چار ہیں:

پہلے: یہ کہ اس میں اصحاب رسولؐ کی نسبت ایسی تعریضات ہیں جن کا حضرت علی علیہ السلام سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً معاویہ، طلحہ، زبیر، عمرو بن عاص اور ان کے اتباع کے بارے میں سب و شتم تک موجود ہے۔

دوسرے: اس میں لفظی آرائش اور عبارت میں صنعت گری اس حد پر ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں مفقود تھی۔

تیسرے: اس میں تشبیہات و استعارات اور واقعات و مناظر کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا پتہ صدر اسلام میں اور کہیں نہیں ملتا۔ اس کے ساتھ حکمت و فلسفہ کی اصطلاحیں اور مسائل کے بیان میں اعداد کا پیش کرنا یہ باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔

چوتھے: اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علم غیب کے ادّعا کا پتا چلتا ہے جو حضرت علی علیہ السلام ایسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔

موصوف ان خیالات کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب میں سے کسی ایک میں اور ان سب میں مجموعی طور پر بھی کوئی واقعی دلیل، بلکہ دلیل نما شکل بھی اس دعوے کے ثبوت میں نظر نہیں آتی جو ان لوگوں کا مدعا ہے، بلکہ انہیں تو ایسے شکوک و شبہات کا درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا جو کسی حقیقت

کے ماننے میں تھوڑا سا دغدغہ بھی پیدا کر سکتے ہوں اور جن کے رفع کرنے کی ضرورت ہو۔

پھر انہوں نے ایک ایک کر کے ہر بات کو ردّ بھی کیا ہے۔ پہلی بات کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسئلہ خلافت میں طرزِ عمل ہی ایسا اختیار کیا گیا جس سے فطرتاً حضرت علی علیہ السلام کو شکایت ہونا ہی چاہیے تھی اور آپؑ کی خلافت کے دور میں اہل شام نے آپؑ کے خلاف جو بغاوت کی اس سے آپ علیہ السلام کو تکلیف ہونا ہی چاہیے۔ ہر دور کے متعلق آپؑ کے جس طرح کے الفاظ ہیں وہ بالکل تاریخی حالات کے مطابق ہیں، اس لئے اس میں شک وشبہ کا کیا محل ہے؟

دوسری اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا سا مرتبہ فصاحت اور حکمت دونوں میں کسی اور شخص کو حاصل نہیں تھا، تو پھر آپؑ کے کلام کی خصوصیتیں اس دور میں کسی اور کے یہاں مل ہی کیونکر سکتی ہیں۔ رہ گیا سجع وقافیہ کا التزام، وہ آپؑ کے یہاں اس طرح نہیں جس سے آورد ظاہر ہو یا معانی پر اس کا اثر پڑے اور اس حد تک قافیہ وغیرہ کا التزام اس دور میں عموماً رائج تھا۔

چوتھی دلیل کے جواب میں علامہ مذکور نے جو کہا ہے وہ ہمارے مذہبی عقائد کے بے شک مطابق نہیں ہے مگر وہ خود ان کے نقطۂ نظر کا حامل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جسے علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو علی علیہ السلام ایسے حکیم انسان سے بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا، یہ جواب انہوں نے مادی ذہنیت کے مطابق دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر خدا کے دیئے ہوئے علم غیب کا مظاہرہ باعث انکارِ قرار دیا جائے تو اکثر احادیث نبویہ بھی اس زد میں آ جائیں گی اور خدا کی طرف سے علم غیب کا مظاہرہ تو اکثر قرآن کی آیات سے نمودار ہی ہے۔ پھر قرآن کی آیتوں کا بھی انکار کرنا چاہیے اور اگر علم الٰہی کی بنا پر ان آیات کو تسلیم کیا جائے تو اس کے عطا کردہ علم سے علی علیہ السلام

ایسے عالم ربانی کے کلام میں اس طرح کی باتوں کے تذکرہ پر بھی کسی حرف گیری کا موقع نہیں ہے۔

۱۶)استاد شیخ محمد حسن نائل المرصفی

استاد شیخ محمد حسن نائل المرصفی نے بھی نہج البلاغہ کی ایک شرح لکھی ہے، جو دار الکتب العربیہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مقدمہ میں "کلمۃ فی اللغۃ العربیۃ" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

وَ لَقَدْ كَانَ الْمُجَلّٰى فِيْ هٰذِهِ الْحُلْبَةِ عَلِيٌّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ مَا حَسَبَنِيْ اَحْتَاجَ فِيْ اِثْبَاتِ هٰذَا اِلٰى دَلِيْلٍ اَكْثَرَ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. ذٰلِكَ الْكِتَابِ الَّذِيْ اَقَامَهُ اللّٰهُ حُجَّةً وَاضِحَةً عَلٰى اَنَّ عَلِيًّا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ كَانَ اَحْسَنَ مِثَالٍ حَيٍّ لِنُوْرِ الْقُرْاٰنِ وَ حِكْمَتِهٖ وَ عِلْمِهٖ وَ هِدَايَتِهٖ وَ اِعْجَازِهٖ وَ فَصَاحَتِهٖ. اِجْتَمَعَ لِعَلِيٍّ علیہ السلام فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ مَا لَمْ يَجْتَمِعْ لِكِبَارِ الْحُكَمَآءِ وَ اَفْذَاذِ الْفَلَاسِفَةِ وَ نَوَابِغِ الرَّبَّانِيِّيْنَ مِنْ اٰيَاتِ الْحِكْمَةِ السَّامِيَةِ وَ قَوَاعِدِ السِّيَاسَةِ الْمُسْتَقِيْمَةِ وَ مِنْ كُلِّ مَوْعِظَةٍ بَاهِرَةٍ وَّ حُجَّةٍ بَالِغَةٍ تَشْهَدُ لَهٗ بِالْفَضْلِ وَ حُسْنِ الْاَثَرِ. خَاضَ عَلِيٌّ علیہ السلام فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ لُجَّةَ الْعِلْمِ وَ السِّيَاسَةِ وَ الدِّيْنِ. فَكَانَ فِيْ كُلِّ هٰذِهِ الْمَسَآئِلِ نَابِغَةً مُبَرِّزًا.

اس میدان میں سب سے آگے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے اور اس دعویٰ کا سب سے بڑا ثبوت نہج البلاغہ ہے، جسے اللہ نے ایک

واضح حجت اس کی بنایا ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام قرآن کے نور اور حکمت اور علم اور ہدایت اور اعجاز اور فصاحت کی بہترین زندہ مثال تھے۔ اس میں حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے اتنی چیزیں یکجا ہیں جو بڑے حکماء اور یکتائے زمانہ فلاسفہ اور شہرۂ آفاق علمائے ربانیین، ان سب کی زبانی ملا کر بھی یکجا نہیں ملتیں، حکمت کی بلند نشانیاں اور صحیح سیاست کے قواعد، حیرت خیز موعظہ اور موثر استدلال۔ اس کتاب میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے علم سیاست اور دین کے ہر دریا کی غواصی کی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؑ ان میں سے ہر شعبہ میں یکتائے روزگار تھے۔

۱۷) استاد محمد الزہری الغمراوی

استاد محمد الزہری الغمراوی جنہوں نے مرصفی کی مذکورہ بالا شرح پر ایک مقدمہ تحریر کیا ہے، اس میں ''طبقات الفصحاء'' کے عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں:

وَ لَمْ يُنْقَلْ عَنْ اَحَدٍ مِّنْ اَهْلِ هٰذِهِ الطَّبَقَاتِ مَا نُقِلَ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ، فَقَدِ اشْتَمَلَتْ مَقَالَاتُهٗ عَلَى الْمَوَاعِظِ الزُّهْدِيَّةِ وَ الْمَنَاهِجِ السِّيَاسِيَّةِ وَ الزَّوَاجِرِ الدِّيْنِيَّةِ وَ الْحِكَمِ النَّفِيْسَةِ وَ الْاٰدَابِ الْخُلُقِيَّةِ وَ الدُّرَرِ التَّوْحِيْدِيَّةِ وَ الْاِشَارَاتِ الْغَيْبِيَّةِ وَ الرُّدُوْدِ عَلَى الْخُصُوْمِ وَ النَّصَآئِحِ عَلٰى وَجْهِ الْعُمُوْمِ وَ قَدِ احْتَوٰى عَلٰى غُرَرِ كَلَامِهٖ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الَّذِیْ جَمَعَهٗ وَ هَذَّبَهٗ اَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرٍ الْمَشْهُوْرِ بِالشَّرِيْفِ الرَّضِیْ

رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ اَثَابَهُ وَ اَرْضَاهُ.

ان تمام طبقات کے لوگوں میں سے کسی ایک سے بھی وہ کارنامہ نقل ہو کر ہم تک نہیں پہنچا جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی زبانی پہنچا ہے۔ آپؑ کے مقالات، زاہدانہ مواعظ، سیاسی مسلک اور دینی ہدایات، نفیس فلسفی بیانات، اخلاقی تعلیمات، توحید کے جواہر، غیبی اشارات، مخالفین کی ردّ و قدح اور عمومی نصائح پر مشتمل ہیں اور آپؑ کے کلام کے روشن اقتباسات پر مشتمل کتاب نہج البلاغہ ہے جسے ابوالحسن محمد ابن طاہر مشہور بہ شریف رضی رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے۔

۱۸) الاستاذ عبدالوہاب حمودہ

الاستاذ عبدالوہاب حمودہ استاذ الادب الحدیث بکلیۃ الادب جامعۃ فواد الاول مصر نے اپنے مقالہ ''الآراء الاجتماعیہ فی نہج البلاغۃ'' میں جو رسالۃ الاسلام قاہرہ کی جلد ۳، عدد ۳، بابت ماہ رمضان ۱۳۷۰ھ مطابق جولائی ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے، لکھا ہے کہ:

وَ قَدِ اجْتَمَعَ لَهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ كِتَابِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ مَا يَجْتَمِعُ لِكِبَارِ الْحُكَمَآءِ وَ اَفْذَاذِ الْفَلَاسِفَةِ وَ نَوَابِغِ الرَّبَّانِيِّيْنَ مِنْ اٰيَاتِ الْحِكْمَةِ السَّامِيَةِ. قَوَاعِدُ السِّيَاسِيَّةِ الْمُسْتَقِيْمَةِ وَ مِنْ كُلِّ مَوْعِظَةٍ بَاهِرَةٍ. وَ حُجَّةٍ بَالِغَةٍ وَّ اٰرَآءٍ اجْتِمَاعِيَّةٍ. وَ اُسَسٍ حَرْبِيَّةٍ. مِمَّا يَشْهَدُ لِلْاِمَامِ بِالْفَضْلِ وَ حُسْنِ الْاَثَرِ.

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی زبان سے کتاب نہج البلاغہ میں تن تنہا وہ تمام چیزیں اکٹھا ہو گئی ہیں جو اکابر علماء اور یکتائے روزگار

فلاسفہ اور سر برآوردہ علمائے ربانیین سے مجموعی طور پر یکجا کی جاسکتی ہیں، بلند حکمت کی نشانیاں اور صحیح سیاست کے قواعد اور ہر طرح کا حیرت خیز موعظہ اور مؤثر استدلال اور اجتماعی تصورات، یہ سب امیر المومنینؑ کی فضیلت اور بہترین کارگزاری کے بین گواہ ہیں۔

۱۹) علامہ ابونصر

علامہ ابونصر پروفیسر بیروت یونیورسٹی نے اپنی کتاب ''علیؑ ابن ابی طالبؑ'' کی فصل ۳۱ میں امیر المومنینؑ کے آثار عربی میں نہج البلاغہ کا ذکر کیا ہے اور اس ذیل میں لکھا ہے کہ: ''یہ کتاب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی عظیم شخصیت کی مظہر ہے''۔

۲۰) قاضی علی ابن محمد شوکانی

قاضی علی ابن محمد شوکانی صاحب نیل الاوطار نے اپنی کتاب ''اتحاف الاکابر باسانید الدفاتر'' طبع حیدر آباد (باب النون) میں نہج البلاغہ کے لیے اپنی سندِ متصل درج کرتے ہوئے لکھا ہے: نَهْجُ الْبَلَاغَةِ مِنْ كَلَامِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ: (نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہے)

عیسائی محققین

یہ وہ حقیقت ہے، جس کا متعدد عیسائی محققین نے بھی اعتراف کیا ہے:

۱) عبدالمسیح انطاکی صاحب جریدہ ''العمران'' مصر، جنہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت میں اپنی مشہور کتاب ''شرح قصیدہ علویہ'' تحریر کی ہے اور وہ مطبع رعمسیس فجالہ مصر میں شائع ہوئی ہے، وہ اس کے ص ۵۳۹، پر تحریر کرتے ہیں:

لَا جِدَالَ اَنَّ سَيِّدَنَا عَلِيًّا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هُوَ اِمَامُ

الْفُصَحَآءِ وَ اُسْتَاذُ الْبُلَغَآءِ وَ اَعْظَمُ مِنْ خُطَبٍ وَ كُتُبٍ فِيْ حِرَفِ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ الْاَلِبَّآءِ. وَ هٰذَا كَلَامٌ قَدْ قِيْلَ فِيْهِ بِحَقٍ: اِنَّهٗ فَوْقَ كَلَامِ الْخَلْقِ وَ تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ. قَالَ هٰذَا كُلُّ مَنْ عَرَفَ فُنُوْنَ الْكِتَابَةِ وَ اشْتَغَلَ فِيْ صَنَاعَةِ التَّحْبِيْرِ وَ التَّحْرِيْرِ بَلْ هُوَ اُسْتَاذُ الْكُتَّابِ الْعَرَبِ وَ مُعَلِّمُهُمْ بِلَا مَرَآءٍ. فَمَا مِنْ اَدِيْبٍ لَّبِيْبٍ حَاوَلَ اِتْقَانَ صَنَاعَةَ التَّحْرِيْرِ اِلَّا وَ بَيْنَ يَدَيْهِ الْقُرْاٰنُ وَ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ. ذٰلِكَ كَلَامُ الْخَالِقِ وَ هٰذَا كَلَامُ اَشْرَفِ الْمَخْلُوْقِيْنَ. وَ عَلَيْهِمَا يُعَوَّلُ فِي التَّحْرِيْرِ وَ التَّحْبِيْرِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ مَعَاشِرِ الْكَتَبَةِ الْمَجِيْدِيْنَ، وَ لَعَلَّ اَفْضَلَ مَنْ خَدَمَ لُغَةَ قُرَيْشٍ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ الَّذِيْ جَمَعَ خُطَبَ وَ اَقْوَالَ وَ حِكَمَ وَ رَسَآئِلَ سَيِّدِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَفْوَاهِ النَّاسِ وَ اَمَالِيْهِمْ وَ اَصَابَ كُلَّ الْاِصَابَةِ بِاِطْلَاقِهٖ عَلَيْهِ اسْمَ ''نَهْجِ الْبَلَاغَةِ'' وَ مَا هٰذَا الْكِتَابُ اِلَّا صِرَاطُهَا الْمُسْتَقِيْمَ لِمَنْ يُّحَاوِلُ الْوُصُوْلَ اِلَيْهَا مِنْ مَّعَاشِرِ الْمُتَاَدِّبِيْنَ.

اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ سیدنا حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام فصیحوں کے امام اور بلیغوں کے استاد اور عربی زبان میں خطابت اور کتابت کرنے والوں میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت ہیں اور یہ وہ کلام ہے جس کے بارے میں بالکل صحیح کہا گیا ہے کہ: یہ کلام خلق سے بالا اور خالق کلام سے نیچے ہے۔ یہ ہر اس شخص کا قول ہوگا، جس

نے انشاء پردازی کے فنون سے واقفیت حاصل کی ہو اور تحریر کا مشغلہ رکھا ہو، بلکہ آپؑ بلاشبہ تمام عرب انشاء پردازوں کے استاد اور معلم ہیں۔ کوئی ادیب ایسا نہیں ہے جو تحریر کے فن میں کمال حاصل کرنا چاہے، مگر یہ کہ اس کے سامنے قرآن ہوگا اور نہج البلاغہ کہ ایک خالق کا کلام ہے اور دوسرا اشرف المخلوقین کا اور انہی پر اعتماد کرے گا ہر وہ شخص جو چاہے گا کہ اچھے لکھنے والوں میں اس کا شمار ہو۔ غالباً زبان عربی کی خدمت کرنے والوں میں سب سے بڑا درجہ شریف رضیؒ کا ہے جنہوں نے امیرالمومنینؑ کے یہ خطبے اور اقوال اور حکیمانہ ارشادات اور خطوط لوگوں کے محفوظات اور مخطوطات سے یکجا کئے ہیں اور انہوں نے اس کا نام ''نہج البلاغہ'' بھی بہت ٹھیک رکھا۔ بلاشبہ یہ بلاغت کا صراط مستقیم ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس منزل تک پہنچنا چاہے۔[1]

اس کے بعد انہوں نے شیخ محمد عبدہ کی رائے بیان کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ شیخ ابراہیم یازجی نے جو اس آخری دور میں متفقہ طور پر عربی کے کامل انشاء پرداز اور امام اساتذۂ لغت مانے گئے ہیں، مجھ سے فرمایا کہ: مجھے اس فن میں جو مہارت حاصل ہوئی ہے، وہ صرف قرآن مجید اور نہج البلاغہ کے مطالعہ سے۔ یہ دونوں عربی زبان کے وہ خزانہ عامرہ ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

۲) فواد افرام البستانی

استاذ الآداب العربیہ فی کلیۃ القدیس یوسف (بیروت)۔ انہوں نے ایک سلسلہ تعلیمی

[1] ملحمۃ الامام علیؑ، عبدالمسیح الانطاکی، ص ۶۹۹، طبع موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۹۹۱ء۔

کتابوں کا روائع کے نام سے شروع کیا ہے، جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثار قلمی اور تصانیف سے مختصر انتخابات، مصنف کے حالات، کمالات، کتاب کی تاریخی تحقیقات وغیرہ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں ترتیب دیئے ہیں اور وہ کیتھولک عیسائی پریس (بیروت) میں شائع ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ امیرالمومنینؑ اور نہج البلاغہ سے متعلق ہے جس کے بارے میں مؤلف نے اپنے مقدمہ میں تحریر کیا ہے:

اِنَّنَا نَبْدَأُ الْيَوْمَ بِنَشْرِ مُنْتَخَبَاتٍ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِي طَالِبٍ اَوَّلِ مُفَكِّرِي الْاِسْلَامِ.

ہم سب سے پہلے اس سلسلہ کی ابتدا کرتے ہیں کچھ انتخابات کے ساتھ نہج البلاغہ کے جو اسلام کے سب سے پہلے مفکر امام علیؑ ابن ابی طالبؑ کی کتاب ہے۔

اس کے بعد وہ سلسلہ شروع ہوا ہے جو سلسلۂ روائع کی پہلی قسط ہے۔ اس کا پہلا عنوان ہے: ''علی ابن ابی طالبؑ'' جس کے مختلف عناوین کے تحت میں امیرالمومنینؑ کی سیرت اور حضرتؑ کی خصوصیات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ایک عیسائی کی تحریر ہوتے ہوئے پورے طور سے شیعی نقطۂ نظر کے موافق نہ سہی لیکن پھر بھی حقیقت و انصاف کے بہت سے جوہر اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ دوسرا عنوان ہے: ''نہج البلاغہ'' اور اس کے ذیلی عناوین میں ایک عنوان ہے'' جَمْعُهٗ '' اور دوسرا عنوان ہے'' صِحَّةُ نِسْبَتِهٖ ''، اس کے تحت میں لکھا ہے ''نہج البلاغہ'' کے جمع و تالیف کو بہت زمانہ نہیں گزرا تھا کہ بعض اہل نظر اور موٴرخین نے اس کی صحت میں شک کرنا شروع کیا، ان کا پیشرو ابن خلکان ہے، جس نے اس کتاب کو اس کے جامع کی طرف منسوب کیا ہے اور پھر صفدی وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور پھر

شریف رضیؒ کے بسا اوقات اپنے دادا مرتضیٰؒ کے لقب سے یاد کئے جانے کی وجہ سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہو گیا اور وہ ان میں اور ان کے بھائی علی بن طاہر معروف بہ "سید مرتضیٰ" متولد ۹۶۶ء متوفی ۱۰۴۴ء میں فرق کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے نہج البلاغہ کے جمع کو ثانی الذکر کی طرف منسوب کر دیا جیسا کہ جرجی زیدان نے کیا ہے اور بعض لوگوں نے جیسے مستشرق کلیمان نے یہ طرہ کیا کہ اصل مصنف کتاب کا سید مرتضیٰ ہی کو قرار دے دیا۔ ہم جب اس شک کے وجوہ واسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہر پھر کے پانچ امر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے شک کے وہی اسباب تقریباً تحریر کئے ہیں جو اس کے پہلے محی الدین عبدالحمید شارح نہج البلاغہ کے بیان میں گزر چکے ہیں اور پھر انہوں نے ان وجوہ کو رد کیا ہے۔

۳) بیروت کے شہرۂ آفاق مسیحی ادیب اور شاعر **پولس سلامہ** اپنی کتاب "اول ملحمۃ عربیۃ عید الغدیر" میں جو مطبعۃ النسر بیروت میں شائع ہوئی ہے، صفحہ ۷۱، ۷۲ پر لکھتے ہیں:

نہج البلاغہ مشہور ترین کتاب ہے، جس سے امام علی علیہ السلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کتاب سے بالاتر سوا قرآن کے اور کسی کتاب کی بلاغت نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد حسب ذیل اشعار نہج البلاغہ کی مدح میں درج کئے ہیں:

هٰذِهِ الْكَفُّ لِلْمَعَارِفِ بَابٌ مُشْرَعٌ مِنْ مَدِيْنَةِ الْاَسْرَارِ
تَنْثُرُ الدُّرَّ فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ سِفْرِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الْمُخْتَارِ
هُوَ رَوْضٌ مِنْ كُلِّ زَهْرٍ جَنِيٍّ اَطْلَعَتْهُ السَّمَآءُ فِيْ نُوَّارِ
فِيْهِ مِنْ نَضْرَةِ الْوَرْدِ الْعَذَارٰى وَ الْخَزَامٰى وَ الْفُلِّ وَ الْجُلَّنَارِ
فِيْ صَفَآءِ الْيَنْبُوْعِ يَجْرِيْ زُلَالًا كَوْثَرًا رَآئِقًا بَعِيْدَ الْقَرَارِ
تَلْمَحُ الشَّطَّ وَ الضِّفَافَ وَ لٰكِنْ يَا لَعَجْزِ الْعُيُوْنِ فِي الْاَغْوَارِ

یہ معارف وعلوم کا مرکز اور اسرار و رموز کا کھلا ہوا دروازہ ہے۔
یہ نہج البلاغہ کیا ہے، ایک روشن کتاب میں بکھرے ہوئے موتی۔
یہ چنے ہوئے پھولوں کا ایک باغ ہے، جس میں پھولوں کی لطافت،
چشموں کی صفائی اور آبِ کوثر کی شیرینی۔
جس نہر کی وسعت اور کنارے تو آنکھوں سے نظر آتے ہیں
مگر تہہ تک نظریں پہنچنے سے قاصر ہیں۔

مذکورہ بالا ادباء اور محدثین کے کلام سے ''نہج البلاغہ'' کی لفظی اور معنوی اہمیت بھی ضمناً ثابت ہوگئی ہے۔ اب اس کے متعلق مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

اب رہ گیا ہمارے فنی اصول سے اس کتاب کا وہ درجہ جس اعتبار سے ہم اس سے استدلال کر سکتے ہیں تو مجموعی طور پر ہمارے نزدیک اس کتاب کے مندرجات کی نسبت امیر المومنین علیہ السلام کی جانب اسی حد تک ثابت ہے جیسے صحیفہ کاملہ کی نسبت امام زین العابدین علیہ السلام کی جانب یا کتب اربعہ کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف یا معلقات سبعہ کی نسبت ان کے نظم کرنے والوں کی جانب۔ رہ گیا خصوصی عبارات اور الفاظ میں سے ہر ایک کی نسبت اطمینان، وہ اسلوب کلام اور انداز بیان سے وابستہ ہے اور ان مندرجات کی مطابقت کے اعتبار سے ہے، ان ماخذوں کے ساتھ جو صحیح طور پر ہمارے یہاں مسلم الثبوت ہیں۔

اصطلاحی حیثیت سے قدماء کی تعریف کے مطابق جو صحت خبر کے لیے وثوق بالصدور کو کافی سمجھتے ہیں ان شرائط کے بعد اس کا ہر جز صحیح کی تعریف میں داخل ہے اور متاخرین کی اصطلاح کے مطابق جو صحت کو باعتبار صفات راوی قرار دیتے ہیں، نہج البلاغہ کے مندرجات کو مرسلات کی حیثیت حاصل ہے۔ مرسلات کی اہمیت ارسال کرنے والے کی شخصیت کے

اعتبار سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ابن ابی عمیر اور بعض جلیل القدر اصحاب کے بارے میں علماء نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ان تک جب خبر کی صحت ثابت ہو جائے تو پھر ان کے آگے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کون راوی ہے۔ اس لئے کہ ان کا نقل کرنا خود اس کے اعتبار کی دلیل ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ مرسلات ابن ابی عمیر حکم مسند میں ہیں۔ اس بنا پر خود جناب سیّد رضی اعلی اللہ مقامہ کی جلالت قدر ضرور اسے عام مرسلات سے ممتاز کر دیتی ہے۔ پھر بھی مواعظ وتواریخ وغیرہ کا ذکر نہیں جس میں عقیدہ وعمل ایسی اہمیت نہیں ہے، لیکن مقام اعتقاد وعمل میں ہم نہج البلاغہ کے مندرجات کو اور ادلہ کے ساتھ جو اس باب میں موجود ہوں، اصول تعادل وتراجیح کے معیار پر جانچیں گے اور بعض موقعوں پر ممکن ہے جو مسند حدیث اس موضوع میں موجود ہو اس پر نہج البلاغہ کی روایت کو ترجیح ہو جائے اور بعض مقامات پر ممکن ہے تکافؤ ہو جائے اور بعض جگہ شاید ان دوسرے ادلہ کو ترجیح ہو جائے، لیکن اس سے نہج البلاغہ کی مجموعی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کا وزن اسی طرح برقرار رہتا ہے جس طرح کافی کی بعض حدیثوں کو کسی وجہ سے نظر انداز کرنے کے بعد بھی کافی کا وزن مسلم ہے۔

بہر صورت نہج البلاغہ کی علمی وادبی و مذہبی اہمیت اور اس کے حقائق آگیں مضامین اور اخلاقی مواعظ کا وزن ناقابل انکار ہے، مگر ظاہر ہے کہ نہج البلاغہ سے صحیح فائدہ وہی افراد اٹھا سکتے ہیں کہ جو عربی زبان میں مہارت رکھتے ہوں۔ غیر عربی داں اس خزینۂ عامرہ سے فیض حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی لئے ایرانی فضلاء وعلماء کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اس کے فارسی ترجمے شائع کریں۔ چنانچہ متعدد ترجمے ایران میں اس کے شائع ہوتے رہے اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اردو زبان میں ابھی تک نہج البلاغہ کا کوئی قابل اطمینان ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ بعض ترجمے جو شائع ہوئے، ان میں سے کسی میں اغلاط بہت زیادہ تھے اور کسی میں

عبارت آرائی نے ترجمہ کے حدود کو باقی نہیں رکھا، نیز حواشی میں کبھی خالص مناظرانہ انداز کی بہتات ہو گئی اور کبھی اختصار کی شدت نے ضروری مطالب نظر انداز کر دیئے۔

جناب مولانا مفتی جعفر حسین صاحب جو ہندوستان و پاکستان میں کسی تعارف کے محتاج نہیں اور اپنے علمی کمالات کے ساتھ بلندی سیرت اور سادگی معاشرت میں جن کی ذات ہندوستان و پاکستان میں ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے ان کی یہ کوشش نہایت قابل قدر ہے کہ انہوں نے اس کتاب کے مکمل ترجمہ اور شارحانہ حواشی کے تحریر کا بیڑا اٹھایا اور کافی محنت و عرق ریزی سے اس کام کی تکمیل فرمائی۔ بغیر کسی شک وشبہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک ہماری زبان میں جتنے ترجمے اس کتاب کے اور حواشی شائع ہوئے ہیں، ان سب میں اس ترجمہ کا مرتبہ اپنی صحت، سلاست اور حسن اُسلوب میں یقیناً بلند ہے اور حواشی میں بھی ضروری مطالب کے بیان میں کمی نہیں کی گئی اور زوائد کے درج کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔

بلا شبہ نہج البلاغہ کے ضروری مندرجات اور اہم نکات پر مطلع کرنے کے لیے اس تالیف نے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے جس پر مصنف ممدوح قابل مبارکباد ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صاحبانِ ذوق ہر طبقہ کے اس کتاب کا ویسا ہی خیر مقدم کریں گے جس کی وہ مستحق ہے۔

جَزَى اللّٰهُ مُؤَلِّفَهُ فِي الدَّارَيْنِ خَيْرًا!

علی نقی النقوی

(۴ جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ)

نہج البلاغہ کا استناد

فخر المحققین سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی اعلی اللہ مقامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ آلِہِ الطَّاھِرِیۡنَ۔

صاحب عقل وفراست انسان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کی عظمت کی پہچان رکھتا ہے۔ جو راہیں اُسے کمالِ انسانیت تک پہنچاتی ہیں انہیں تلاش کر کے ان پر گامزن سفر رہتا ہے۔ اس سفر میں کہیں راستہ تاریک ہو تو چراغ راہ کو غنیمت جانتا ہے۔ کوئی کامل راہنما مل جائے تو مضبوطی سے اُس کا دامن تھام لیتا ہے۔ راہ پر پڑے کانٹوں سے الجھتا نہیں بلکہ ان سے پہلو بچا کر منزل کی طرف بڑھ جاتا ہے۔

کمال کی منزلوں پر فائز ایک انسانِ کامل امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات ہے۔ اس ذاتِ گرامی نے ان راہوں کی راہنمائی کے لیے علم کے چراغ روشن کرنا شروع کیے تو کہنے والے نے کہا: یا امیر المومنین آپ کو تو علم غیب حاصل ہے۔ جس پر آپ ہنسے اور فرمایا:

لَیۡسَ ھُوَ بِعِلۡمِ غَیۡبٍ. وَ اِنَّمَا ھُوَ تَعَلُّمٌ مِّنۡ ذِیۡ عِلۡمٍ۔

یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک صاحب علم (رسول اللہؐ) سے سیکھی ہوئی باتیں ہیں۔ (خطبہ:۱۲۶)

آپؑ نے اپنی زندگی کے آخری خطبہ میں خود کو بطور راہنما و امام پیش کیا اور فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ! اِنِّیۡ قَدۡ بَثَثۡتُ لَکُمُ الۡمَوَاعِظَ الَّتِیۡ وَعَظَ الۡاَنۡبِیَآءُ بِھَا اُمَمَھُمۡ. وَ اَدَّیۡتُ اِلَیۡکُمۡ مَآ اَدَّتِ الۡاَوۡصِیَآءُ اِلٰی مَنۡ بَعۡدَھُمۡ۔

اے لوگو! میں نے تمہیں اسی طرح نصیحتیں کی ہیں جس طرح کی انبیاءؑ اپنی اُمتوں کو کرتے چلے آئے ہیں اور ان چیزوں کو تم تک پہنچایا ہے جو اوصیاءؑ بعد والوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۱۸۰)

اسی خطبہ میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

لِلّٰهِ اَنْتُمْ! اَتَتَوَقَّعُوْنَ اِمَامًا غَيْرِيْ يَطَأُبِكُمُ الطَّرِيْقَ، وَ يُرْشِدُكُمُ السَّبِيْلَ؟

اللہ تمہیں سمجھے! کیا میرے علاوہ کسی اور امام کے امیدوار ہو جو تمہیں سیدھی راہ پر چلائے اور صحیح راستہ دکھائے؟۔

امیرالمومنینؑ نے خود کو راہنما و امام ہی نہیں بلکہ چراغِ راہ بھی قرار دیا۔ فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلِيْ بَيْنَكُمْ مَثَلُ السِّرَاجِ فِي الظُّلْمَةِ، يَسْتَضِيْٓءُ بِهٖ مَنْ وَّلَجَهَا. فَاسْمَعُوْا اَيُّهَا النَّاسُ وَعُوْا، وَاَحْضِرُوْٓا اٰذَانَ قُلُوْبِكُمْ تَفْهَمُوْا۔

تمہارے درمیان میری مثال ایسی ہے، جیسے اندھیرے میں چراغ کہ جو اس میں داخل ہو، وہ اس سے روشنی حاصل کرے۔ اے لوگو! سنو اور یاد رکھو اور دل کے کانوں کو (کھول کر) سامنے لاؤ، تاکہ سمجھ سکو۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۵)

امامؑ نے اہل بیت علیہم السلام کو بلندیوں کو پانے کے لیے ہادی و چراغ قرار دیا اور فرمایا:

بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظَّلْمَآءِ، وَ تَسَنَّمْتُمُ الْعَلْيَآءِ، وَ بِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنِ السَّرَارِ۔

ہماری وجہ سے تم نے (گمراہی) کی تیرگیوں میں ہدایت کی روشنی پائی اور رفعت و بلندی کی چوٹیوں پر قدم رکھا اور ہمارے سبب سے اندھیری راتوں کو

اندھیاریوں سے صبح (ہدایت) کے اجالوں میں آ گئے۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۴)

نہج البلاغہ اسی صاحبِ کمال کی راہنمائیوں پر مبنی کلام ہے اور اسی چراغ کی روشنی کا شعلہ ہے۔ اپنے کلام کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں:

وَاِنَّا لَاُمَرَآءُ الْكَلَامِ، وَفِيْنَا تَنَشَّبَتْ عُرُوْقُهٗ، وَعَلَيْنَا تَهَدَّلَتْ غُصُوْنُهٗ۔

اور ہم (اہلبیتؑ) اقلیم سخن کے فرمانروا ہیں۔ وہ ہمارے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے اور اُسکی شاخیں ہم پر جھکی ہوئی ہیں۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۲۳۰)

بُرا ہو زمانے کا جس نے ہمیں اس ہادی و راہنما کے کلام سے بیگانہ بنا دیا۔ اس کلام کے مستند ہونے نہ ہونے کے جھگڑوں میں الجھا دیا۔ توحید کے اس معلّم اور رسولؐ کے اس مطیع کی تعلیمات کے حصول کی راہ میں تفرقہ و تعصب کے کانٹے بچھا دئے۔

نہج البلاغہ اُس ذاتِ گرامی کے خطبات و خطوط اور نصائح و حکمت بھرے کلام کا مجموعہ ہے جن کے لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا۔

میں شہر علم ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں۔

یا آپؐ کا ارشاد ہے:

اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔

میں حکمت کا گھر ہوں علی اُس کا در ہیں۔

بابِ علم و حکمت کے کلام سے استفادے کے لیے ہر دور کے منصف مزاج علماء کوشش کرتے رہے ہیں۔ کبھی ترجمہ تو کبھی حاشیہ اور کبھی شرح تو کبھی درس کی صورت میں اسے علم دوست طبقے تک پہنچاتے رہے ہیں۔ البتہ کچھ افراد نے اس علمی سرمائے پر اختلافات کی دھول

ڈالنے کی بھی کوشش کی ہے۔ سید رضیؒ نے ۴۰۰ھ میں امامؑ کے کلام کو جمع کیا اور نہج البلاغہ کے نام سے قوم کے سامنے یہ تحفہ پیش کیا۔ نہج البلاغہ کے سامنے آنے کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں بہت ہی کمزور انداز سے اس کتاب کو مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ یوں ایک مدت بعد نہج البلاغہ پر اعتراضات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ ان اعتراضات اور شکوک وشبہات کو ہر دور کے شیعہ وسنی علماء نے رد کیا اور امیر المؤمنینؑ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے کام کیا ہے۔

مشہور اہل سنت عالم ابن ابی الحدید المعتزلی متوفی ۶۵۵ھ نے بیس جلدوں میں نہج البلاغہ کی شرح لکھی جو آج بھی علماء کے ہاں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور بارہا شائع ہو چکی ہے۔ سو سال پہلے مصر کے عظیم مفکر اور اتحاد بین المسلمین کے عظیم داعی علامہ مفتی محمد عبدہ مصری متوفی ۱۳۲۳ھ نے نہج البلاغہ کی تعلیمات کو عام کرنے کی جو سعی کی شاید اتنی کسی دور میں نہ ہوئی ہوگی۔ ان کے نہایت علمی مقدمے اور حاشیہ کے ساتھ کئی مما لک سے نہج البلاغہ شائع ہوا اور اب بھی شائع ہو رہا ہے۔

نہج البلاغہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور اس میں موجود علمی خزانوں کو قوم کے سامنے لانے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ برصغیر میں اہل سنت کے مشہور عالم مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی نے نہج البلاغہ کے خطبات کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۷ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو کراچی میں مکمل کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھی اور نہایت ہی ادبی شخصیت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے نومبر ۱۹۵۰ء میں دہلی میں نہج البلاغہ کے خطوط کا ترجمہ مکمل کیا۔ نہج البلاغہ کے آخری حصہ کلمات قصار کا ترجمہ شیعہ عالم دین علامہ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل نے کیا ہے اور ان تین شخصیات کے ترجمہ کو ایک ساتھ لاہور سے اہل سنت پریس شیخ علی اینڈ سنز نے کئی بار شائع کیا۔ اس ترجمہ میں سید رئیس احمد جعفری کا مقالہ "شذرات" اور عبدالرزاق

ملیح آبادی کا مقدمہ "پہلا بول" پڑھنے سے علماء اہل سنت کا نہج البلاغہ کے بارے نظریہ واضح ہوجاتا ہے۔

نہج البلاغہ کے استناد و مصادر کی حیثیت واضح کرنے کے لیے اور اُس پر شکوک وشبہات کی دھول اُڑانے والوں کو آئینہ دکھانے کے لئے برصغیر کی مایہ ناز علمی شخصیت لکھنو کے مجتہد اور علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے سربراہ علامہ سید علی نقی النقوی نے "نہج البلاغہ کا استناد" کے نام سے ایک مقالہ تحریر فرمایا۔ یہ مقالہ آج سے تقریباً ۸۷ سال پہلے شعبان ۱۳۵۷ھ میں امامیہ مشن لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوا۔ اس مقالہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مرکز افکارِ اسلامی کی طرف سے اسے نئی ترتیب کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

علاّمہ علی نقی صاحب کی کتاب کے بعد برصغیر کی ایک فاضل اہل سنت شخصیت، برصغیر کی نہایت ہی علمی سرمایہ کی حامل لائبریری "رضا لائبریری رامپور" کے ۵۰ سال تک نظامت سنبھالنے والے محقق جناب خان امتیاز علی خان عرشی رامپوری نے "استناد نہج البلاغہ" کے نام سے ایک مقالہ لکھا۔ اس لائبریری میں چودہ ہزار سے زیادہ عربی و فارسی خطی نسخے موجود ہیں ہزاروں نایاب یا کمیاب کتابیں موجود ہیں۔ یہ مقالہ پہلی دفعہ مئی ۱۹۵۴ء کو رسالہ فاران کراچی میں شائع ہوا۔ پھر ہفت روزہ شیعہ رسالے "رضا کار" میں اُسی سال شائع ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا عربی ترجمہ شائع کروایا۔ بعد میں اس کا فارسی ترجمہ بھی شائع ہوا۔ اس مقالے میں مسلسل اضافوں کے بعد ۲۵ اپریل ۱۹۷۲ء میں "الحباب پبلشرز لکھنؤ" سے نہج البلاغہ کے عاشق جناب سید انصار حسین رضوی ماہلی نے اسے بہت خوبصورت طریقے سے شائع کرایا۔

علاّمہ سید علی نقی النقوی نے بھی "نہج البلاغہ کا استناد" لکھنے کے بعد اُس میں اضافے جاری رکھے۔ جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ کو اس مقالے کو آخری اضافوں کے ساتھ علاّمہ مفتی جعفر حسینؒ

کے نہج البلاغہ کے ترجمہ کے مقدمہ کے طور پر پیش کیا جو علاّمہ مفتی جعفر حسینؒ کے ترجمہ کی تمام اشاعتوں میں شامل ہے۔ مرکز افکارِ اسلامی کے مطبوعہ نہج البلاغہ میں اسے خوبصورت ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا اور ''اہمیت و عظمت نہج البلاغہ'' کے نام سے الگ بھی شائع ہوا۔ اس مقدمہ میں علامہ علی نقیؒ نے عرشی صاحب کے ''اسناد نہج البلاغہ'' کی تعریف کی ہے۔

(نہج البلاغہ مطبوعہ افکار اسلامی ص ۵۲)

نہج البلاغہ کے اسناد و مصادر کے حوالے سے عربی و فارسی میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ خاص کر سید عبدالزہراء الحسینی الخطیب متوفی ۱۴۱۴ھ کی چار جلدی کتاب "مصادر نہج البلاغہ و اسانیدہ" تکمیل ربیع الآخر ۱۳۸۷ھ کو اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں بہت شہرت ملی۔ اس کتاب میں ہر خطبے، مکتوب اور کلمات قصار کے مصادر پیش کئے گئے۔ اردو میں اس کتاب کے مصادر کو علاّمہ سید ذیشان حیدر جوادی کے ترجمہ نہج البلاغہ کے حاشیہ میں درج کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مشتاق مہدی صاحب نے بھی اپنی کتاب "معرفت نہج البلاغہ" میں ان مصادر کو درج کیا ہے۔

نہج البلاغہ پر ہونے والے اعتراضات کا اردو میں نہایت مدلل اور تفصیلی جواب علاّمہ سبط الحسن الہنسوی نے تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۷۱ھ میں مکمل ہوئی اور لکھنو سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب کمیاب ہے البتہ انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

مرکز افکار اسلامی کی کاوش:

مرکز افکار اسلامی کی طرف سے علامہ مفتی جعفر حسینؒ کا ترجمہ نہج البلاغہ مکمل تحقیق اور نئی تدوین کے ساتھ خوبصورت کاغذ و جلد میں شائع ہوا جسے ملک بھر میں بہت پذیرائی ملی۔ مرکز مختلف ذریعوں سے نہج البلاغہ کی ترویج کے لئے کوشاں ہے۔ جو حضرات جس طرح بھی

کلام امامؑ کو عام کرنے کی اس کوشش میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ مرکز کتابوں کو تجارتی مقاصد کے لئے نہیں بلکہ فقط تعلیم و تبلیغ کی غرض سے شائع کرتا ہے۔ مرکز کی کتابیں لاگت سے بھی کم قیمت پر دستیاب ہیں۔ محبان امامؑ کوشش کریں ان کتابوں کو خریدیں، خود پڑھیں اور دوسروں کو بطور ہدیہ پیش کریں۔ اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے بطور نیاز ان کتابوں کو مجالس و محافل میں تقسیم کریں۔ یہ بہترین صدقہ جاریہ ہے۔

''نہج البلاغہ کا استناد'' اور ''استناد نہج البلاغہ'' کی اہمیت کے پیش نظر مرکز افکار اسلامی ان دونوں رسالوں کو ایک ساتھ شائع کر رہا ہے۔ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں برصغیر کی دو نہایت اہم شخصیات ایک اہل تشیع اور ایک اہل سنت کی کتابیں موجود ہیں۔ دونوں محققین نے اپنی کتابوں میں علّامہ مفتی محمد عبدہ مصری کے نہج البلاغہ کے قدیمی نسخہ کے حوالے دئے ہیں۔ یہ نسخہ عام دستیاب نہیں ہے اس لیے یہاں شیخ محمد عبدہ کے نسخے کے حوالے کے ساتھ مرکز افکارِ اسلامی کے مطبوعہ نہج البلاغہ ترجمہ علّامہ مفتی جعفر حسینؒ کو بریکٹ [] میں درج کر دیا گیا ہے تا کہ نہج البلاغہ کی اصل عبارت تلاش کرنے میں آسانی رہے۔ مرکز افکار اسلامی کے حوالے میں خطبہ نمبر، خط نمبر، حکمت نمبر اور صفحہ نمبر لکھ دیا گیا ہے۔

علامہ علی نقی النقوی نے نہج البلاغہ کی عبارتوں کا اردو ترجمہ نہیں لکھا تھا اس لئے اس اشاعت میں عام استفادے کے مدنظر علامہ مفتی جعفر حسینؒ کا ترجمہ مرکز افکار اسلامی نے اضافہ کیا ہے۔ البتہ امتیاز خان عرشی صاحب نے عربی عبارتوں کا ترجمہ خود شامل کیا تھا جسے باقی رکھا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں کلام امیر المومنینؑ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ اپنی زندگیوں میں ان تعلیمات کو اپنانے کا شرف عطا کرے۔ اس علمی

سرمائے کو اختلافات کے حوالے کرنے کے بجائے اپنی نئی نسل کو اس سے آشنا ہونے کی ہمت دے۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اسرار خودی میں امیرالمومنینؑ کے کلام کے بارے میں کیا خوب فرمایا:

قوّتِ دین مبین فرموده اش　　کائنات آئین پذیر از دوده اش

والسلام

مقبول حسین علوی

مرکز افکار اسلامی ــــ نومبر ۲۰۲۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَآلِہٖ الطَّاھِرِیۡنَ۔

"نہج البلاغہ" ان خطب و مکاتیب اور وصایا و حکم کا نام ہے جو علامہ سید رضی موسوی نے قدیم اور معتبر ترین کتب سے حضرت امیر المؤمنین علیؑ ابن ابیطالبؑ کے کلام سے جمع فرمائے ہیں۔

اگر قوتِ احساس اور ذوقِ بلاغت کوئی چیز ہے اور اگر کسی کتاب کے طرزِ تحریر اور معیارِ عبارت سے کسی مصنف کی طرف اس کی نسبت کے صحت و عدمِ صحت کو دریافت کیا جا سکتا ہے تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح ایک غیر مسلم کے سامنے قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کا بہترین ثبوت اس کا محیر العقول طرزِ بیان اور ہمت شکن اسلوبِ کلام ہے جس سے انسانی طاقتیں عاجز نظر آتی ہیں۔ اسی طرح نہج البلاغہ کے کلامِ امیر المؤمنینؑ ہونے کا بہترین ثبوت اس کا حیرت انگیز معیارِ فصاحت اور عنوانِ بیان ہے جس سے عام انسانوں کی طاقتیں قاصر ہیں۔

اسی بنا پر اگرچہ نہج البلاغہ ایک شیعی عالم کی جمع کی ہوئی کتاب ہے لیکن اس کے کلامِ امیر المؤمنینؑ ہونے کا اعتراف روادار اور وسیع النظر علمائے اہل سنت نے بھی کیا ہے اور انہوں نے اس کتاب کو بہترین ثبوت امیر المؤمنینؑ کے درجہ فصاحت و بلاغت کا قرار دیا ہے۔

وہ کشادہ حوصلگی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ کتاب کلامِ خالق کے ماتحت ہر مخلوق کے کلام سے بلند ہے جن میں سے بعض تصریحات جو سرِ دست ہمارے پیش

نظر ہیں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ معروف بہ ابن ابی الحدید مدائنی بغدادی متوفی ۶۵۵ھ جنہوں نے اس کتاب کی مبسوط شرح لکھی ہے، وہ حضرت امیرؑ کے فضائل ذاتیہ میں فصاحت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اَمَّا الْفَصَاحَةُ فَهُوَ اِمَامُ الْفُصَحَآءِ وَ سَيِّدُ الْبُلَغَآءِ وَ عَنْ كَلَامِهٖ قِيْلَ دُوْنَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَ مِنْهُ تَعَلَّمَ النَّاسُ الْخِطَابَةَ وَ الْكِتَابَةَ۔ قَالَ عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ يَحْيٰى حَفِظْتُ سَبْعِيْنَ خُطْبَةً مِنْ خُطَبِ الْاَصْلَعِ فَفَاضَتْ ثُمَّ فَاضَتْ وَ قَالَ ابْنُ نُبَاتَةَ حَفِظْتُ مِنَ الْخِطَابَةِ كَنْزاً لَا يَزِيْدُهُ الْاِنْفَاقُ اِلَّا سَعَةً وَ كَثْرَةً حَفِظْتُ مِائَةَ فَصْلٍ مِنْ مَوَاعِظِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍؑ وَ لَمَّا قَالَ مِحْقَنُ بْنُ اَبِيْ مِحْقَنٍ لِمُعَاوِيَةَ جِئْتُكَ مِنْ عِنْدِ اَعْيَا النَّاسِ قَالَ لَهٗ وَيْحَكَ كَيْفَ يَكُوْنُ اَعْيَ النَّاسِ فَوَ اللهِ مَا سَنَّ الْفَصَاحَةَ لِقُرَيْشٍ غَيْرُهٗ وَ يَكْفِيْ هٰذَا الْكِتَابُ الَّذِيْ نَحْنُ شَارِحُوْهُ دَلَالَةً عَلٰى اَنَّهٗ لَا يُجَارٰى فِي الْفَصَاحَةِ وَ لَا يُبَارٰى فِي الْبَلَاغَةِ.

"فصاحت کا آپ کی یہ عالم ہے کہ آپ فصحاء کے امام اور بلغاء کے سرگروہ ہیں، آپ ہی کے کلام کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ وہ خالق کے کلام کے نیچے اور تمام مخلوقین کے کلام سے بالاتر ہے اور آپ ہی سے دنیا نے خطابت و کتابت کے فن کو سیکھا۔ عبد الحمید بن یحیی نے کہا کہ میں نے ستر خطبے حضرت علیؑ کے خطبوں

سے یاد کیے تو انہوں نے مجھے فیض پہنچایا اور کتنا فیض پہنچایا۔ اور ابن نباتہ نے کہا ہے کہ میں نے خطابت کا وہ ذخیرہ محفوظ کیا ہے جو صرف ہونے سے بڑھتا ہی جائے گا۔ میں نے سو فصلیں مواعظِ علی ابن ابیطالبؑ میں سے یاد کی ہیں۔ اور جب محقن ابن ابی محقن نے (خوشامد میں) معاویہ سے کہا کہ میں سب سے زیادہ گنگ شخص کے پاس سے آ رہا ہوں تو معاویہ نے کہا کہ خبردار! وہ گنگ کیسے کہے جا سکتے ہیں حالانکہ خدا کی قسم فصاحت کا راستہ قریش کو نہیں دکھایا مگر انہوں نے اور کافی ہے یہی کتاب جس کی ہم شرح لکھ رہے ہیں اس امر کے ثابت کرنے میں کہ حضرت فصاحت میں وہ بلند درجہ رکھتے ہیں کہ کوئی آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا اور بلاغت میں آپ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا"۔

علامہ مذکور دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:

اَنَّ كَثِيْرًا مِنْ فُصُوْلِهٖ دَاخِلٌ فِيْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ الْمُحَمَّدِيَّةِ؛ لِاِشْتِمَالِهَا عَلَى الْاَخْبَارِ الْغَيْبِيَّةِ. وَخُرُوْجِهَا عَنْ وُسْعِ الطَّبِيْعَةِ الْبَشَرِيَّةِ.

اس کتاب کے اکثر مقامات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ کہے جا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ غیبی خبروں پر مشتمل ہیں اور انسانی طاقت کے حدود سے بالاتر ہیں۔

اور خصوصیت سے خطبہ شقشقیہ کے متعلق جو اکثر اشخاص کے اغراضِ مذہبی کے خلاف ہونے کی بناء پر خصوصیت سے شبہات و شکوک کا آماج گاہ بنایا جاتا ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اپنے استاد ابوالخیر مصدق بن شبیب واسطی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے جب اپنے استاد شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد معروف با بن خشاب کے سامنے یہ خطبہ پڑھا تو ان

سے دریافت کیا: اَتَقُوْلُ اَنَّهَا مَنْحُوْلَةٌ؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ خطبہ صحیح نہیں ہے اور بنایا ہوا ہے؟

ابن خشاب نے کہا:

لَا وَاللّٰهِ وَاِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّهَا كَلَامُهٗ كَمَا اَعْلَمُ اَنَّكَ مُصَدَّقٌ.

ہرگز نہیں بلکہ مجھے اس بات کا کہ حضرت علیؑ کا کلام ہے اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات کا کہ تم مصدّق ہو۔

مصدّق نے کہا:

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهَا مِنْ كَلَامِ الرَّضِيِّ.

اکثر لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ وہ خود سید رضی کا لکھا ہوا ہے۔

ابن خشاب نے کہا:

اَنّٰى لِلرَّضِيِّ وَلِغَيْرِ الرَّضِيِّ هٰذَا النَّفَسُ وَهٰذَا الْاَسْلُوْبُ؟ قَدْ وَقَفْنَا عَلٰى رَسَائِلِ الرَّضِيِّ. وَعَرَفْنَا طَرِيْقَتَهٗ وَفَنَّهٗ فِي الْكَلَامِ الْمَنْثُوْرِ. وَمَا يَقَعُ مَعَ هٰذَا الْكَلَامِ فِيْ خَلٍّ وَلَا خَمْرٍ. ثُمَّ قَالَ: وَاللّٰهِ لَقَدْ وَقَفْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْخُطْبَةِ فِيْ كُتُبٍ صُنِّفَتْ قَبْلَ اَنْ يُّخْلَقَ الرَّضِيُّ بِمِائَتَيْ سَنَةٍ. وَلَقَدْ وَجَدْتُّهَا مَسْطُوْرَةً بِخُطُوْطٍ اَعْرِفُهَا. وَاَعْرِفُ خُطُوْطَ مَنْ هُوَ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَاَهْلِ الْاَدَبِ قَبْلَ اَنْ يُّخْلَقَ النَّقِيْبُ اَبُوْ اَحْمَدَ وَالِدُ الرَّضِيِّ.

بھلا رضی یا رضی کے علاوہ کسی اور کو کہاں یہ قدرت اور یہ طرز بیان، ہم نے سید رضی کے خطوط دیکھے ہیں اور ان کے طرز نگارش کو پہچانتے ہیں۔ اس کو اس کلام

سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ خدا کی قسم میں نے اس خطبہ کو ان کتابوں میں دیکھا ہے جو رضی کی پیدائش کے دوسو سال پہلے تصنیف ہوئی ہیں اور میں نے اس کو ایسے علماء وادباء کے خطوط سے لکھا پایا ہے جن کی تحریر کو میں پہچانتا ہوں اور وہ ابواحمد نقیب یعنی سید رضی کے والد کے بھی خلق ہونے کے پہلے تھے۔

اس کے بعد خود علامہ ابن ابی الحدید کا بیان ہے:

وَقَدْ وَجَدْتُ اَنَا كَثِيْرًا مِنْ هٰذِهِ الْخُطْبَةِ فِيْ تَصَانِيْفِ شَيْخِنَا اَبِي الْقَاسِمِ الْبَلَخِيِّ اِمَامُ الْبَغْدَادِيِّيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ. وَكَانَ فِيْ دَوْلَةِ الْمُقْتَدِرِ قَبْلَ اَنْ يُخْلَقَ الرَّضِيُّ بِمُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ. وَوَجَدْتُ اَيْضًا كَثِيْرًا مِنْهَا فِيْ كِتَابِ اَبِيْ جَعْفَرِ بْنِ قُبَةَ اَحَدُ مُتَكَلِّمِيْ الْاِمَامِيَّةِ وَهُوَ الْكِتَابُ الْمَشْهُوْرُ الْمَعْرُوْفُ بِكِتَابِ "اَلْاِنْصَافُ". وَكَانَ اَبُوْ جَعْفَرٍ هٰذَا مِنْ تَلَامِذَةِ الشَّيْخِ اَبِي الْقَاسِمِ الْبَلَخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى. وَمَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ يَكُوْنَ الرَّضِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهِ تَعَالٰى مَوْجُوْدًا.

میں نے اس خطبہ کے اکثر اجزاء شیخ ابوالقاسم بلخی بغدادی کے تصانیف میں دیکھے ہیں جو سید رضی کی پیدائش کے بہت پہلے مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں تھے۔ نیز اکثر اجزاء اس کے ابوجعفر بن قبہؒ کی کتاب "الانصاف" میں دیکھے ہیں۔ یہ فرقہ امامیہ کے متکلم تھے اور شیخ ابوالقاسم بلخی کے تلامذہ میں سے تھے۔ اور اسی زمانہ میں انکا انتقال ہو گیا قبل اس کے کہ علامہ سید رضیؒ عالمِ وجود میں آئیں۔

(۲) ابوالسعادات مبارک مجد الدین ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ میں جنھوں نے اپنی مشہور کتاب (النهاية في غريب الحديث والاثر) میں نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب وکتب کو الفاظ امیر المؤمنینؑ تسلیم کرتے ہوئے ان کے الفاظ کوحل کیا ہے۔ چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے داہنی طرف نہج البلاغہ اور بائیں طرف نہایہ ابن اثیر دونوں کتابیں کھلی رکھی ہیں اور ہم نہج البلاغہ سے سلسلہ وار فقرات نقل کر کے نہایہ ابن اثیر میں ان کا وجود ثابت کرتے ہیں جس کے بعد دیکھنے والے کو کوئی شبہ باقی نہ رہے گا کہ نہج البلاغہ کے مندرجہ عبارات علمائے اسلام کے نزدیک امیر المؤمنینؑ کی طرف صحیح نسبت رکھتے ہیں۔

(۱) نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص ۱۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ مرکز افکار اسلامی خطبہ ۱، ص ۹۲]:

{ثُمَّ اَنْشَاَ سُبْحَانَهُ . فَتْقَ الْاَجْوَآءِ، وَشَقَّ الْاَرْجَآءِ، وَسَكَآئِكَ الْهَوَآءِ. }

پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف واکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں۔

نہایہ لغت؛ (جَوِیَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ فَتْقَ الاَجْوَآءِ، وَشَقَّ الاَرْجَآءِ.

نہایہ لغت؛ (سَكَكَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ شَقَّ الْاَرْجَآءِ، وَسَكَآئِكَ الْهَوَآءِ.

(۲) صفحہ ۲۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱، ص ۹۳]:

{فَرَفَعَهُ فِیْ هَوَآءٍ مُّنْفَتِقٍ. وَجَوٍّ مُّنْفَهِقٍ. }

اللہ تعالیٰ نے وہ جھاگ ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی۔

نہایہ لغت؛ (فَهَقَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ فِیْ هَوَآءٍ مُّنْفَتِقٍ. وَجَوٍّ مُّنْفَهِقٍ.

ایضاً صفحہ ۲۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱، ص ۹۳]:

{بِغَيْرِ عَمَدٍ يَّدْعَمُهَا، وَلَا دِسَارٍ يَّنْظِمُهَا. }

نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی، نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت۔

نہایہ لغت؛(دَسَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ رَفَعَهَا بِغَيْرِ عَمَدٍ يَدْعَمُهَا، وَلَادِسَارٍ يَنْظِمُهَا.

(۳) صفحہ ۲۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱، ص ۹۳]:

{فِيْ فَلَكٍ دَآئِرٍ، وَ سَقْفٍ سَآئِرٍ، وَ رَقِيْمٍ مَآئِرٍ.}

گھومنے والے فلک، چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔

نہایہ لغت؛(رَقَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ فِيْ صِفَةِ السَّمَآءِ: سَقْفٌ سَائِرٌ وَرَقِيْمٌ مَائِرٌ.

(۴) صفحہ ۲۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱، ص ۹۴]:

{تُرْبَةً سَنَّهَا بِالْمَآءِ حَتّٰى خَلَصَتْ، وَ لَاطَهَا بِالْبَلَّةِ حَتّٰى لَزُبَتْ.}

اسے (مٹی کو) پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہو کر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہو گیا۔

نہایہ لغت؛ (لَزِبَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَلَاطَهَا بِالْبَلَّةِ حَتّٰى لَزُبَتْ.

نہایہ لغت؛ (لَوَطَ): فِيْ خُطْبَةِ عَلِيٍّ وَلَاطَهَا بِالْبَلَّةِ حَتّٰى لَزُبَتْ.

(۵) صفحہ ۳۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۹۴]:

{وَ النَّاسُ فِيْ فِتَنٍ اِنْجَذَمَ فِيْهَا حَبْلُ الدِّيْنِ، وَ تَزَعْزَعَتْ سَوَارِي الْيَقِيْنِ، وَاخْتَلَفَ النَّجْرُ وَ تَشَتَّتَ الْاَمْرُ.}

اور لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جہاں دین کے بندھن شکستہ، یقین کے ستون متزلزل، اصول مختلف اور حالات پراگندہ تھے۔

نہایہ لغت؛ (نَجَرَ): وَفِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَاخْتَلَفَ النَّجْرُ، وَتَشَتَّتَ الْاَمْرُ.

(۶) صفحہ ۳۵، خطبہ شقشقیہ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۰]:

{وَ طَفِقْتُ اَرْتَئِيْ بَيْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِيَدٍ جَذَّآءَ، اَوْ اَصْبِرَ عَلٰى

طَخْيَةٍ عَمْيَآءَ۔ }

اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کرلوں۔

نہایہ لغت؛ (جَذَّ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ اَصُوْلُ بِيَدٍ جَذَّآءَ، وَيُرْوٰى بِالْحَآءِ الْمُهْمَلَةِ.

نہایہ لغت؛ (حَذَذَ): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ اَصُوْلُ بِيَدٍ حَذَّآءَ، وَيُرْوٰى بِالْجِيْمِ، وَكَاَنَّهَا بِالْجِيْمِ اَشْبَهُ.

(۷) صفحہ ۳۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۱]:

{فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ اِنْ اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ وَ اِنْ اَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ۔ }

جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے) اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہوا جاتا ہے (جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہوجائے گا) اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ جائے گا۔

نہایہ لغت؛ (شَنَقَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اِنْ اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ.

(۸) صفحہ ۳۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۱]:

{لٰكِنِّيْ اَسْفَفْتُ اِذْ اَسَفُّوْا، وَ طِرْتُ اِذْ طَارُوْا۔ }

مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہوکر پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہوکر اڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں (یعنی حتی الامکان کسی صورت سے نباہ کرتا رہوں)۔

نہایہ لغت؛ (سَفَفَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: لٰكِنِّيْ اَسْفَفْتُ اِذْ اَسَفُّوْا.

(۹) صفحہ ۳۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۱]:

{اِلٰی اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ. نَافِجًا حِضْنَیْهِ بَیْنَ نَثِیْلِهٖ وَ مُعْتَلَفِهٖ.}

یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا۔

نہایہ لغت؛ (نَفَجَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ نَافِجاً حِضْنَیْهِ.

نہایہ لغت؛ (نَثَلَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: بَیْنَ نَثِیْلِهٖ وَ مُعْتَلَفِهٖ.

(۱۰) صفحہ ۴۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۱]:

{قَامَ مَعَهٗ بَنُوْ اَبِیْهِ یَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خَضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِیْعِ.}

اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصلِ ربیع کا چارہ چرتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (خَضَمَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: فَقَامَ اِلَیْهِ بَنُوْ اُمَیَّةَ یَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خَضْمَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِیْعِ.

(۱۱) ایضاً صفحہ ۴۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۲]:

{مُجْتَمِعِیْنَ حَوْلِیْ کَرَبِیْضَةِ الْغَنَمِ.}

وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔

نہایہ لغت؛ (رَبَضَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ وَالنَّاسُ حَوْلِیْ کَرَبِیْضَةِ الْغَنَمِ.

(۱۲) صفحہ ۴۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۲]:

{لٰكِنَّهُمْ حَلِیَتِ الدُّنْیَا فِیْ اَعْیُنِهِمْ. وَرَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا.}

لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انہیں لبھا دیا۔

نہایہ لغت؛ (حلا): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: لٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِي أَعْيُنِهِمْ.

نہایہ لغت؛ (زبرج): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: لٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِي أَعْيُنِهِمْ، وَ رَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا.

(۱۳) ایضاً صفحہ ۴۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۲]:

{أَمَا وَ الَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ.}

دیکھو! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں۔

نہایہ لغت؛ (فلق): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ وَ الَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ.

نہایہ لغت؛ (نسم): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ وَ الَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ.

(۱۴) ایضاً صفحہ ۴۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۲]:

{لَأَلْفَيْتُمْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهِ أَزْهَدَ عِنْدِي مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ.}

اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتنا پاتے۔

نہایہ لغت؛ (عفط): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: وَلَكَانَتْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهِ أَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ.

نہایہ لغت؛ (عطف): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: وَلَكَانَتْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهِ أَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ عَطْفَةِ عَنْزٍ.

(اس قسم کا جزئی اختلاف، اختلافِ نسخ کا نتیجہ ہے، جس سے کوئی قدیمی کتاب محفوظ نہیں ہوا کرتی۔)

(۱۵) صفحہ ۴۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳، ص ۱۱۳]:

{تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ.}

یہ تو "شقشقہ" تھا (گوشت کا وہ نرم لوتھڑا جو اونٹ کے منہ سے مستی و ہیجان کے

وقت نکلتا ہے) جو اُبھر کر دب گیا۔

نہایہ لغت؛(شَقْشَقَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ فِي خُطْبَةٍ لَهُ تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ.

یہاں تک سب خطبہ شقشقیہ کے الفاظ تھے۔

(۱۶) صفحہ ۴۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۵، ص۱۳۱]:

{بَلِ انْدَمَجْتُ عَلٰى مَكْنُوْنِ عِلْمٍ لَوْ بُحْتُ بِهٖ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْاَرْشِيَةِ فِي الطَّوِيِّ الْبَعِيْدَةِ.}

البتہ ایک علم پوشیدہ میرے سینے کی تہوں میں لپٹا ہوا ہے کہ اسے ظاہر کر دوں تو تم اسی طرح پیچ و تاب کھانے لگو جس طرح گہرے کنوؤں میں رسیاں لرزتی اور تھرتھراتی ہیں۔

نہایہ لغت؛ (دمج): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ بَلِ انْدَمَجْتُ عَلٰى مَكْنُوْنِ عِلْمٍ لَوْ بُحْتُ بِهٖ لَاضْطَرَبْتُمْ اضْطِرَابَ الْاَرْشِيَةِ فِي الطَّوِيِّ الْبَعِيْدَةِ.

(۱۷) صفحہ ۴۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷، ص۱۳۵]:

{فَرَكِبَ بِهِمُ الزَّلَلَ. وَ زَيَّنَ لَهُمُ الْخَطَلَ.}

اس نے انہیں خطاؤں کی راہوں پر لگایا ہے اور بُری باتیں سجا کر ان کے سامنے رکھی ہیں۔

نہایہ لغت؛ (خَطَلَ): فِي خُطْبَةِ عَلِيٍّ فَرَكِبَ بِهِمُ الزَّلَلَ. وَ زَيَّنَ لَهُمُ الْخَطَلَ.

(۱۸) صفحہ ۴۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸، ص۱۳۶]:

{فَقَدْ اَقَرَّ بِالْبَيْعَةِ، وَ ادَّعَى الْوَلِيْجَةَ.}

اس نے بیعت کا اقرار کر لیا، لیکن اس کا اِدّعا کہ اس کے دل میں کھوٹ تھا۔

نہایہ لغت؛ (وَلَجَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَقَرَّ بِالْبَيْعَةِ، وَ ادَّعَى الْوَلِيْجَةَ.

(۱۹) صفحہ ۵۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۳، ص ۱۴۴]:

{وَايْمُ اللّٰهِ لَتَغْرَقَنَّ بَلْدَتُكُمْ حَتّٰى كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَسْجِدِهَا كَجُؤْجُؤِ سَفِيْنَةٍ، اَوْ نَعَامَةٍ جَاثِمَةٍ. [وَ فِيْ رِوَايَةٍ] كَجُؤْجُؤِ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ.}

خدا کی قسم تمہارا شہر غرق ہو کر رہے گا، اس حد تک کہ اس کی مسجد کشتی کے اگلے حصے یا سینے کے بل بیٹھے ہوئے شتر کی طرح گویا مجھے نظر آ رہی ہے۔ [ایک اور روایت میں اس طرح ہے] جیسے پانی کے گہراؤ میں پرندے کا سینہ۔

نہایہ لغت؛ (جُؤْجُؤٌ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَسْجِدِهَا كَجُؤْجُؤِ سَفِيْنَةٍ، اَوْ نَعَامَةٍ جَاثِمَةٍ، كَجُؤْجُؤِ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ.

(۲۰) صفحہ ۵۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶، ص ۱۵۳]:

{ذِمَّتِيْ بِمَا اَقُوْلُ رَهِيْنَةٌ، ﴿وَاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ﴾}

اپنے قول کا ذمہ دار اور اس کی صحت کا ضامن ہوں۔

نہایہ لغت؛ (ذَمَمَ) صفحہ: فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: ذِمَّتِيْ رَهِيْنَةٌ، وَاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ.

نہایہ لغت؛ (زَعَمَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: ذِمَّتِيْ رَهِيْنَةٌ، وَاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ.

(۲۱) صفحہ ۵۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶، ص ۱۵۳]:

{وَ الَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً، وَ لَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً.}

اس ذات کی قسم جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق و صداقت کے ساتھ بھیجا! تم بری طرح تہ و بالا کیے جاؤ گے اور اس طرح چھانٹے جاؤ گے جس طرح چھلنی سے

کسی چیز کو چھانا جاتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (بَلْبَلَ) مِنْهُ خُطبَةُ عَلِيٍّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً. وَلَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً.

(۲۲) ایضاً صفحہ ۵۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶، ص ۱۵۴]:

{وَاللّٰهِ! مَا كَتَمْتُ وَشْمَةً وَّلَا كَذَبْتُ كِذْبَةً.}

خدا کی قسم! میں نے کوئی بات پردے میں نہیں رکھی، نہ کبھی کذب بیانی سے کام لیا۔

نہایہ لغت؛ (وَشَمَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَاللّٰهِ! مَا كَتَمْتُ وَشْمَةً.

(۲۳) صفحہ ۵۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶، ص ۱۵۵]:

{لَايَهْلِكُ عَلَى التَّقْوٰى سِنْخُ اَصْلٍ. وَلَايَظْمَأُ عَلَيْهَا زَرْعُ قَوْمٍ.}

وہ اصل واساس، جو تقوی پر ہو برباد نہیں ہوتی اور اس کے ہوتے ہوئے کسی قوم کی کشت (عمل) بے آب وخشک نہیں رہتی۔

نہایہ لغت؛ (سَنَخَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: لَا يَظْمَأُ عَلَى التَّقْوٰى سِنْخُ اَصْلٍ.

یہ بھی اختلافِ نسخہ کا نتیجہ ہے۔

(۲۴) صفحہ ۵۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷، ص ۱۵۸]:

{وَرَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا مُّوْضِعٌ فِيْ جُهَّالِ الْاُمَّةِ. عَادٍ فِيْ اَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ.}

اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو (ادھر ادھر سے) بٹور لیا ہے۔ وہ اُمت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کرتا ہے اور فتنوں کی تاریکیوں میں غافل ومدہوش پڑا رہتا ہے۔

محشی لکھتے ہیں؛ وَيُرْوٰى غَارٍ فِيْ اَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ.

نہایہ لغت؛ (غَبَشَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ قَمَشَ عِلْمًا غَارًّا بِأَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ.

(۲۵) صفحہ ٦) صفحہ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱٦، ص ۱۵۹]:

{يُذْرِي الرِّوَايَاتِ إِذْرَاءَ الرِّيحِ الْهَشِيمَ.}

وہ روایات کو اس طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔

محشی کتاب محمد عبدہ لکھتے ہیں: وَ يُرْوٰى يَذْرُو الرِّوَايَاتِ كَمَا تَذْرُو الرِّيحِ الْهَشِيمَ.

نہایہ لغت؛ (ذَرَا): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ يَذْرُو الرِّوَايَةَ ذَرْوَ الرِّيحِ الْهَشِيمَ.

(۲٦) صفحہ ٦٦ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۲، ص ۱۷۲]:

{أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ ذَمَرَ حِزْبَهُ، وَاسْتَجْلَبَ جَلَبَهُ.}

معلوم ہونا چاہیے کہ شیطان نے اپنے گروہ کو بھڑکانا شروع کر دیا ہے اور اپنی فوجیں فراہم کر لی ہیں۔

نہایہ لغت؛ (ذَمَرَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ ذَمَرَ حِزْبَهُ.

(۲۷) صفحہ ٦۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۲، ص ۱۷۲]:

{هَبِلَتْهُمُ الْهَبُوْلُ، لَقَدْ كُنْتُ وَمَا أُهَدَّدُ بِالْحَرْبِ.}

رونے والیاں ان کے غم میں روئیں! میں تو ہمیشہ ایسا رہا کہ جنگ سے مجھے دھمکایا نہیں جا سکا۔

نہایہ لغت؛ (هَبَلَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ هَبِلَتْهُمُ الْهَبُوْلُ.

(۲۸) ایضاً صفحہ ٦۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۳، ص ۱۷۵]:

{فَإِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ لِاَخِيْهِ غَفِيْرَةً فِيْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ اَوْ نَفْسٍ فَلَا تَكُوْنَنَّ لَهٗ فِتْنَةً.}

لہذا اگر کوئی شخص اپنے کسی بھائی کے اہل و مال ونفس میں فروانی و وسعت پائے تو یہ چیز اس کے لیے کبیدگی خاطر کا سبب نہ بنے۔

نہایہ لغت؛ (غَفَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ لِاَخِيْهِ غَفِيْرَةً فِيْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ فَلَا تَكُوْنَنَّ لَهٗ فِتْنَةً.

(۲۹) ایضاً صفحہ ٦٧ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۳،ص ۱۷۵]:

{فَاِنَّ الْمَرْءَ الْمُسْلِمَ مَا لَمْ يَغْشَ دَنَآءَةً تَظْهَرُ فَيَخْشَعُ لَهَا اِذَا ذُكِرَتْ، وَتُغْرٰى بِهَا لِئَامُ النَّاسِ، كَانَ كَالْفَالِجِ الْيَاسِرِ.}

جب تک کوئی مرد مسلمان کسی ایسی ذلیل حرکت کا مرتکب نہیں ہوتا کہ جو ظاہر ہو جائے تو اس کے تذکرہ سے اسے آنکھیں نیچی کرنا پڑیں اور جس سے ذلیل آدمیوں کی جرأت بڑھے، وہ اس کامیاب جواری کی مانند ہے۔

نہایہ لغت؛ (فَلَجَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اِنَّ الْمُسْلِمَ مَا لَمْ يَغْشَ دَنَآءَةً تَظْهَرُ يَخْشَعُ لَهَا اِذَا ذُكِرَتْ، وَتُغْرٰى بِهَا لِئَامُ النَّاسِ، كَالْيَاسِرِ الْفَالِجِ.

نہایہ لغت؛ (يَسَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اِنَّ الْمُسْلِمَ مَا لَمْ يَغْشَ دَنَآءَةً تَظْهَرُ يَخْشَعُ لَهَا اِذَا ذُكِرَتْ، وَتُغْرٰى بِهَا لِئَامُ النَّاسِ، كَالْيَاسِرِ الْفَالِجِ.

(۳۰) صفحہ ٧٢ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۵،ص ۱۷۸]:

{اَللّٰهُمَّ مِثْ قُلُوْبَهُمْ كَمَا يُمَاثُ الْمِلْحُ فِي الْمَآءِ.}

خدایا! ان کے دلوں کو اس طرح (اپنے غضب سے) پگھلا دے جس طرح نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (مَيَثَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ اَللّٰهُمَّ مِثْ قُلُوْبَهُمْ كَمَا يُمَاثُ الْمِلْحُ فِي الْمَآءِ.

(۳۱) صفحہ ٧٥ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۷،ص ۱۸۲]:

{اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذُّلِّ، وَ شَمْلَةَ الْبَلَاۤءِ، وَدُيِّثَ بِالصَّغَارِ وَ الْقَمَاۤءِ.}

خدا اسے ذلت وخواری کا لباس پہنا اور مصیبت وابتلا کی رداواوڑھا دیتا ہے اور ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرادیا جاتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (دَيثَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ دُيِّثَ بِالصَّغَارِ.

(۳۲) صفحہ ۷۷ [نہج البلاغہ مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۷، ص ۱۸۳]:

{فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِالسَّيْرِ اِلَيْهِمْ فِيْ اَيَّامِ الْحَرِّ قُلْتُمْ: هٰذِهٖ حَمَارَّةُ الْقَيْظِ اَمْهِلْنَا يُسَبَّخْ عَنَّا الْحَرُّ، وَ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِالسَّيْرِ اِلَيْهِمْ فِي الشِّتَاۤءِ قُلْتُمْ: هٰذِهٖ صَبَارَّةُ الْقُرِّ اَمْهِلْنَا يَنْسَلِخْ عَنَّا الْبَرْدُ.}

اگر گرمیوں میں تمہیں ان کی طرف بڑھنے کے لیے کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ انتہائی گرمی کا زمانہ ہے، اتنی مہلت دیجیے کہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے۔ اور اگر سردیوں میں چلنے کے لیے کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے، اتنا ٹھہر جایئے کہ سردی کا موسم گزر جائے۔

نہایہ لغت؛ (حَمَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: حَمَارَّةُ الْقَيْظِ اَيْ شِدَّةُ الْقَيْظِ.

نہایہ لغت؛ (سَبَخَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ اَمْهِلْنَا يُسَبَّخْ عَنَّا الْحَرُّ اَيْ يُخَفَّفُ.

نہایہ لغت؛ (صَبَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: قُلْتُمْ: هٰذِهٖ صَبَارَّةُ الْقُرِّ.

(۳۳) صفحہ ۷۸ [نہج البلاغہ مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۷، ص ۱۸۴]:

{لَقَدْ نَهَضْتُ فِيْهَا وَ مَا بَلَغْتُ الْعِشْرِيْنَ، وَ هَا اَنَا ذَا قَدْ ذَرَّفْتُ عَلَى السِّتِّيْنَ!}

میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب وضرب کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اب تو ساٹھ سے بھی اوپر ہو گیا ہوں۔

محشی کتاب علامہ محمد عبدہ تحریر کرتے ہیں:

فِي الْخُطْبَةِ رَوَايَاتٌ أُخْرٰى لَا تَخْتَلِفُ عَنْ رَوَايَةِ الشَّرِيْفِ فِي الْمَعْنٰى، وَاِنْ اِخْتَلَفَتْ عَنْهَا فِيْ بَعْضِ الْاَلْفَاظِ، اُنْظُرِ الْكَامِلَ لِلْمُبَرَّدِ.

اس خطبہ میں نسخے مختلف ہیں اور الفاظ میں بہت فرق ہے۔ دیکھو کتاب کامل مبرد۔

نہایہ لغت؛ (ذَرَفَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: هَا اَنَا الْآنَ قَدْ ذَرَّفْتُ عَلَى الْخَمْسِيْنَ.

(۳۴) صفحہ ۸۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۹، ص ۱۸۸]:

{مَنْ رَّمٰى بِكُمْ فَقَدْ رَمٰى بِاَفْوَقَ نَاصِلٍ.}

اور جس نے تم کو (تیروں کی طرح) دشمنوں پر پھینکا ہو اس نے گویا ایسا تیر پھینکا ہے جس کا سوفار ٹوٹ چکا ہو اور پیکان بھی شکستہ ہو۔

نہایہ لغت؛ (فَوَقَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ وَمَنْ رَّمٰى بِكُمْ فَقَدْ رَمٰى بِاَفْوَقَ نَاصِلٍ.

نہایہ لغت؛ (نَصَلَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ وَمَنْ رَّمٰى بِكُمْ فَقَدْ رَمٰى بِاَفْوَقَ نَاصِلٍ.

(۳۵) صفحہ ۸۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۲، ص ۱۹۷]:

{فَهُمْ بَيْنَ شَرِيْدٍ نَّادٍّ، وَ خَآئِفٍ مَّقْمُوْعٍ، وَ سَاكِتٍ مَّكْعُوْمٍ.}

ان میں کچھ تو وہ ہیں جو دنیا والوں سے الگ تھلگ تنہائی میں پڑے ہیں اور کچھ خوف وہراس کے عالم میں ذلتیں سہہ رہے ہیں اور بعض نے اس طرح چپ سادھ لی ہے کہ گویا ان کے منہ باندھ دیے گئے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (کَعَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ فَهُمْ بَيْنَ شَرِيْدٍ نَّادٍّ، وَ خَآئِفٍ مَّقْمُوْعٍ، وَسَاكِتٍ مَّكْعُوْمٍ.

(۳۶) صفحہ ۸۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۲، ص ۱۹۸]:

{فَهُمْ فِيْ بَحْرٍ أُجَاجٍ، اَفْوَاهُهُمْ ضَامِزَةٌ، وَ قُلُوْبُهُمْ قَرِحَةٌ.}

وہ ایک شور دریا میں ہیں (کہ باوجود پانی کی کثرت کے پھر وہ پیاسے ہیں)۔
ان کے منہ بند اور دل مجروح ہیں۔

نہایہ لغت؛ (ضَمَزَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَفْوَاهُهُمْ ضَامِزَةٌ، وَ قُلُوْبُهُمْ قَرِحَةٌ.

(۳۷) صفحہ ۹۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۴، ص ۲۰۰]:

{لَاَظُنُّ بِكُمْ اَنْ لَّوْ حَمِسَ الْوَغٰى، وَاسْتَحَرَّ الْمَوْتُ، قَدِ انْفَرَجْتُمْ عَنِ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ انْفِرَاجَ الرَّاْسِ.}

میں تمہارے متعلق یہ گمان رکھتا ہوں کہ اگر جنگ زور پکڑ لے اور موت کی گرم بازاری ہو تو تم ابن ابی طالب سے اس طرح کٹ جاؤ گے جس طرح بدن سے سر۔

نہایہ لغت؛ (حَمِسَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: حَمِسَ الْوَغٰى، وَ اسْتَحَرَّ الْمَوْتُ.

(۳۸) صفحہ ۹۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۶، ص ۲۰۷]:

{فَاَنَا نَذِيْرٌ لَّكُمْ اَنْ تُصْبِحُوْا صَرْعٰى بِاَثْنَآءِ هٰذَا النَّهَرِ، وَ بِاَهْضَامِ هٰذَا الْغَآئِطِ.

میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ تم لوگ اس نہر کے موڑوں اور اس نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہو ہو کر گرے ہوئے ہو گے۔

نہایہ لغت؛ (هَضَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ صَرْعٰى بِاَثْنَآءِ هٰذَا النَّهَرِ، وَاَهْضَامِ هٰذَا الْغَآئِطِ.

(۳۹) صفحہ ۹۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۶، ص ۲۰۷]:

{وَلَمْ اٰتِ لَا اَبَا لَکُمْ بُجْرًا. وَلَا اَرَدْتُّ لَکُمْ ضُرًّا.}

خدا تمہارا برا کرے میں نے تمہیں نہ کسی مصیبت میں پھنسایا ہے نہ تمہارا برا چاہا تھا۔

نہایہ لغت؛ (بجر): مِنْهُ كَلَامُ عَلِيٍّ لَمْ آتِ لَا اَبَا لَکُمْ بُجْرًا.

(۴۰) صفحہ ۹۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۹، ص ۲۱۰]:

{ثُمَّ خَرَجَ اِلَیَّ مِنْکُمْ جُنَیْدٌ مُتَذَآئِبٌ ضَعِیْفٌ. ﴿کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَ هُمْ یَنْظُرُوْنَ﴾.}

پھر میرے پاس تم لوگوں کی ایک چھوٹی سی متزلزل و کمزور فوج آئی، اس عالم میں کہ گویا اسے اس کی نظروں کے سامنے موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

نہایہ لغت؛ (ذأب): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: خَرَجَ مِنْکُمْ اِلَیَّ جُنَیْدٌ مُتَذَآئِبٌ ضَعِیْفٌ.

(۴۱) صفحہ ۱۰۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۴۸، ص ۲۱۹]:

{بَعَثْتُ مُقَدِّمَتِیْ. وَاَمَرْتُهُمْ بِلُزُوْمِ هٰذَا الْمِلْطَاطِ. حَتّٰی یَاْتِیَهُمْ اَمْرِیْ.}

میں نے فوج کا ہراول دستہ آگے بھیج دیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ میرا فرمان پہنچنے تک اس دریا کے کنارے پڑاو ڈالے رہے۔

نہایہ لغت؛ (ملط): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ وَاَمَرْتُهُمْ بِلُزُوْمِ هٰذَا الْمِلْطَاطِ. حَتّٰی یَاْتِیَهُمْ اَمْرِیْ.

(۴۲) صفحہ ۱۰۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۵۱، ص ۲۲۱]:

{اَلَا وَ اِنَّ مُعَاوِیَةَ قَادَ لُمَةً مِّنَ الْغُوَاةِ. وَ عَمَسَ عَلَیْهِمُ

الْخَبَرَ.}

معاویہ گم کردہ راہ سرپھروں کا ایک چھوٹا سا جتھا لیے پھرتا ہے اور واقعات سے انہیں اندھیرے میں رکھ چھوڑا ہے۔

نہایہ لغت؛ (لَمَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ اَلَا وَاِنَّ مُعَاوِيَةَ قَادَ لُمَّةً مِّنَ الْغُوَاةِ.

(۴۳) صفحہ ۱۱۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۵۲، ص ۲۲۳]:

{فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا سَمَلَةٌ كَسَمَلَةِ الْاِدَاوَةِ، اَوْ جُرْعَةٌ كَجُرْعَةِ الْمَقْلَةِ.}

دنیا سے بس اتنا باقی رہ گیا ہے جتنا برتن میں تھوڑا سا بچا پانی یا ناپا تلا ہوا جرعۂ آب۔

نہایہ لغت؛ (مَقَلَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: لَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا جُرْعَةٌ كَجُرْعَةِ الْمَقْلَةِ.

(۴۴) صفحہ ۱۱۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۵۷، ص ۲۲۷]:

{اَمَا اِنَّهٗ سَيَظْهَرُ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ رَجُلٌ رَّحْبُ الْبُلْعُوْمِ، مُنْدَحِقُ الْبَطْنِ.}

میرے بعد جلد ہی تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہوگا جس کا حلق کشادہ اور پیٹ بڑا ہوگا۔

نہایہ لغت؛ (دَحَقَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: سَيَظْهَرُ بَعْدِيْ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مُنْدَحِقُ الْبَطْنِ.

(۴۵) صفحہ ۱۱۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۵۸، ص ۲۲۹]:

{اَصَابَكُمْ حَاصِبٌ، وَلَا بَقِيَ مِنْكُمْ اٰبِرٌ.}

تم پر سخت آندھیاں آئیں اور تم میں کوئی اصلاح کرنے والا باقی نہ رہے۔

شریف رضیؒ لکھتے ہیں: وَيُرْوٰى آثِرٌ وَهُوَ اَصَحُّ الْوُجُوْهِ عِنْدِيْ... وَيُرْوٰى آبِرٌ.

نہایہ لغت؛ (اَبَرَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ فِيْ دُعَائِهٖ عَلَى الْخَوَارِجِ اَصَابَكُمْ

حَاصِبٌ، وَ لَا بَقِيَ مِنْكُمْ آبِرٌ.

نہایہ لغت؛ (أبَرَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ فِيْ دُعَائِهِ عَلَى الْخَوَارِجِ وَ لَا بَقِيَ مِنْكُمْ آبِرٌ وَالْمَرْوِيُّ فِيْهِ بِالْبَاءِ الْمُوَحَّدَةِ.

(۴۶) صفحہ ۱۲۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۴، ص ۲۳۸]:

{وَ اَكْمِلُوا اللَّامَةَ. وَ قَلْقِلُوا السُّيُوْفَ فِيْ اَغْمَادِهَا قَبْلَ سَلِّهَا. وَ الْحَظُوا الْخَزْرَ، وَاطْعُنُوا الشَّزْرَ، وَ نَافِحُوْا بِالظُّبَا، وَ صِلُوا السُّيُوْفَ بِالْخُطَا.}

زرّہ کی تکمیل کرو (یعنی اس کے ساتھ خود، جوشن بھی پہن لو) اور تلواروں کو کھینچنے سے پہلے نیاموں میں اچھی طرح ہلا جلا لو اور دشمن کو ترچھی نظروں سے دیکھتے رہو اور دائیں بائیں (دونوں طرف) نیزوں کے وار کرو اور دشمن کو تلواروں کی باڑ پر رکھ لو اور تلواروں کے ساتھ ساتھ قدموں کو آگے بڑھاؤ۔

نہایہ لغت: (لَأَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ كَانَ يُحَرِّضُ اَصْحَابَهُ وَيَقُوْلُ تَجَلْبَبُوا السَّكِيْنَةَ. وَاَكْمِلُوا اللُّؤَمَ هُوَ جَمْعُ لَأْمَةٍ.

نہایہ لغت؛ (قَلَقَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ اَقْلِقُوا السُّيُوْفَ فِي الْغُمْدِ.

نہایہ لغت؛ (شَزَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: الْحَظُوا الشَّزْرَ.

نہایہ لغت؛ (نَفَحَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ فِيْ صِفِّيْنَ نَافِحُوْا بِالظُّبَا.

نہایہ لغت؛ (ظَبِيَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: نَافِحُوْا بِالظُّبَا.

(بعض فقرات میں نسخہ کا اختلاف ہے۔)

(۴۷) صفحہ ۱۲۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۴، ص ۲۳۸]:

{عَلَيْكُمْ بِهٰذَا السَّوَادِ الْاَعْظَمِ. وَ الرِّوَاقِ الْمُطَنَّبِ،

فَاضْرِبُوْا ثَبَجَهٗ. فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ كَامِنٌ فِیْ كِسْرِهٖ، قَدْ قَدَّمَ لِلْوَثْبَةِ يَدًا. وَ اَخَّرَ لِلنُّكُوْصِ رِجْلًا فَصَمْدًا صَمْدًا! حَتّٰى يَنْجَلِیَ لَكُمْ عَمُوْدُ الْحَقِّ.}

اور (شامیوں) کی اس بڑی جماعت اور طنابوں سے کھنچے ہوئے خیمے کو اپنے پیشِ نظر رکھو اور اس کے وسط پر حملہ کرو۔ اس لیے کہ شیطان اسی کے ایک گوشے میں چھپا بیٹھا ہے، جس نے ایک طرف تو حملہ کے لیے ہاتھ بڑھایا ہوا ہے اور دوسری طرف بھاگنے کے لیے قدم پیچھے ہٹا رکھا ہے۔ تم مضبوطی سے اپنے ارادے پر جمے رہو، یہاں تک کہ حق (صبح کے) اجالے کی طرح ظاہر ہو جائے۔

نہایہ لغت: (ثَبَجَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِیٍّ وَعَلَيْكُمُ الرِّوَاقُ الْمُطَنَّبُ. فَاضْرِبُوْا ثَبَجَهٗ. فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ رَاكِدٌ فِیْ كِسْرِهٖ.

نہایہ لغت: (وَثَبَ): فِیْ حَدِيْثِ عَلِیٍّ: يَوْمَ صِفِّيْنَ قَدَّمَ لِلْوَثْبَةِ يَدًا. وَ اَخَّرَ لِلنُّكُوْصِ رِجْلًا.

نہایہ لغت: (نَكَصَ): فِیْ حَدِيْثِ عَلِیٍّ: قَدَّمَ لِلْوَثْبَةِ يَدًا. وَ اَخَّرَ لِلنُّكُوْصِ رِجْلًا.

نہایہ لغت: (صَمَدَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِیٍّ: فَصَمْدًا صَمْدًا! حَتّٰى يَنْجَلِیَ لَكُمْ عَمُوْدُ الْحَقِّ.

(۴۸) صفحہ ۱۲۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۷، ص ۲۴۴]:

{كَمْ اُدَارِيْكُمْ كَمَا تُدَارَى الْبِكَارُ الْعَمِدَةُ. وَ الثِّيَابُ الْمُتَدَاعِيَةُ! كُلَّمَا حِيْصَتْ مِنْ جَانِبٍ تَهَتَّكَتْ مِنْ اٰخَرَ. كُلَّمَا اَطَلَّ عَلَيْكُمْ مَنْسِرٌ مِّنْ مَنَاسِرِ اَهْلِ الشَّامِ اَغْلَقَ كُلُّ

رَجُلٍ مِّنْكُمْ بَابَهُ. وَانْجَحَرَ انْجِحَارَ الضَّبَّةِ فِي جُحْرِهَا، وَ الضَّبُعِ فِي وِجَارِهَا.}

کب تک میں تمہارے ساتھ ایسی نرمی اور رو رعایت کرتا رہوں گا جیسی ان اونٹوں سے کی جاتی ہے جن کی کوہانیں اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہوں اور ان پھٹے پرانے کپڑوں سے کہ جنہیں ایک طرف سے سیا جائے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتے ہیں۔ جب بھی شامیوں کے ہراول دستوں میں کوئی دستہ تم پر منڈلاتا ہے تو تم سب کے سب (اپنے گھروں) کے دروازے بند کر لیتے ہو اور اس طرح اندر دبک جاتے ہو جس طرح گوہ اپنے سوراخ میں اور بجو اپنے بھٹ میں۔

نہایہ لغت؛ (عمد): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كَمْ أُدَارِيكُمْ كَمَا تُدَارَى الْبِكَارُ الْعَمِدَةُ.

نہایہ لغت؛ (حوص): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كُلَّمَا حِيصَتْ مِنْ جَانِبٍ تَهَتَّكَتْ مِنْ اٰخَرَ.

نہایہ لغت؛ (نسر): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: كُلَّمَا أَطَلَّ عَلَيْكُمْ مَنْسِرٌ مِّنْ مَّنَاسِرِ أَهْلِ الشَّامِ أَغْلَقَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ بَابَهُ.

نہایہ لغت؛ (وجر): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ انْجَحَرَ انْجِحَارَ الضَّبَّةِ فِيْ جُحْرِهَا. وَ الضَّبُعِ فِيْ وِجَارِهَا.

(۴۹) صفحہ ۱۲۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۷، ص ۲۴۴]:

{أَضْرَعَ اللهُ خُدُوْدَكُمْ، وَ أَتْعَسَ جُدُوْدَكُمْ!}

خدا تمہارے چہروں کو بے آبرو کرے اور تمہیں بدنصیب کرے۔

نہایہ لغت؛ (ضرع): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: أَضْرَعَ اللهُ خُدُوْدَكُمْ.

(۵۰) صفحہ ۱۲۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۸، ص ۲۴۴، ۲۴۵]:

{مَلَكَتْنِيْ عَيْنِيْ وَ اَنَا جَالِسٌ. فَسَنَحَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاذَا لَقِيْتُ مِنْ اُمَّتِكَ مِنَ الْاَوَدِ وَ اللَّدَدِ؟}

میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے سامنے جلوہ فرما ہوئے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! مجھے آپؐ کی اُمت کے ہاتھوں کیسی کیسی کجرویوں اور دشمنیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

نہایہ لغت؛ (لَدَدَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي النَّوْمِ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاذَا لَقِيْتُ مِنْ اُمَّتِكَ مِنَ الْاَوَدِ وَ اللَّدَدِ.

(۵۱) صفحہ ۱۲۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۹، ص ۲۴۵]:

{اَنْتُمْ كَالْمَرْاَةِ الْحَامِلِ. حَمَلَتْ فَلَمَّا اَتَمَّتْ اَمْلَصَتْ. وَ مَاتَ قَيِّمُهَا. وَ طَالَ تَاَيُّمُهَا.}

تم اس حاملہ عورت کے مانند ہو جو حاملہ ہونے کے بعد جب حمل کے دن پورے کرے تو مرا ہوا بچہ گرادے اور اس کا شوہر بھی مر چکا ہو اور رنڈاپے کی مدت بھی دراز ہو چکی ہو۔

نہایہ لغت؛ (مَلِصَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: فَلَمَّا اَتَمَّتْ اَمْلَصَتْ. وَ مَاتَ قَيِّمُهَا.

نہایہ لغت؛ (اَيَمَ): مِنْهُ كَلَامُ عَلِيٍّ وَ مَاتَ قَيِّمُهَا. وَ طَالَ تَاَيُّمُهَا.

(۵۲) صفحہ ۱۲۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۶۹، ص ۲۴۵]:

{وَيْلُمِّهِ. كَيْلًا بِغَيْرِ ثَمَنٍ! لَوْ كَانَ لَهٗ وِعَآءٌ.}

خدا تمہیں سمجھے! میں تو بغیر کسی عوض کے (علمی جواہر ریزے) ناپ ناپ

کر دے رہا ہوں۔

نہایہ لغت؛(وَیۡلٌ): مِنۡهُ حَدِیۡثُ عَلِیٍّ: وَیۡلُمِّهٖ، کَیۡلًا بِغَیۡرِ ثَمَنٍ! لَوۡ کَانَ لَهٗ وِعَآءٌ.

(۵۳) صفحہ ۱۳۰ [نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۰۷،ص ۲۴۷]:

{ (وَ مِنۡ خُطۡبَةٍ لَّهٗ عَلَیۡهِ السَّلَامُ عَلَّمَ فِیۡهَا النَّاسَ الصَّلَاةَ عَلَی النَّبِیِّ اَللّٰهُمَّ دَاحِیَ الۡمَدۡحُوَّاتِ، وَدَاعِمَ الۡمَسۡمُوۡکَاتِ، وَ جَابِلَ الۡقُلُوۡبِ عَلٰی فِطۡرَتِهَا. }

اس میں آپؑ نے لوگوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجنے کا طریقہ بتایا ہے۔

اے اللہ! اے فرش زمین کے بچھانے والے اور بلند آسمانوں کو (بغیر سہارے کے) روکنے والے! دلوں کو فطرت پر پیدا کرنے والے!

نہایہ لغت؛(دحا): فِیۡ حَدِیۡثِ عَلِیٍّ: وَصَلَاتُهٗ عَلَی النَّبِیِّ اَللّٰهُمَّ یَا دَاحِیَ الۡمَدۡحُوَّاتِ وَ رُوِیَ الۡمَدۡحِیَّاتِ.

(۵۴) صفحہ ۱۳۱ [نہج البلاغہ،مطبوعہ افکار،خطبہ ۰۷،ص ۲۴۷]:

{وَ الدَّافِعِ جَیۡشَاتِ الۡاَبَاطِیۡلِ، وَ الدَّامِغِ صَوۡلَاتِ الۡاَضَالِیۡلِ کَمَا حُمِّلَ فَاضۡطَلَعَ قَآئِمًا بِاَمۡرِكَ، مُسۡتَوۡفِزًا فِیۡ مَرۡضَاتِكَ، غَیۡرَ نَاکِلٍ عَنۡ قُدُمٍ، وَ لَا وَاهٍ فِیۡ عَزۡمٍ. }

باطل کی طغیانیوں کو دبانے والے اور ضلالت کے حملوں کو کچلنے والے تھے۔ جیسا ان پر (ذمہ داری کا) بوجھ عائد کیا گیا تھا اس کو انہوں نے اٹھایا، (تیرے امر کے ساتھ قیام کیا) اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کیلئے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہو گئے۔ نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا، نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔

نہایہ لغت؛ (دَمَغَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: دَامِغُ جَيْشَاتِ الْاَبَاطِيْلِ.

نہایہ لغت؛ (جَيَشَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: فِيْ صِفَةِ النَّبِيِّ دَامِغُ جَيْشَاتِ الْاَبَاطِيْلِ.

نہایہ لغت؛ (ضَلَعَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: فِيْ صِفَةِ النَّبِيِّ كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِكَ.

نہایہ لغت؛ (نَكَلَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: غَيْرُ نَاكِلٍ فِيْ قَدَمٍ.

نہایہ لغت؛ (قَدَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: غَيْرُ نَاكِلٍ فِيْ قَدَمٍ، وَلَا وَاهِنًا فِيْ عَزْمٍ.

(۵۵) صفحہ ۱۳۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۰، ص ۲۴۷]:

{حَتّٰى اَوْرٰى قَبَسَ الْقَابِسِ، وَاَضَآءَ الطَّرِيْقَ لِلْخَابِطِ.}

یہاں تک کہ انہوں نے روشنی ڈھونڈنے والے کیلئے شعلے بھڑکا دیئے اور اندھیرے میں بھٹکنے والے کیلئے راستہ روشن کر دیا۔

نہایہ لغت؛ (قَبَسَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: حَتّٰى اَوْرٰى قَبَسًا لِقَابِسٍ.

نہایہ لغت؛ (وَرَا): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: حَتّٰى اَوْرٰى قَبَسًا لِقَابِسٍ.

(۵۶) صفحہ ۱۳۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۰، ص ۲۴۷]:

{فَهُوَ اَمِيْنُكَ الْمَاْمُوْنُ، وَ خَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ، وَ شَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ، وَ بَعِيْثُكَ بِالْحَقِّ.}

وہ تیرے امین، معتمد اور تیرے علم مخفی کے خزینہ دار تھے اور قیامت کے دن تیرے گواہ اور تیرے پیغمبر برحق تھے۔

نہایہ لغت؛ (بَعَثَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: يَصِفُ النَّبِيَّ ﷺ شَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعِيْثُكَ نِعْمَةً.

نہایہ لغت؛ (شَهِدَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ.

(۵۷) صفحہ ۱۳۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۱، ص ۲۴۸]:

{ اَمَا اِنَّ لَهٗ اِمْرَةً كَلَعْقَةِ الْكَلْبِ اَنْفَهٗ. }

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی اتنی دیر کہ کتا اپنی ناک چاٹنے سے فارغ ہو، حکومت کرے گا۔

نہایہ لغت؛ (اَمِرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَمَا اِنَّ لَهٗ اِمْرَةً كَلَعْقَةِ الْكَلْبِ اَنْفَهٗ.

(۵۸) صفحہ ۱۳۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۵، ص ۲۵۱]:

{اِنَّ بَنِيْ اُمَيَّةَ لَيُفَوِّقُوْنَنِيْ تُرَاثَ مُحَمَّدٍ ﷺ تَفْوِيْقًا، وَاللّٰهِ! لَئِنْ بَقِيْتُ لَهُمْ لَاَنْفُضَنَّهُمْ نَفْضَ اللَّحَّامِ الْوِذَامَ التَّرِبَةَ!. وَيُرْوٰى: التُّرَابُ الْوَذَمَةُ. }

بنی امیہ مجھے محمد ﷺ کا ورثہ تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو انہیں اس طرح جھاڑ پھینکوں گا جس طرح قصائی خاک آلودہ گوشت کے ٹکڑے سے مٹی جھاڑ دیتا ہے۔ اور ایک روایت میں (اَلتُّرَابُ الْوَذَمَةُ، مٹی جو گوشت کے ٹکڑے میں بھر گئی ہو) آیا ہے۔

نہایہ لغت؛ (فَوَقَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اِنَّ بَنِيْ اُمَيَّةَ لَيُفَوِّقُوْنَنِيْ تُرَاثَ مُحَمَّدٍ ﷺ تَفْوِيْقًا.

نہایہ لغت؛ (وَذَمَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: لَئِنْ وَلِيْتُ بَنِيْ اُمَيَّةَ لَاَنْفُضَنَّهُمْ نَفْضَ الْقَصَّابِ الْوِذَامَ التَّرِبَةَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلتُّرَابُ الْوَذِمَةُ.

(۵۹) صفحہ ۱۳۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۷، ص ۲۵۲]:

{ اَتَزْعَمُ اَنَّكَ تَهْدِيْ اِلَى السَّاعَةِ الَّتِيْ مَنْ سَارَ فِيْهَا صُرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءُ؟ وَتُخَوِّفُ مِنَ السَّاعَةِ الَّتِيْ مَنْ سَارَ فِيْهَا حَاقَ بِهِ الضُّرُّ. }

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم اس گھڑی کا پتہ دیتے ہو کہ اگر کوئی اس میں نکلے تو اس کیلئے کوئی بُرائی نہ ہوگی اور اس لمحے سے خبردار کرتے ہو کہ اگر کوئی اس میں نکلے تو اسے نقصان در پیش ہوگا۔

نہایہ لغت؛ (حِیْق): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: تُخَوِّفُ مِنَ السَّاعَةِ الَّتِي مَنْ سَارَ فِيهَا حَاقَ بِهِ الضُّرُّ.

(۶۰) صفحہ ۱۴۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۰، ص ۲۵۷]:

{وَمَنْ سَاعَاهَا فَاتَتْهُ، وَمَنْ قَعَدَ عَنْهَا وَاتَتْهُ.}

جو دنیا کیلئے سعی و کوشش میں لگا رہتا ہے اس کی دُنیوی آرزوئیں بڑھتی ہی جاتی ہیں اور جو کوششوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے دنیا خود ہی اس سے سازگار ہو جاتی ہے۔

نہایہ لغت؛ (سعی): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فِي ذَمِّ الدُّنْيَا مَنْ سَاعَاهَا فَاتَتْهُ.

(۶۱) صفحہ ۱۴۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۰]:

{أَلْبَسَكُمُ الرِّيَاشَ، وَأَرْفَغَ لَكُمُ الْمَعَاشَ.}

تمہیں (مختلف) لباسوں سے ڈھانپا اور تمہارے رزق کا سامان فراواں کیا۔

نہایہ لغت؛ (رَفَغَ): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: أَرْفَغَ لَكُمُ الْمَعَاشَ.

(۶۲) صفحہ ۱۴۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۱]:

{حَتَّىٰ إِذَا أَنِسَ نَافِرُهَا، وَاطْمَأَنَّ نَاكِرُهَا، قَمَصَتْ بِأَرْجُلِهَا، وَقَنَصَتْ بِأَحْبُلِهَا، وَأَقْصَدَتْ بِأَسْهُمِهَا، وَأَعْلَقَتِ الْمَرْءَ أَوْهَاقَ الْمَنِيَّةِ.}

جب اس سے نفرت کرنے والا اس سے دل لگا لیتا ہے اور اجنبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ اپنے پیروں کو اُٹھا کر زمین پر دے مارتی ہے اور اپنے

جال میں پھانس لیتی ہے اور اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیتی ہے۔

نہایہ لغت؛ (قَمَصَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: قَمَصَتْ بِأَرْجُلِهَا. وَ قَنَصَتْ بِأَحْبُلِهَا.

نہایہ لغت؛ (قَنَصَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: قَمَصَتْ بِأَرْجُلِهَا، وَ قَنَصَتْ بِأَحْبُلِهَا.

نہایہ لغت؛ (قَصَدَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ أَقْصَدَتْ بِأَسْهُمِهَا.

نہایہ لغت؛ (وَهَقَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ أَعْلَقَتِ الْمَرْءَ أَوْهَاقَ الْمَنِيَّةِ.

(۶۳) صفحہ ۱۴۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۱]:

{أَخْرَجَهُمْ مِنْ ضَرَائِحِ الْقُبُوْرِ، وَ أَوْكَارِ الطُّيُوْرِ، وَ أَوْجِرَةِ السِّبَاعِ، وَ مَطَارِحِ الْمَهَالِكِ، سِرَاعًا إِلٰى أَمْرِهٖ، مُهْطِعِيْنَ إِلٰى مَعَادِهٖ، رَعِيْلًا صُمُوْتًا، قِيَامًا صُفُوْفًا.}

اللہ سب کو قبر کے گوشوں، پرندوں کے گھونسلوں، درندوں کے بھٹوں اور ہلاکت گاہوں سے نکالے گا، گروہ در گروہ، صامت و ساکت، ایستادہ وصف بستہ امر الٰہی کی طرف بڑھتے ہوئے اور اپنی جائے بازگشت کی جانب دوڑتے ہوئے۔

نہایہ لغت؛ (هَطَعَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: سِرَاعًا إِلٰى أَمْرِهٖ، مُهْطِعِيْنَ إِلٰى مَعَادِهٖ.

نہایہ لغت؛ (رَعَلَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: سِرَاعًا إِلٰى أَمْرِهٖ رَعِيْلًا.

(۶۴) صفحہ ۱۴۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۲]:

{عِبَادٌ مَخْلُوْقُوْنَ اقْتِدَارًا، وَ مَرْبُوْبُوْنَ اقْتِسَارًا.}

یہ بندے اس کے اقتدار کا ثبوت دینے کیلئے وجود میں آئے ہیں اور غلبہ و تسلط کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے۔

نہایہ لغت؛ (قَسَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: مَرْبُوْبُوْنَ اقْتِسَارًا.

(۶۵) صفحہ ۱۴۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۲]:

{وَ كُشِفَتْ عَنْهُمْ سُدَفُ الرِّيَبِ، وَ خُلُّوا لِمِضْمَارِ الْجِيَادِ، وَ رَوِيَّةِ الْاِرْتِيَادِ، وَ اَنَاةِ الْمُقْتَبِسِ الْمُرْتَادِ.}

شک وشبہات کی تاریکیاں ان سے دور کر دی گئی تھیں اور اس مدتِ حیات و آماجگاہ عمل میں انہیں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا تا کہ آخرت میں دوڑ لگانے کی تیاری اور سوچ بچار سے مقصد کی تلاش کر لیں۔

نہایہ لغت؛ (سدف): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: وَكُشِفَتْ عَنْهُمْ سُدَفُ الرِّيَبِ.

(٦٦) صفحہ ۱۵۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۳]:

{جَعَلَ لَكُمْ اَسْمَاعًا لِتَعِيَ مَا عَنَاهَا، وَ اَبْصَارًا لِتَجْلُوَ عَنْ عَشَاهَا، وَ اَشْلَاءً جَامِعَةً لِاَعْضَائِهَا، مُلَائِمَةً لِاَحْنَائِهَا.}

اس نے تمہارے لئے کان بنائے تا کہ ضروری اور اہم چیزوں کو سن کر محفوظ رکھیں اور اس نے تمہیں آنکھیں دی ہیں تا کہ وہ کوری و بے بصری سے نکل کر روشن وضیاء بار ہوں اور جسم کے مختلف حصے جن میں سے ہر ایک میں بہت سے اعضاء ہیں جن کے پیچ وخم ان کی مناسبت سے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (شلا): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: وَ اَشْلَاءً جَامِعَةً لِاَعْضَائِهَا.

نہایہ لغت؛ (حنا): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: مُلَائِمَةً لِاَحْنَائِهَا.

(٦٧) صفحہ ۱۵۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۴]:

{اَرْهَقَتْهُمُ الْمَنَايَا دُوْنَ الْاٰمَالِ، وَشَذَّبَهُمْ عَنْهَا تَخَرُّمُ الْاٰجَالِ.}

ایسے لوگ جو اپنے حظ ونصیب سے لذت اندوز تھے اور کھلے بندوں آزاد پھرتے تھے، کس طرح امیدوں کے برآنے سے پہلے موت نے انہیں جالیا

اور عمر کے ہاتھ نے انہیں ان امیدوں سے دور کر دیا۔

نہایہ لغت؛ (شَذَبَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: شَذَّبَهُمْ عَنَّا تَخَرُّمُ الْآجَالِ.

(۶۸) صفحہ ۱۵۲ [نہج البلاغہ مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۴]:

{فَهَلْ يَنْتَظِرُ أَهْلُ بَضَاضَةِ الشَّبَابِ إِلَّا حَوَانِيَ الْهَرَمِ؟ وَ أَهْلُ غَضَارَةِ الصِّحَّةِ إِلَّا نَوَازِلَ السَّقَمِ؟ وَ أَهْلُ مُدَّةِ الْبَقَاءِ إِلَّا آوِنَةَ الْفَنَاءِ؟ مَعَ قُرْبِ الزِّيَالِ، وَ أُزُوفِ الْانْتِقَالِ، وَ عَلَزِ الْقَلَقِ، وَ أَلَمِ الْمَضَضِ، وَ غُصَصِ الْجَرَضِ.}

کیا یہ بھر پور جوانی والے، کمر جھکا دینے والے بڑھاپے کے منتظر ہیں اور صحت کی تر و تازگی والے ٹوٹ پڑنے والی بیماریوں کے انتظار میں ہیں اور یہ زندگی والے فنا کی گھڑیاں دیکھ رہے ہیں؟ جب چل چلاؤ کا ہنگام نزدیک اور کوچ قریب ہوگا اور (بستر مرگ پر) قلق و اضطراب کی بے قراریاں اور سوز و تپش کی بے چینیاں اور لعابِ دہن کے پھندے ہوں گے۔

نہایہ لغت؛ (بَضَضَ): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: هَلْ يَنْتَظِرُ أَهْلُ بَضَاضَةِ الشَّبَابِ إِلَّا كَذَا.

نہایہ لغت؛ (حَنَا): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فَهَلْ يَنْتَظِرُ أَهْلُ بَضَاضَةِ الشَّبَابِ إِلَّا حَوَانِيَ الْهَرَمِ؟

نہایہ لغت؛ (غَضَضَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: هَلْ يَنْتَظِرُ أَهْلُ غَضَاضَةِ الشَّبَابِ.

(یہ اختلافِ نسخہ کا نتیجہ ہے۔)

نہایہ لغت؛ (جَرَضَ): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: هَلْ يَنْتَظِرُ أَهْلُ بَضَاضَةِ الشَّبَابِ إِلَّا عَلَزَ الْقَلَقِ وَ غَصَصَ الْجَرَضِ.

(ان دونوں جگہ محل استشہاد پر اکتفا کرتے ہوئے ربطِ کلام سمجھانے کے لیے فقرہ کے اول کو

آخر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے۔ اور درمیانی اجزاء اس لغت کے ذیل میں غیر ضروری ہونے کی بنا پر ترک کیے گئے ہیں۔)

(۶۹) صفحہ ۱۵۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۴]:

{فَهَلْ دَفَعَتِ الْاَقَارِبُ. اَوْ نَفَعَتِ النَّوَاحِبُ؟}

تو کیا قریبیوں نے موت کو روک لیا، یا رونے والیوں کے (رونے نے) کچھ فائدہ پہنچایا۔

نہایہ لغت؛ (نحب): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: فَهَلْ دَفَعَتِ الْاَقَارِبُ، اَوْ نَفَعَتِ النَّوَاحِبُ؟

(۷۰) صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۵]:

{وَ ظَلَفَ الزُّهْدُ شَهَوَاتِهٖ. وَ اَوْجَفَ الذِّكْرُ بِلِسَانِهٖ. وَ قَدَّمَ الْخَوْفَ لِاَمَانِهٖ. وَ تَنَكَّبَ الْمَخَالِجَ عَنْ وَّضَحِ السَّبِيْلِ.}

اور زہد و ورع نے اس کی خواہشوں کو روک دیا ہو اور ذکر الٰہی سے اس کی زبان ہر وقت حرکت میں ہو، خطروں کے آنے سے پہلے اس نے خوف کھایا ہو اور کٹی پھٹی راہوں سے بچتا ہوا سیدھی راہ پر ہولیا ہو۔

محشی لکھتے ہیں: لفظ اَرْجَفَ کے تحت میں وَ يُرْوٰى اَوْجَفَ بِالْوَاوِ.

نہایہ لغت؛ (ظلف): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: ظَلَفَ الزُّهْدُ شَهَوَاتِهٖ.

نہایہ لغت؛ (وجف): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ اَوْجَفَ الذِّكْرُ بِلِسَانِهٖ.

نہایہ لغت؛ (خلج): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: تَنَكَّبَ الْمَخَالِجَ عَنْ وَّضَحِ السَّبِيْلِ.

(۷۱) صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۶]:

{قَدْ عَبَرَ مَعْبَرَ الْعَاجِلَةِ حَمِيْدًا. وَ قَدَّمَ زَادَ الْاٰجِلَةِ

سَعِيْدًا، وَ بَادَرَ مِنْ وَّجَلٍ، وَ اَكْمَشَ فِيْ مَهَلٍ. }

وہ دنیا کی عبور گاہ سے قابلِ تعریف سیرت کے ساتھ گزر گیا اور آخرت کی منزل پر سعادتوں کے ساتھ پہنچا، (وہاں کے) خطروں کے پیش نظر اس نے نیکیوں کی طرف قدم بڑھایا اور اچھائیوں کیلئے اس وقفہ حیات میں تیز گام چلا۔

نہایہ لغت؛ (كمش): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: بَادَرَ مِنْ وَّجَلٍ، وَ اَكْمَشَ فِيْ مَهَلٍ.

(۷۲) صفحہ ۱۵۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۷]:

{اَمْ هٰذَا الَّذِيْ اَنْشَاَهٗ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْحَامِ، وَ شُغُفِ الْاَسْتَارِ، نُطْفَةً دِهَاقًا، وَ عَلَقَةً مُّحَاقًا، وَجَنِيْنًا وَّرَاضِعًا، وَوَلِيْدًا وَّيَافِعًا. }

یا پھر اسے دیکھو جسے (اللہ نے) ماں کے پیٹ کی اندھیاریوں اور پردے کی اندرونی تہوں میں بنایا، جو ایک (جراثیم حیات) سے چھلکتا ہوا نطفہ اور بے شکل وصورت کا منجمد خون تھا، (پھر انسانی خط وخال کے سانچے میں ڈھل کر) جنین بنا اور (پھر) طفل شیر خوار اور (پھر حدِ رضاعت سے نکل کر) طفل (نوخیز) اور (پھر) پورا پورا جوان ہوا۔

نہایہ لغت؛ (شغف): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَنْشَاَهٗ فِيْ ظُلَمِ الْاَرْحَامِ، وَ شُغُفِ الْاَسْتَارِ.

نہایہ لغت؛ (دهق): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: نُطْفَةً دِهَاقًا، وَ عَلَقَةً مُّحَاقًا.

(۷۳) صفحہ ۱۵۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۷]:

{ حَتّٰى اِذَا قَامَ اعْتِدَالُهٗ، وَ اسْتَوٰى مِثَالُهٗ، نَفَرَ مُسْتَكْبِرًا، وَ خَبَطَ سَادِرًا. }

مگر ہوا یہ کہ جب اس (کے اعضاء) میں توازن واعتدال پیدا ہو گیا اور اس کا قد و قامت اپنی بلندی پر پہنچ گیا تو غرور و سرمستی میں آ کر (ہدایت سے) بھڑک اٹھا اور اندھا دھند بھٹکنے لگا۔

نہایہ لغت؛ (سَدَرَ): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: نَفَرَ مُسْتَكْبِرًا، وَ خَبَطَ سَادِرًا.

(۷۴) صفحہ ۱۵۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۷]:

{دَهِمَتْهُ فَجَعَاتُ الْمَنِيَّةِ فِيْ غُبَّرِ جِمَاحِهِ، وَ سَنَنِ مِرَاحِهِ.}

ابھی وہ باقی ماندہ سرکشیوں کی راہ ہی میں تھا کہ موت لانے والی بیماریاں اس پر ٹوٹ پڑیں کہ وہ بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔

نہایہ لغت؛ (عَنَنَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: دَهِمَتْهُ فَجَعَاتُ الْمَنِيَّةِ فِيْ عَنَنِ جِمَاحِهِ.

(یہ نسخہ کا اختلاف ہے۔)

(۷۵) صفحہ ۱۵۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۸]:

{وَ الْمَرْءُ فِيْ سَكْرَةٍ مُّلْهِيَةٍ، وَ غَمْرَةٍ كَارِثَةٍ، وَ اَنَّةٍ مُّوْجِعَةٍ، وَ جَذْبَةٍ مُّكْرِبَةٍ وَّ سَوْقَةٍ مُّتْعِبَةٍ.}

سکرات کی مدہوشیوں اور سخت بدحواسیوں اور دردناک چیخوں اور سانس اُکھڑنے کی بے چینیوں اور نزع کی درماندہ کر دینے والی شدتوں میں پڑا ہوا تھا۔

نہایہ لغت؛ (کَرَثَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فِيْ سَكْرَةٍ مُّلْهِيَةٍ، وَ غَمْرَةٍ كَارِثَةٍ.

(۷۶) صفحہ ۱۵۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۹]:

{اَلْاٰنَ عِبَادَ اللّٰهِ! وَ الْخِنَاقُ مُهْمَلٌ، وَ الرُّوْحُ مُرْسَلٌ، فِيْ فَيْنَةِ الْاِرْشَادِ، وَ رَاحَةِ الْاَجْسَادِ.}

یہ ابھی غنیمت ہے خدا کے بندو، جبکہ گردن میں پھندا نہیں پڑا ہوا ہے اور روح بھی آزاد ہے۔

محشی لکھتے ہیں: وَ یُرْوٰی فَیْنَةِ الْاِرْتِیَادِ.

نہایہ لغت؛ (فَیَنَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: فِیْ فَیْنَةِ الْاِرْتِیَادِ. وَ رَاحَةِ الْاَجْسَادِ.

(۷۷) صفحہ ۱۶۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۲، ص ۲۷۱]:

{عَجَبًا لِّابْنِ النَّابِغَةِ! یَزْعُمُ لِاَهْلِ الشَّامِ اَنَّ فِیَّ دُعَابَةً، وَاَنِّیْ امْرُؤٌ تِلْعَابَةٌ: اُعَافِسُ وَاُمَارِسُ!}

نابغہ کے بیٹے پر حیرت ہے کہ وہ میرے بارے میں اہل شام سے یہ کہتا پھرتا ہے کہ مجھ میں مسخرہ پن پایا جاتا ہے اور میں کھیل وتفریح میں پڑا رہتا ہوں۔

نہایہ لغت؛ (لَعِبَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: زَعَمَ ابْنُ النَّابِغَةِ اَنِّیْ تِلْعَابَةٌ.

نہایہ لغت؛ (عَفَسَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: کُنْتُ اُعَافِسُ وَ اُمَارِسُ.

(۷۸) صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۲، ص ۲۷۱]:

{اِنَّهٗ لَیَقُوْلُ فَیَکْذِبُ، وَ یَعِدُ فَیُخْلِفُ، وَ یَسْئَلُ فَیُلْحِفُ، وَ یُسْئَلُ فَیَبْخَلُ، وَ یَخُوْنُ الْعَهْدَ، وَ یَقْطَعُ الْاِلَّ.}

وہ خود بات کرتا ہے تو جھوٹی اور وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے، مانگتا ہے تو لپٹ جاتا ہے اور خود اس سے مانگا جائے تو اس میں بخل کر جاتا ہے۔ وہ پیمان شکنی اور قطع رحمی کرتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (اَلَّ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: یَخُوْنُ الْعَهْدَ، وَیَقْطَعُ الْاِلَّ.

(۷۹) صفحہ ۱۶۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۱، ص ۲۶۴]:

{﴿فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾ وَ ﴿اَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ﴾! وَ الْاَعْلَامُ قَآئِمَةٌ،

وَ الْاٰیَاتُ وَاضِحَةٌ، وَ الْمَنَارُ مَنْصُوْبَةٌ. فَاَیْنَ یُتَاهُ بِكُمْ؟ بَلْ كَیْفَ تَعْمَهُوْنَ وَ بَیْنَكُمْ عِتْرَةُ نَبِیِّكُمْ؟}

اب تم کہاں جا رہے ہو؟ اور تمہیں کدھر موڑا جا رہا ہے؟ حالانکہ ہدایت کے جھنڈے بلند، نشانات ظاہر و روشن اور حق کے مینار نصب ہیں اور تمہیں کہاں بہکایا جا رہا ہے اور کیوں ادھر ادھر بھٹک رہے ہو؟ جبکہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت تمہارے اندر موجود ہے۔

نہایہ لغت: (عَمِهَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ، بَلْ كَیْفَ تَعْمَهُوْنَ؟

(۸۰) صفحہ ۱۶۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۶، ص ۲۸۲]:

{وَلَمْ یَجْبُرْ عَظْمَ اَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ اِلَّا بَعْدَ اَزْلٍ وَّ بَلَآءٍ.}

اور کسی اُمت کی ہڈی کو نہیں جوڑا جب تک اسے شدت و سختی اور ابتلا و آزمائش میں ڈال نہیں لیا۔

نہایہ لغت: (اَزَلَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: اِلَّا بَعْدَ اَزْلٍ وَّ بَلَآءٍ.

(۸۱) صفحہ ۱۷۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۷، ص ۲۸۲]:

{اَرْسَلَهٗ عَلٰی حِیْنِ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ، وَ طُوْلِ هَجْعَةٍ مِّنَ الْاُمَمِ، وَ اعْتِزَامٍ مِّنَ الْفِتَنِ.}

اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت بھیجا جب کہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور ساری اُمتیں مدت سے پڑی سو رہی تھیں، فتنے سر اُٹھا رہے تھے۔

محشی لکھتے ہیں: وَ یُرْوٰی اِعْتِرَامٍ بِالرَّاءِ الْمُهْمَلَةِ.

نہایہ لغت: (عَرَمَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: عَلٰی حِیْنِ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ، وَ اعْتِرَامٍ مِّنَ الْفِتَنِ.

(۸۲) صفحہ ۱۷۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۸، ص ۲۸۴]:

{لَمْ یَزَلْ قَآئِمًا دَآئِمًا. اِذْ لَا سَمَآءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ. وَلَا حُجُبٌ ذَاتُ اِرْتَاجٍ. وَلَا لَیْلٌ دَاجٍ. وَلَا بَحْرٌ سَاجٍ.}

وہ اس وقت بھی دائم و برقرار تھا جب کہ نہ برجوں والا آسمان تھا، نہ بلند دروازوں والے حجاب تھے۔

نہایہ لغت؛ (سجا): مِنْہُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: وَلَا لَیْلٌ دَاجٍ، وَلَا بَحْرٌ سَاجٍ.

(۸۳) صفحہ ۱۷۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۸۵]:

{اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا یَفِرُہُ الْمَنْعُ وَ الْجُمُوْدُ. وَ لَا یُکْدِیْہِ الْاِعْطَآءُ وَ الْجُوْدُ.}

تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے کہ جو فیض وعطا کے روکنے سے مالدار نہیں ہو جاتا۔

نہایہ لغت؛ (وفر): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا یَفِرُہُ الْمَنْعُ.

نہایہ لغت؛ (وکد): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا یَفِرُہُ الْمَنْعُ وَ الْجُمُوْدُ. وَ لَا یَکِدُہُ الْاِعْطَآءُ.

(۸۴) صفحہ ۱۷۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۸۶]:

{وَ لَوْ وَھَبَ مَا تَنَفَّسَتْ عَنْہُ مَعَادِنُ الْجِبَالِ. وَ ضَحِکَتْ عَنْہُ اَصْدَافُ الْبِحَارِ. مِنْ فِلِزِّ اللُّجَیْنِ وَ الْعِقْیَانِ.}

اگر وہ چاندی اور سونے جیسی نفیس دھاتیں کہ جنہیں پہاڑوں کے معدن (لمبی لمبی) سانسیں بھر کر اچھال دیتے ہیں اور بکھرے ہوئے موتی اور مرجان کی کٹی ہوئی شاخیں کہ جنہیں دریاؤں کی سیپیاں کھل کھلا کر ہنستے ہوئے اُگل دیتی ہیں، بخش دے۔

نہایہ لغت؛ (فِلِزٌّ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: مِنْ فِلِزِّ اللُّجَيْنِ وَ الْعِقْيَانِ.

(۸۵) صفحہ ۱۷۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۸۹]:

{كَذَبَ الْعَادِلُوْنَ بِكَ. إِذْ شَبَّهُوْكَ بِأَصْنَامِهِمْ.}

وہ لوگ جھوٹے ہیں جو تجھے دوسروں کے برابر سمجھ کر اپنے بتوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (عَدَلَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: كَذَبَ الْعَادِلُوْنَ بِكَ. إِذْ شَبَّهُوْكَ بِأَصْنَامِهِمْ.

(۸۶) صفحہ ۱۸۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۰]:

{وَ نَظَمَ بِلَا تَعْلِيْقٍ رَّهَوَاتِ فُرَجِهَا. وَ لَاحَمَ صُدُوْعَ انْفِرَاجِهَا. وَ وَشَّجَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ أَزْوَاجِهَا.}

اس نے بغیر (کسی چیز سے) وابستہ کئے اس کے شگافوں کے نشیب و فراز کو مرتب کر دیا اور اس کے دراڑوں کی کشادگیوں کو ملا دیا اور انہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیا۔

نہایہ لغت؛ (وَشَّجَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: وَشَّجَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ أَزْوَاجِهَا.

(۸۷) صفحہ ۱۸۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۱]:

{وَ أَمْسَكَهَا مِنْ أَنْ تَمُوْرَ فِيْ خَرْقِ الْهَوَاءِ بِأَيْدِهٖ.}

اور انہیں اپنے زور سے روک دیا کہ کہیں وہ ہوا کے پھیلاؤ میں ادھر ادھر نہ ہو جائیں۔

نہایہ لغت؛ (أَيَدَ): مِنْهُ خُطْبَةُ عَلِيٍّ وَ أَمْسَكَهَا مِنْ أَنْ تَمُوْرَ بِأَيْدِهٖ.

(۸۸) صفحہ ۱۸۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۱]:

{خَلَقَ سُبْحَانَهٗ لِاِسْكَانِ سَمٰوٰتِهٖ، وَ عِمَارَةِ الصَّفِيْحِ الْاَعْلٰى مِنْ مَّلَكُوْتِهٖ، خَلْقًا بَدِيْعًا مِّنْ مَّلٰٓئِكَتِهٖ. }

اللہ سبحانہ نے اپنے آسمانوں میں ٹھہرانے اور اپنی مملکت کے بلند طبقات کو آباد کرنے کیلئے فرشتوں کی عجیب وغریب مخلوق پیدا کی۔

نہایہ لغت؛ (صَفَحَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ عِمَارَةِ الصَّفِيْحِ الْاَعْلٰى مِنْ مَّلَكُوْتِهٖ.

(۸۹) صفحہ ۱۸۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۲]:

{وَ لَمْ تَرْتَحِلْهُمْ عُقَبُ اللَّيَالِيْ وَ الْاَيَّامِ، وَ لَمْ تَرْمِ الشُّكُوْكُ بِنَوَازِعِهَا عَزِيْمَةَ اِيْمَانِهِمْ. }

اور نہ شکوک وشبہات نے ان کے ایمان کے استحکام پر تیر چلائے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (نَزَعَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَلَمْ تَرْمِ الشُّكُوْكُ بِنَوَازِعِهَا عَزِيْمَةَ اِيْمَانِهِمْ.

(۹۰) صفحہ ۱۸۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۳]:

{مِنْهُمْ مَنْ هُوَ فِيْ خَلْقِ الْغَمَامِ الدُّلَّحِ. }

ان میں کچھ وہ ہیں جو اللہ کے پیدا کردہ بوجھل بادلوں کی صورتوں میں ہیں۔

نہایہ لغت؛ (دَلَحَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَوَصَفَ الْمَلَائِكَةَ فَقَالَ وَمِنْهُمْ كَالسَّحَائِبِ الدُّلَّحِ.

(۹۱) صفحہ ۱۸۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۳]:

{وَ تَمَكَّنَتْ مِنْ سُوَيْدَآءِ قُلُوْبِهِمْ وَ شِيْجَةُ خِيْفَتِهٖ. }

اور ان کے دلوں کی تہ میں اس کا خوف جڑ پکڑ چکا ہے۔

نہایہ لغت؛ (وَشَجَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ تَمَكَّنَتْ مِنْ سُوَيْدَآءِ قُلُوْبِهِمْ وَ شِيْجَةُ خِيْفَتِهٖ.

(۹۲) صفحہ ۱۸۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۴]:

{وَ لَمْ تَغِضْ رَغَبَاتُهُمْ فَيُخَالِفُوْا عَنْ رَّجَآءِ رَبِّهِمْ. وَ لَمْ تَجِفَّ لِطُوْلِ الْمُنَاجَاةِ اَسَلَاتُ اَلْسِنَتِهِمْ.}

اور نہ ان کی طلب و رغبت میں کبھی کمی پیدا ہوئی ہے کہ وہ اپنے پالنے والے کے توقعات سے روگرداں ہو جائیں اور نہ مسلسل مناجاتوں سے ان کی زبان کی نوکیں خشک ہوتی ہیں۔

نہایہ لغت؛ (اَسَلٌ): فِيْ كَلَامِ عَلِيٍّ تَجِفُّ لِطُوْلِ الْمُنَاجَاةِ اَسَلَاتُ اَلْسِنَتِهِمْ.

(۹۳) صفحہ ۱۸۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۴]:

{لَمْ تَنْقَطِعْ اَسْبَابُ الشَّفَقَةِ مِنْهُمْ. فَيَنُوْا فِيْ جِدِّهِمْ.}

خوف کھانے کے وجوہ ختم نہیں ہوئے کہ وہ اپنی کوششوں میں سستی کریں۔

نہایہ لغت؛ (وَنا): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: لَمْ تَنْقَطِعْ اَسْبَابُ الشَّفَقَةِ مِنْهُمْ. فَيَنُوْا فِيْ جِدِّهِمْ.

(۹۴) صفحہ ۱۸۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۶]:

{وَ رَدَّتْ مِنْ نَّخْوَةِ بَأْوِهٖ وَ اعْتِلَآئِهٖ. وَ شُمُوْخِ اَنْفِهٖ وَ سُمُوِّ غُلَوَآئِهٖ. وَ كَعَمَتْهُ عَلٰى كِظَّةِ جَرْيَتِهٖ. فَهَمَدَ بَعْدَ نَزَقَاتِهٖ. وَ لَبَدَ بَعْدَ زَيَفَانِ وَثَبَاتِهٖ.}

اور اس کے اٹھلانے اور سر اٹھانے کے غرور اور تکبر سے ناک اوپر چڑھانے اور بہاؤ میں تفوق و سر بلندی دکھانے کا خاتمہ کر دیا اور اس کی روانی کی بے اعتدالیوں پر ایسے بند باندھے کہ وہ اچھلنے کودنے کے بعد (بالکل بے دم) ہو کر ٹھہر گیا اور جست و خیز کی سرمستیاں دکھا کر تھم گیا۔

نہایہ لغت؛ (غَلَا): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: شُمُوْخِ اَنْفِهٖ وَ سُمُوْ غُلَوَآئِهٖ.

نہایہ لغت؛ (زَيف): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: بَعْدَ زَيَفَانِ وَثَبَاتِهٖ.

(۹۵) صفحہ ۱۸۹، ۱۹۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۶]:

{فَلَمَّا سَكَنَ هَيْجُ الْمَآءِ مِنْ تَحْتِ اَكْنَافِهَا. وَ حَمَلَ شَوَاهِقَ الْجِبَالِ الشُّمَّخِ الْبُذَّخِ عَلٰى اَكْتَافِهَا. فَجَّرَ يَنَابِيْعَ الْعُيُوْنِ مِنْ عَرَانِيْنِ اُنُوْفِهَا. وَ فَرَّقَهَا فِيْ سُهُوْبِ بِيْدِهَا وَ اَخَادِيْدِهَا. وَ عَدَّلَ حَرَكَاتِهَا بِالرَّاسِيَاتِ مِنْ جَلَامِيْدِهَا. وَ ذَوَاتِ الشَّنَاخِيْبِ الشُّمِّ مِنْ صَيَاخِيْدِهَا. فَسَكَنَتْ مِنَ الْمَيَدَانِ لِرُسُوْبِ الْجِبَالِ فِيْ قِطَعِ اَدِيْمِهَا.}

جب اس کے کناروں کے نیچے پانی کی طغیانی کا زور و شور سکون پذیر ہوا اور اس کے کاندھوں پر اونچے اونچے اور چوڑے چکلے پہاڑوں کا بوجھ لد گیا تو (اللہ نے) اس کی ناک کے بانسوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیے جنہیں دور و دراز جنگلوں اور کھدے ہوئے گڑھوں میں پھیلا دیا اور پتھروں کی مضبوط چٹانوں اور بلند چوٹیوں والے پتھریلے پہاڑوں سے اس کی حرکت میں اعتدال پیدا کیا۔

نہایہ لغت؛ (بَذَخَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ حَمَلَ الْجِبَالَ الْبُذَّخَ عَلٰى اَكْتَافِهَا.

نہایہ لغت؛ (عَرِنَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: مِنْ عَرَانِيْنِ اُنُوْفِهَا.

نہایہ لغت؛ (شَنْخَبَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: ذَوَاتِ الشَّنَاخِيْبِ الصُّمِّ.

نہایہ لغت؛ (صَخَدَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: ذَوَاتِ الشَّنَاخِيْبِ الصُّمِّ صَيَاخِيْدِهَا.

نہایہ لغت؛ (مَيَدَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: فَسَكَنَتْ مِنَ الْمَيَدَانِ لِرُسُوْبِ الْجِبَالِ.

(۹۶) صفحہ ۱۹۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۷]:

{حَتّٰی اِذَا تَمَخَّضَتْ لُجَّةُ الْمُزْنِ فِيْهِ، وَ الْتَمَعَ بَرْقُهٗ فِيْ كُفَفِهٖ، وَ لَمْ يَنَمْ وَمِيْضُهٗ فِيْ كَنَهْوَرِ رَبَابِهٖ، وَ مُتَرَاكِمِ سَحَابِهٖ، اَرْسَلَهٗ سَحًّا مُتَدَارِكًا، قَدْ اَسَفَّ هَيْدَبُهٗ، تَمْرِيْهِ الْجَنُوْبُ دِرَرَ اَهَاضِيْبِهٖ، وَ دَفْعَ شَآبِيْبِهٖ.}

جب اس کے اندر پانی کے ذخیرے حرکت میں آگئے اور اس کے کناروں میں بجلیاں تڑپنے لگیں اور برق کی چمک سفید ابروں کی تہوں اور گھنے بادلوں کے اندر مسلسل جاری رہی تو اللہ نے انہیں موسلا دھار برسنے کیلئے بھیج دیا۔ اس طرح کہ اس کے پانی سے بھرے ہوئے بوجھل ٹکڑے زمین پر منڈلا رہے تھے اور جنوبی ہوائیں انہیں مسل مسل کر برسنے والے مینہ کی بوندیں اور ایک دم ٹوٹ پڑنے والی بارش کے جھالے برسا رہی تھیں۔

نہایہ لغت؛ (كَفَفَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: يَصِفُ السَّحَابَ وَ الْتَمَعَ بَرْقُهٗ فِيْ كُفَفِهٖ.

نہایہ لغت؛ (كَنَهْوَرٌ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَمِيْضُهٗ فِيْ كَنَهْوَرِ رَبَابِهٖ.

نہایہ لغت؛ (هَضَبَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: تَمْرِيْهِ الْجَنُوْبُ دِرَرَ اَهَاضِيْبِهٖ.

نہایہ لغت؛ (شَأَبَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: تَمْرِيْهِ الْجَنُوْبُ دِرَرَ اَهَاضِيْبِهٖ، وَدَفْعَ شَآبِيْبِهٖ.

(۹۷) صفحہ ۱۹۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۷]:

{فَلَمَّا اَلْقَتِ السَّحَابُ بَرْكَ بِوَانِيْهَا، وَ بَعَاعَ مَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ مِنَ الْعِبْءِ الْمَحْمُوْلِ عَلَيْهَا، اَخْرَجَ بِهٖ مِنْ هَوَامِدِ الْاَرْضِ النَّبَاتَ، وَ مِنْ زُعْرِ الْجِبَالِ الْاَعْشَابَ.}

جب بادلوں نے اپنا سینہ ہاتھ پیروں سمیت زمین پر ٹیک دیا اور پانی کا سارا لدا لدایا بوجھ اس پر پھینک دیا تو اللہ نے افتادہ زمینوں سے سرسبز کھیتیاں

اُگائیں اور خشک پہاڑوں پر ہرا بھرا سبزہ پھیلا دیا۔

نہایہ لغت؛ (بَرَكَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَلْقَتِ السَّحَابُ بَرْكَ بِوَانِيِّهَا.

نہایہ لغت؛ (بَعَعَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اَلْقَتِ السَّحَابُ بَعَاعَ مَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ مِنَ الْحَمْلِ.

نہایہ لغت؛ (هَمَدَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَخْرَجَ بِهٖ مِنْ هَوَامِدِ الْاَرْضِ النَّبَاتَ.

نہایہ لغت؛ (زَعَرَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: يَصِفُ الْغَيْثَ اَخْرَجَ بِهٖ مِنْ زُعْرِ الْجِبَالِ الْاَعْشَابَ.

(۹۸) صفحہ ۱۹۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۸]:

{ثُمَّ قَرَنَ بِسَعَتِهَا عَقَابِيْلَ فَاقَتِهَا، وَ بِسَلَامَتِهَا طَوَارِقَ اٰفَاتِهَا.}

پھر اس نے رزق کی فراخیوں کے ساتھ فقر و فاقہ کے خطرے اور اس کی سلامتیوں میں نت نئی آفتوں کے دغدغے اور فراخی و وسعت کی شادمانیوں کے ساتھ غم و غصہ کے گلوگیر پھندے بھی لگا رکھے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (عَقْبَلَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: ثُمَّ قَرَنَ بِسَعَتِهَا عَقَابِيْلَ فَاقَتِهَا.

(۹۹) صفحہ ۱۹۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۸، ۲۹۹]:

{خَلَقَ الْاٰجَالَ فَاَطَالَهَا وَ قَصَّرَهَا، وَ قَدَّمَهَا وَ اَخَّرَهَا، وَ وَصَلَ بِالْمَوْتِ اَسْبَابَهَا، وَ جَعَلَهٗ خَالِجًا لِاَشْطَانِهَا، وَ قَاطِعًا لِمَرَائِرِ اَقْرَانِهَا.}

اس نے زندگی کی (مختلف) مدتیں مقرر کی ہیں، کسی کو زیادہ، کسی کو کم، کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے کر دیا ہے اور ان مدتوں کی رسیوں کی موت سے گرہ لگا دی

ہے اور وہ موت ان کو کھینچے لئے جاتی ہے اور ان کے مضبوط رشتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی ہے۔

نہایہ لغت؛ (خَلَجَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: فِيْ ذِكْرِ الْحَيَاةِ اِنَّ اللهَ جَعَلَ الْمَوْتَ خَالِجًا لِاَشْطَانِهَا.

نہایہ لغت؛ (شَطَنَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ ذَكَرَ الْحَيَاةِ اِنَّ اللهَ جَعَلَ الْمَوْتَ خَالِجًا لِاَشْطَانِهَا.

نہایہ لغت؛ (مَرَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: فِيْ ذِكْرِ الْحَيَاةِ اِنَّ اللهَ جَعَلَ الْمَوْتَ قَاطِعًا لِمَرَائِرِ اَقْرَانِهَا.

(۱۰۰) صفحہ ۱۹۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۹]:

{وَ مَحَطِّ الْاَمْشَاجِ مِنْ مَسَارِبِ الْاَصْلَابِ.}

صلب کی گزرگاہوں میں نطفوں کے ٹھکانوں۔

نہایہ لغت؛ (مَشَجَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ مَحَطِّ الْاَمْشَاجِ مِنْ مَسَارِبِ الْاَصْلَابِ.

(۱۰۱) صفحہ ۱۹۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۸۹، ص ۲۹۹]:

{وَ مُسْتَقَرِّ ذَوَاتِ الْاَجْنِحَةِ بِذُرَى شَنَاخِيْبِ الْجِبَالِ، وَ تَغْرِيْدِ ذَوَاتِ الْمَنْطِقِ فِيْ دَيَاجِيْرِ الْاَوْكَارِ.}

سر بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پَر و بال رکھنے والے طائروں کے نشیمنوں اور گھونسلوں کی اندھیاریوں میں چہچہانے والے پرندوں کے نغموں کو جانتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (دَجَنَ): فِيْ كَلَامِ عَلِيٍّ تَغْرِيْدُ ذَوَاتِ الْمَنْطِقِ فِيْ دَيَاجِيْرِ الْاَوْكَارِ.

(۱۰۲) صفحہ ۲۰۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۹۱، ص ۳۱۰]:

{لَتَجِدُنَّ بَنِيْ اُمَيَّةَ لَكُمْ اَرْبَابَ سُوْءٍ بَعْدِيْ، كَالنَّابِ

الضَّرُوْسِ: تَعْذِمُ بِفِيهَا، وَ تَخْبِطُ بِيَدِهَا. }
میرے بعد تم بنی امیہ کو اپنے لئے بدترین حکمران پاؤ گے۔ وہ تو اس بوڑھی اور سرکش اونٹنی کے مانند ہیں جو منہ سے کاٹتی ہو اور اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتی ہو۔

نہایہ لغت؛ (عَذَمَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: كَالنَّابِ الضَّرُوْسِ تَعْذِمُ بِفِيهَا، وَتَخْبِطُ بِيَدِهَا.

(۱۰۳) صفحہ ۲۱۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۱، ص ۳۲۷]:

{لَيْسُوْا بِالْمَسَايِيحِ، وَلَا الْمَذَايِيعِ الْبُذُرِ. }
نہ وہ اِدھر اُدھر کچھ کا کچھ لگاتے پھرتے ہیں، نہ لوگوں کی برائیاں اچھالتے ہیں اور نہ ان کے راز فاش کرتے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (ذَيَعَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: لَيْسُوْا بِالْمَذَايِيعِ الْبُذُرِ.

نہایہ لغت؛ (سَيَحَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: لَيْسُوْا بِالْمَسَايِيحِ الْبُذُرِ.

(۱۰۴) صفحہ ۲۱۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۳، ص ۳۲۹]:

{قَدْ صَارَ حَرَامُهَا عِنْدَ اَقْوَامٍ بِمَنْزِلَةِ السِّدْرِ الْمَخْضُوْدِ. }
کچھ قوموں کیلئے تو حرام اس بیری کے مانند (خوشگوار اور مزے دار) ہو گیا تھا جس کی شاخیں پھلوں کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں۔

نہایہ لغت؛ (خَضَدَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: حَرَامُهَا عِنْدَ اَقْوَامٍ بِمَنْزِلَةِ السِّدْرِ الْمَخْضُوْدِ.

(۱۰۵) صفحہ ۲۱۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۳، ص ۳۳۰]:

{فَاِنَّ النَّازِلَ بِهٰذَا الْمَنْزِلِ نَازِلٌ بِشَفَا جُرُفٍ هَارٍ. }
اس لئے کہ خواہشوں کی منزل میں اترنے والا ایسا ہے جیسے کوئی سیلاب زدہ دیوار کے کنارے پر کھڑا ہو کہ جو گرا چاہتی ہو۔

نہایہ لغت؛ (شَفَا): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: نَازِلٌ بِشَفَا جُرُفٍ هَارٍ.

(۱۰۶) صفحہ ۲۱۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۳، ص ۳۳۱]:

{فَبَادِرُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِ تَصْوِيحِ نَبْتِهِ.}

تمہیں چاہیے کہ علم کی طرف بڑھو قبل اس کے کہ اس کا (ہرا بھرا) سبزہ خشک ہو جائے۔

نہایہ لغت؛ (صَوَحَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فَبَادِرُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِ تَصْوِيحِ نَبْتِهِ.

(۱۰۷) صفحہ ۲۲۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۴، ص ۳۳۲]:

{حَتّٰى أَوْرٰى قَبَسًا لِّقَابِسٍ، وَ أَنَارَ عَلَمًا لِّحَابِسٍ، فَهُوَ أَمِيْنُكَ الْمَأْمُوْنُ، وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ، وَ بَعِيْثُكَ نِعْمَةً، وَ رَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً.}

یہاں تک کہ آپؐ نے روشنی ڈھونڈھنے والے کیلئے شعلے بھڑکائے اور (راستہ کھو کر) سواری کے روکنے والے کیلئے نشانات روشن کئے۔ (اے اللہ!) وہ تیرے بھروسے کا امین اور قیامت کے دن تیرا (ٹھہرایا ہوا) گواہ ہے، وہ تیرا نبی مرسل و رسول برحق ہے جو (دنیا کیلئے) نعمت و رحمت ہے۔

نہایہ لغت؛ (قَبَسَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: أَوْرٰى قَبَسًا لِّقَابِسٍ.

نہایہ لغت؛ (وَرَا): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: حَتّٰى أَوْرٰى قَبَسًا لِّقَابِسٍ.

نہایہ لغت؛ (شَهِدَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ.

نہایہ لغت؛ (بَعَثَ): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: يَصِفُ النَّبِيَّ ﷺ شَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعِيْثُكَ نِعْمَةً.

(۱۰۸) صفحہ ۲۲۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۵، ص ۳۳۳]:

{تَحُوزُكُمُ الْجُفَاةُ الطَّغَامُ. وَ اَعْرَابُ اَهْلِ الشَّامِ. وَ اَنْتُمْ لَهَامِيمُ الْعَرَبِ. وَ يَاٰفِيخُ الشَّرَفِ.}

تمہیں چند کھرے قسم کے اوباشوں اور شام کے بدوؤں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ حالانکہ تم عرب کے جواں مرد، شرف کے راس و رئیس ہو۔

نہایہ لغت؛ (لَهَمَ): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: وَ اَنْتُمْ لَهَامِيمُ الْعَرَبِ.

نہایہ لغت؛ (يَاْفَخُ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: وَ اَنْتُمْ لَهَامِيمُ الْعَرَبِ. وَ يَاٰفِيخُ الشَّرَفِ.

(۱۰۹) صفحہ ۲۲۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۶، ص ۳۳۵]:

{فَلَا يَبْقٰى يَوْمَئِذٍ مِّنْكُمْ اِلَّا ثُفَالَةٌ كَثُفَالَةِ الْقِدْرِ. اَوْ نُفَاضَةٌ كَنُفَاضَةِ الْعِكْمِ.}

اس دن تم میں سے کوئی نہیں بچے گا، مگر کچھ گرے پڑے لوگ، جیسے دیگ کی کھرچن یا تھیلے کے جھاڑنے سے گرے ہوئے ریزے۔

نہایہ لغت؛ (عَكَمَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: نُفَاضَةٌ كَنُفَاضَةِ الْعِكْمِ.

(۱۱۰) صفحہ ۲۳۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۹، ص ۳۴۵]:

{وَاِنْ جَانِبٌ مِّنْهَا اعْذَوْذَبَ وَ احْلَوْلٰى. اَمَرَّ مِنْهَا جَانِبٌ فَاَوْبٰى.}

اگر اس کا ایک جنبہ شیریں و خوشگوار ہے تو دوسرا حصہ تلخ اور بلا انگیز۔

نہایہ لغت؛ (وَبَا): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: اَمَرَّ مِنْهَا جَانِبٌ فَاَوْبٰى.

(۱۱۱) صفحہ ۲۳۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۹، ص ۳۴۶]:

{وَ عَيْشُهَا رَنِقٌ. وَ عَذْبُهَا اُجَاجٌ. وَ حُلْوُهَا صَبِرٌ. وَ غِذَاٰؤُهَا سِمَامٌ.}

اس کا سر چشمہ گدلا، اس کا خوشگوار پانی کھاری، اس کی حلاوتیں ایلوا (کے

مانند تلخ) ہیں، اس کے کھانے زہر ہلاہل ہیں۔

نہایہ لغت؛ (اَجَجَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ عَذْبُهَا اُجَاجٌ.

نہایہ لغت؛ (سَمَمَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: يَذُمُّ الدُّنْيَا غِذَاؤُهَا سِمَامٌ.

(۱۱۲) صفحہ ۲۳۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۹، ص ۳۴۷]:

{وَ عَفَّرَتْهُمْ لِلْمَنَاخِرِ، وَ وَطِئَتْهُمْ بِالْمَنَاسِمِ.}

اور ناک کے بل انہیں خاک پر پچھاڑ دیا اور اپنے کھروں سے کچل ڈالا۔

نہایہ لغت؛ (نَسَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَطِئَتْهُمْ بِالْمَنَاسِمِ.

(۱۱۳) صفحہ ۲۳۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۰۹، ص ۳۴۷]:

{فَقَدْ رَاَيْتُمْ تَنَكُّرَهَا لِمَنْ دَانَ لَهَا، وَ اٰثَرَهَا وَ اَخْلَدَ اِلَيْهَا.}

تم نے تو دیکھا ہے کہ جو ذرا دنیا کی طرف جھکا اور اسے اختیار کیا اور اس سے لپٹا تو اس نے (اپنے تیور بدل کر ان سے کیسی) اجنبیت اختیار کر لی۔

نہایہ لغت؛ (خَلَدَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: يَذُمُّ الدُّنْيَا مَنْ دَانَ لَهَا، وَ اَخْلَدَ اِلَيْهَا.

(۱۱۴) صفحہ ۲۳۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۱۱، ص ۳۴۹]:

{وَ اُحَذِّرُكُمُ الدُّنْيَا، فَاِنَّهَا مَنْزِلُ قُلْعَةٍ، وَ لَيْسَتْ بِدَارِ نُجْعَةٍ.}

میں تمہیں دنیا سے خبردار کیے دیتا ہوں کہ یہ ایسے شخص کی منزل ہے جس کیلئے قرار نہیں۔

نہایہ لغت؛ (قَلَعَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اُحَذِّرُكُمُ الدُّنْيَا، فَاِنَّهَا مَنْزِلُ قُلْعَةٍ.

نہایہ لغت؛ (نَجَعَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: لَيْسَتْ بِدَارِ نُجْعَةٍ.

(۱۱۵) صفحہ ۲۴۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۱۳، ص ۳۵۴، ۳۵۵]:

{اَللّٰهُمَّ خَرَجْنَا اِلَيْكَ حِيْنَ اعْتَكَرَتْ عَلَيْنَا حَدَابِيْرُ

السِّنِيْنَ، وَاَخْلَفَتْنَا مَخَآئِلُ الْجَوْدِ. }

بار خدایا! جب کہ قحط سالی کے لاغر اور نڈھال اونٹ ہماری طرف پلٹ پڑے ہیں اور بظاہر برسنے والی گھٹائیں آ آ کے بن برسے گزر گئیں۔

نہایہ لغت؛ (حدبر): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: فِي الْاِسْتِسْقَاءِ اَللّٰهُمَّ خَرَجْنَا اِلَيْكَ حِيْنَ اعْتَكَرَتْ عَلَيْنَا حَدَابِيْرُ السِّنِيْنَ.

(۱۱۶) صفحہ ۲۴۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۱۳، ص۳۵۶]:

{ غَيْرَ خُلَّبٍ بَرْقُهَا، وَلَا جَهَامٍ عَارِضُهَا، وَلَا قَزَعٍ رَبَابُهَا، وَلَا شَفَّانٍ ذِهَابُهَا. }

اس کی بجلی دھوکہ دینے والی نہ ہو اور نہ اُفق پر چھا جانے والی گھٹا پانی سے خالی ہو اور نہ سفید ابر کے ٹکڑے بکھرے بکھرے سے ہوں اور نہ صرف ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں والی بوندا باندی ہو کر رہ جائے۔

نہایہ لغت؛ (شفن): فِيْ حَدِيْثِ اِسْتِسْقَاءِ عَلِيٍّ لَا قَزَعٌ رَبَابُهَا، وَلَا شَفَّانٌ ذِهَابُهَا.

(۱۱۷) صفحہ ۲۴۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۱۴، ص۳۵۸]:

{ اَمَا وَاللّٰهِ! لَيُسَلَّطَنَّ عَلَيْكُمْ غُلَامُ ثَقِيْفٍ الذَّيَّالُ الْمَيَّالُ، يَأْكُلُ خَضِرَتَكُمْ، وَيُذِيْبُ شَحْمَتَكُمْ، اِيْهٍ اَبَا وَذَحَةَ. }

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم پر بنی ثقیف کا ایک لڑکا تسلط پالے گا وہ دراز قد ہو گا اور بل کھا کر چلے گا۔ وہ تمہارے تمام سبزہ زاروں کو چر جائے گا اور تمہاری چربی (تک) پگھلا دے گا۔ ہاں اے ابو وذحہ کچھ اور!۔

نہایہ لغت؛ (وذح): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَمَا وَاللّٰهِ! لَيُسَلَّطَنَّ عَلَيْكُمْ غُلَامُ ثَقِيْفٍ اَلذَّيَّالُ الْمَيَّالُ، اِيْهٍ اَبَا وَذَحَةَ.

(۱۱۸) صفحہ ۲۵۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۱۹، ص ۳۶۳، ۳۶۴]:

{مُرْهُ الْعُيُوْنِ مِنَ الْبُكَآءِ، خُمْصُ الْبُطُوْنِ مِنَ الصِّيَامِ، ذُبُلُ الشِّفَاهِ مِنَ الدُّعَآءِ.}

رونے سے ان کی آنکھیں سفید، روزوں سے ان کے پیٹ لاغر، دُعاؤں سے ان کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔

نہایہ لغت؛ (مَرِہَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: خُمْصُ الْبُطُوْنِ مِنَ الصِّيَامِ مُرْهُ الْعُيُوْنِ مِنَ الْبُكَآءِ.

(۱۱۹) صفحہ ۲۶۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۲۴، ص ۳۷۷]:

{وَاللّٰهِ! لَا اَطُوْرُ بِهٖ مَا سَمَرَ سَمِيْرٌ، وَ مَا اَمَّ نَجْمٌ فِي السَّمَآءِ نَجْمًا!}

جب تک دنیا کا قصہ چلتا رہے گا اور کچھ ستارے دوسرے ستاروں کی طرف جھکتے رہیں گے۔

نہایہ لغت؛ (طَوِرَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَاللّٰهِ! لَا اَطُوْرُ بِهٖ مَا سَمَرَ سَمِيْرٌ.

نہایہ لغت؛ (سَمَرَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: لَا اَطُوْرُ بِهٖ مَا سَمَرَ سَمِيْرٌ.

(۱۲۰) صفحہ ۲۶۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۲۶، ص ۳۸۱]:

{كَاَنِّيْ اَرَاهُمْ قَوْمًا كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ.}

میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ جن کے چہرے ان ڈھالوں کی طرح ہیں کہ جن پر چمڑے کی تہیں منڈھی ہوئی ہوں۔

نہایہ لغت؛ (جَنَنَ): مِنْهُ حَدِيْثُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وُجُوْهُهُمْ كَالْمَجَانِّ الْمُطْرَقَةِ.

(۱۲۱) صفحہ ۲۷۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۳۲، ص ۳۹۴]:

{اِنَّكَ مَتٰى تَسِرْ اِلٰى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ، فَتَلْقَهُمْ بِشَخْصِكَ فَتُنْكَبْ. لَا تَكُنْ لِّلْمُسْلِمِيْنَ كَانِفَةٌ دُوْنَ اَقْصٰى بِلَادِهِمْ.}

تم اگر خود ان دشمنوں کی طرف بڑھے اور ان سے ٹکرائے اور کسی افتاد میں پڑ گئے تو اس صورت میں مسلمانوں کیلئے دور کے شہروں کے پہلے کوئی ٹھکانا نہ رہے گا۔

نہایہ لغت؛ (کَنَفَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: لَا تَكُنْ لِّلْمُسْلِمِيْنَ كَانِفَةٌ.

(۱۲۲) صفحہ ۲۷۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۳۵، ص ۳۹۸]:

{وَ اللّٰهِ! مَا اَنْكَرُوْا عَلَيَّ مُنْكَرًا. وَ لَا جَعَلُوْا بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ نِصْفًا.}

خدا کی قسم! انہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ انہوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف برتا۔

نہایہ لغت؛ (نَصَفَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ لَا جَعَلُوْا بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ نِصْفًا.

(۱۲۳) صفحہ ۲۸۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۴۳، ص ۴۱۱]:

{فَاتَّقُوا الْبِدَعَ، وَ الْزَمُوا الْمَهْيَعَ.}

بدعتی لوگوں سے بچو، روشن طریقہ پر جمے رہو۔

نہایہ لغت؛ (مَهْيَعٌ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اِتَّقُوا الْبِدَعَ. وَ الْزَمُوا الْمَهْيَعَ.

(۱۲۴) صفحہ ۳۰۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۵۵، ص ۴۴۱]:

{فَكَاَنَّكُمْ بِالسَّاعَةِ تَحْدُوْكُمْ حَدْوَ الزَّاجِرِ بِشَوْلِهٖ.}

گویا تم قیامت کے دامن سے وابستہ ہو کہ وہ تمہیں دھکیل کر اس طرح لئے جا

رہی ہے جس طرح للکارنے والا اپنی اونٹنیوں کو۔

نہایہ لغت: (شَوَلَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فَكَأَنَّكُمْ بِالسَّاعَةِ تَحْدُوكُمْ حَدْوَ الزَّاجِرِ بِشَوْلِهِ.

(۱۲۵) صفحہ ۳۲۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۳، ص ۴۶۲]:

{فَمِنْهَا مَغْمُوسٌ فِيْ قَالَبِ لَوْنٍ لَّا يَشُوْبُهُ غَيْرُ لَوْنِ مَا غُمِسَ فِيْهِ.}

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک ہی رنگ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ یوں کہ جس رنگ میں انہیں ڈبویا گیا ہے اس کے علاوہ کسی اور رنگ کی ان میں آمیزش نہیں کی گئی۔

نہایہ لغت: (قَلَبَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فِيْ صِفَةِ الطُّيُوْرِ فَمِنْهَا مَغْمُوْسٌ فِيْ قَالَبِ لَوْنٍ لَّا يَشُوْبُهُ غَيْرُ لَوْنِ مَا غُمِسَ فِيْهِ.

(۱۲۶) صفحہ ۳۲۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۳، ص ۴۶۲]:

{وَ سَمَا بِهٖ مُطِلًّا عَلٰى رَأْسِهٖ. كَأَنَّهٗ قِلْعُ دَارِيٍّ عَنَجَهٗ نُوْتِيُّهٗ.}

اور اسے اس طرح اونچا لے جاتا ہے کہ وہ اس کے سر پر سایہ افگن ہو کر پھیل جاتی ہے۔ گویا وہ (مقام) دارین کی اس کشتی کا بادبان ہے جسے اس کا ملاح اِدھر اُدھر موڑ رہا ہو۔

نہایہ لغت: (دَوَرَ): مِنْهُ كَلَامُ عَلِيٍّ كَأَنَّهٗ قِلْعُ دَارِيٍّ.

نہایہ لغت: (قَلَعَ): فِيْ حَدِيثِ عَلِيٍّ: كَأَنَّهٗ قِلْعُ دَارِيٍّ.

نہایہ لغت: (عَنَجَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: كَأَنَّهٗ قِلْعُ دَارِيٍّ عَنَجَهٗ نُوْتِيُّهٗ.

نہایہ لغت؛ (نَوَتَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: كَاَنَّهُ قِلْعُ دَارِيٍّ عَنَجهُ نُوْتِيُّهُ.

(۱۲۷) صفحہ ۳۲۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۳، ص ۴۶۲]:

{يُفْضِيْ كَافْضَآءِ الدِّيَكَةِ. وَ يَؤُرُّ بِمُلَاقَحَةٍ اَرَّ الْفُحُوْلِ الْمُغْتَلِمَةِ لِلضِّرَابِ.}

مرغوں کی طرح جفتی کھاتا ہے اور (اپنی مادہ کو) حاملہ کرنے کیلئے جوش و ہیجان میں بھرے ہوئے نروں کی طرح جوڑ کھاتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (اَرَرَ): فِيْ خُطْبَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ يُفْضِيْ كَافْضَآءِ الدِّيَكَةِ، وَيَؤُرُّ بِمُلَاقِحِهِ.

(۱۲۸) صفحہ ۳۲۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۳، ص ۴۶۲]:

{اَنَّهُ يُلْقِحُ بِدَمْعَةٍ تَسْفَحُهَا مَدَامِعُهُ. فَتَقِفُ فِيْ ضَفَّتَيْ جُفُوْنِهِ.}

وہ اپنے گوشہ ہائے چشم کے بہائے ہوئے اس آنسو سے اپنی مادہ کو انڈوں پر لاتا ہے کہ جو اس کی پلکوں کے دونوں کناروں میں آ کر ٹھہر جاتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (ضَفَفَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: فَيَقِفُ ضَفَّتَيْ جُفُوْنِهِ.

(۱۲۹) صفحہ ۳۳۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۳، ص ۴۶۵]:

{وَ سُبْحَانَ مَنْ اَدْمَجَ قَوَآئِمَ الذَّرَّةِ وَ الْهَمَجَةِ.}

اور پاک ہے وہ خدا کہ جس نے چیونٹی اور مچھر کے پیروں کو مضبوط و مستحکم کیا ہے۔

نہایہ لغت؛ (دَمَجَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَسُبْحَانَ مَنْ اَدْمَجَ قَوَآئِمَ الذَّرَّةِ وَ الْهَمَجَةِ.

نہایہ لغت؛ (هَمَجَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَسُبْحَانَ مَنْ اَدْمَجَ قَوَآئِمَ الذَّرَّةِ وَ الْهَمَجَةِ.

(۱۳۰) صفحہ ۳۳۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۳، ص ۴۶۵، ۴۶۶]:

{وَفِیْ تَعْلِیْقِ کَبَآئِسِ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ فِیْ عَسَالِیْجِهَا وَاَفْنَانِهَا.}

اور ان کی بڑی اور چھوٹی ٹہنیوں میں تر و تازہ موتیوں کے گچھوں کے لٹکنے کے (نظاروں) میں محو ہو جائے گا۔

نہایہ لغت؛ (کَبَسَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: کَبَآئِسُ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ.

نہایہ لغت؛ (عَسَلَجَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: تَعْلِیْقُ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ فِیْ عَسَالِیْجِهَا.

(۱۳۱) صفحہ ۳۳۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۶۶، ص ۴۷۱]:

{وَهَاهُمْ هٰٓؤُلَآءِ قَدْ ثَارَتْ مَعَهُمْ عُبْدَانُکُمْ.}

اور عالم یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (عَبَدَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: هٰٓؤُلَآءِ قَدْ ثَارَتْ مَعَهُمْ عُبْدَانُکُمْ.

(۱۳۲) صفحہ ۳۴۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۳، ص ۴۸۱]:

{کَاَنَّکُمْ نَعَمٌ اَرَاحَ بِهَا سَآئِمٌ اِلٰی مَرْعًی وَّبِیٍّ، وَ مَشْرَبٍ دَوِیٍّ.}

گویا تم وہ اونٹ ہو جن کا چرواہا انہیں ایک ہلاک کرنے والی چراگاہ اور تباہ کرنے والے گھاٹ پر لایا ہو۔

نہایہ لغت؛ (دَوَا): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: اِلٰی مَرْعًی وَّبِیٍّ، وَ مَشْرَبٍ دَوِیٍّ.

(۱۳۳) صفحہ ۳۵۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۵، ص ۴۹۱، ۴۹۲]:

{فَاَخَذْنَا عَلَیْهِمَا اَنْ یُّجَعْجِعَا عِنْدَ الْقُرْاٰنِ، وَلَا یُجَاوِزَاهُ.}

چنانچہ ہم نے ان دونوں سے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ قرآن کے مطابق عمل کریں اور اس سے سرِ مو تجاوز نہ کریں۔

نہایہ لغت؛ (جَعْجَعَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: فَاَخَذْنَا عَلَيْهِمَا اَنْ يُّجَعْجِعَا عِنْدَ الْقُرْآنِ. وَ لَا يُجَاوِزَاهُ.

(۱۳۴) صفحہ ۳۵۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۷۶، ص ۴۹۳]:

{وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. الْمُجْتَبٰى مِنْ خَلَآئِقِهٖ. وَالْمُعْتَامُ لِشَرْحِ حَقَآئِقِهٖ. وَ الْمُخْتَصُّ بِعَقَآئِلِ كَرَامَاتِهٖ.}

اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد اور رسول ہیں اور مخلوقات میں منتخب، بیان شریعت کیلئے برگزیدہ گراں بہا بزرگیوں سے مخصوص ہیں۔

نہایہ لغت؛ (عَيَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: رَسُوْلُهُ الْمُجْتَبٰى مِنْ خَلَآئِقِهٖ، وَالْمُعْتَامُ لِشَرْعِ حَقَآئِقِهٖ.

نہایہ لغت؛ (عَقَلَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَلْمُخْتَصُّ بِعَقَآئِلِ كَرَامَاتِهٖ.

(۱۳۵) صفحہ ۳۷۰ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۱، ص ۵۱۲]:

{اَيُّهَا الْيَفَنُ الْكَبِيْرُ! الَّذِیْ قَدْ لَهَزَهُ الْقَتِيْرُ.}

اے پیر کہن سال! کہ جس پر بڑھاپا چھایا ہوا ہے۔

نہایہ لغت؛ (يَفَنَ): فِيْ كَلَامِ عَلِيٍّ اَيُّهَا الْيَفَنُ الَّذِیْ قَدْ لَهَزَهُ الْقَتِيْرُ.

(۱۳۶) صفحہ ۳۹۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۹، ص ۵۳۹]:

{اَلَا وَهِيَ الْمُتَصَدِّيَةُ الْعَنُوْنُ وَالْجَامِحَةُ الْحَرُوْنُ، وَالْمَآئِنَةُ الْخَؤُوْنُ.}

دیکھو! یہ دنیا جھلک دکھا کر منہ موڑ لینے والی، چنڈال اور منہ زور، اڑیل اور جھوٹی، بڑی خائن ہے۔

نہایہ لغت؛ (عَنَنَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: يَذُمُّ الدُّنْيَا اَلَا وَهِيَ الْمُتَصَدِّيَةُ الْعَنُوْنُ.

نہایہ لغت؛ (هَيَنَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فِي ذَمِّ الدُّنْيَا فَهِيَ الْجَامِحَةُ الْحَرُونُ، وَالْمَآئِنَةُ الْخَؤُونُ.

(۱۳۷) صفحہ ۴۰۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۴۸]:

{لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ لِاَنْبِيَآئِهٖ حَيْثُ بَعَثَهُمْ اَنْ يَفْتَحَ لَهُمْ كُنُوْزَ الذِّهْبَانِ، وَمَعَادِنَ الْعِقْيَانِ.}

اگر خداوند عالم یہ چاہتا کہ جس وقت اس نے نبیوں کو مبعوث کیا تو ان کیلیے سونے کے خزانوں اور خالص طلا کی کانوں کے منہ کھول دیتا۔

نہایہ لغت؛ (عقا): فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ: لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَفْتَحَ عَلَيْهِمْ مَعَادِنَ الْعِقْيَانِ.

(۱۳۸) صفحہ ۴۰۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۴۹]:

{ثُمَّ وَضَعَهٗ بِاَوْعَرِ بِقَاعِ الْاَرْضِ حَجَرًا، وَاَقَلِّ نَتَآئِقِ الدُّنْيَا مَدَرًا.}

پھر یہ کہ اس نے اسے زمین کے رقبوں میں سے ایک سنگلاخ رقبہ اور دنیا میں بلندی پر واقع ہونے والی آبادیوں میں سے ایک کم مٹی والے مقام میں قرار دیا۔

نہایہ لغت؛ (نتق): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فِي صِفَةِ مَكَّةَ وَالْكَعْبَةُ اَقَلِّ نَتَآئِقِ الدُّنْيَا مَدَرًا.

(۱۳۹) صفحہ ۴۰۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۴۹]:

{بَيْنَ جِبَالٍ خَشِنَةٍ، وَرِمَالٍ دَمِثَةٍ، وَعُيُوْنٍ وَّشِلَةٍ.}

کھرے اور کھردرے پہاڑوں، نرم ریتلے میدانوں، کم آب چشموں۔

نہایہ لغت؛ (وَشَلَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: رِمَالٌ دَمِثَةٌ، وَ عُيُوْنٌ وَّشِلَةٌ.

(۱۴۰) صفحہ ۴۰۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۵۰]:

{لَوَضَعَ مُجَاهَدَةَ اِبْلِيْسَ عَنِ الْقُلُوْبِ، وَ لَنَفٰى مُعْتَلِجَ الرَّيْبِ مِنَ النَّاسِ.}

اور دلوں سے شیطان کی دوڑ دھوپ (کا اثر) مٹا دیتی اور لوگوں سے شکوک کے خلجان دور کر دیتی۔

نہایہ لغت؛ (عَلَجَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ نَفٰى مُعْتَلِجَ الرَّيْبِ مِنَ النَّاسِ.

(۱۴۱) صفحہ ۴۱۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۵۵]:

{اِلٰى مَنَابِتِ الشِّيْحِ، وَ مَهَافِي الرِّيْحِ، وَ نَكَدِ الْمَعَاشِ.}

خاردار جھاڑیوں، ہواؤں کی بے روگ گزرگاہوں اور معیشت کی دشواریوں کی طرف دھکیل دیتے تھے۔

نہایہ لغت؛ (هَفَا): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اِلٰى مَنَابِتِ الشِّيْحِ، وَ مَهَافِي الرِّيْحِ.

(۱۴۲) صفحہ ۴۳۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۶، ص ۵۸۰]:

{يَعْلَمُ عَجِيْجَ الْوُحُوْشِ فِي الْفَلَوَاتِ، وَ مَعَاصِيَ الْعِبَادِ فِي الْخَلَوَاتِ، وَ اخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ.}

وہ (خداوند عالم) بیابانوں میں چوپاؤں کے نالے (سنتا ہے)، تنہائیوں میں بندوں کے گناہوں سے آگاہ ہے اور اتھاہ دریاؤں میں مچھلیوں کی آمد و شد کو جانتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (نَوَنَ): حَدِيْثُ عَلِيٍّ: يَعْلَمُ اخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ.

(۱۴۳) صفحہ ۴۵۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۰۹، ص ۶۱۰]:

{وَ اَرْسٰی اَرْضًا یَحْمِلُهَا الْاَخْضَرُ الْمُثْعَنْجَرُ، وَ الْقَمْقَامُ الْمُسَخَّرُ.}

اور زمین کو اس طرح قائم کیا کہ اسے ایک نیلگوں گہرا اور (فرمان الٰہی کے حدود میں) گھرا ہوا دریا اٹھائے ہوئے ہے۔

نہایہ لغت؛ (قَمْقَمَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: يَحْمِلُهَا الْاَخْضَرُ الْمُثْعَنْجَرُ، وَ الْقَمْقَامُ الْمُسَخَّرُ.

(۱۴۴) صفحہ ۴۰۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۱۸، ص ۶۲۶]:

{لَبِسْنَا اَهْدَامَ الْبِلٰی، وَ تَكَآءَدَنَا ضِيْقُ الْمَضْجَعِ.}

اور ہم نے بوسیدہ کفن پہن رکھا ہے اور قبر کی تنگی نے ہمیں عاجز کر دیا ہے۔

نہایہ لغت؛ (كَاَدَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ تَكَآءَدَنَا ضِيْقُ الْمَضْجَعِ.

(۱۴۵) صفحہ ۴۸۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۲۵، ص ۶۳۸]:

{لِلّٰهِ بِلَآءُ فُلَانٍ، فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ، وَ دَاوَی الْعَمَدَ.}

فلاں شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے! انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، مرض کا چارہ کیا۔

نہایہ لغت؛ (عَمِدَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: لِلّٰهِ بِلَآءُ فُلَانٍ، فَلَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ، وَ دَاوَی الْعَمَدَ.

(۱۴۶) صفحہ ۴۸۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۲۶، ص ۶۴۳]:

{ثُمَّ تَدَاكَكْتُمْ عَلَیَّ تَدَاكَّ الْاِبِلِ الْهِيْمِ عَلٰی حِيَاضِهَا يَوْمَ وُرُوْدِهَا.}

مگر تم نے مجھ پر اس طرح ہجوم کیا جس طرح پیاسے اونٹ پانی پینے کے دن

تالابوں پر ٹوٹتے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (دَکَکَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: ثُمَّ تَدَاكَكْتُمْ عَلَيَّ تَدَاكُكَ الْاِبِلِ الْهِيْمِ عَلٰى حِيَاضِهَا.

(۱۴۷) صفحہ ۴۸۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۲۷، ص ۶۴۴]:

{فَيُوْشِكُ اَنْ تَغْشَاكُمْ دَوَاجِيْ ظُلَلِهٖ.}

قریب ہے کہ سحابِ مرگ کی تیرگیاں تمہیں گھیر لیں۔

نہایہ لغت؛ (دَجَا): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: يُوْشِكُ اَنْ تَغْشَاكُمْ دَوَاجِيْ ظُلَلِهٖ.

(۱۴۸) صفحہ ۴۹۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۳۵، ص ۶۵۱]:

{جُفَاةٌ طَغَامٌ. وَ عَبِيْدٌ اَقْزَامٌ. جُمِّعُوْا مِنْ كُلِّ اَوْبٍ.}

وہ تند خو اوباش اور کمینے بدقماش ہیں کہ جو ہر طرف سے اکھٹا کر لئے گئے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (قَزَمَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: فِيْ ذَمِّ اَهْلِ الشَّامِ جُفَاةٌ طَغَامٌ عَبِيْدٌ اَقْزَامٌ.

(۱۴۹) جلد دوم صفحہ ۲، ۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۱، ص ۶۵۷]:

{وَ كَانَ طَلْحَةُ وَ الزُّبَيْرُ اَهْوَنُ سَيْرِهِمَا فِيْهِ الْوَجِيْفُ.}

البتہ ان کے بارے میں طلحہ و زبیر کی ہلکی سے ہلکی رفتار بھی تند و تیز تھی۔

نہایہ لغت؛ (وَجَفَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اَهْوَنُ سَيْرِهِمَا فِيْهِ الْوَجِيْفُ.

(۱۵۰) صفحہ ۱۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۱۱، ص ۶۷۴]:

{وَ اِذَا غَشِيَكُمُ اللَّيْلُ فَاجْعَلُوا الرِّمَاحَ كِفَّةً. وَ لَا تَذُوْقُوا النَّوْمَ اِلَّا غِرَارًا اَوْ مَضْمَضَةً.}

اور جب رات تم پر چھا جائے تو نیزوں کو (اپنے گرد) گاڑ کر ایک دائرہ سا بنا

لو۔ صرف اونگھ لینے اور ایک آدھ جھپکی لے لینے کے سوا نیند کا مزہ نہ چکھو۔

نہایہ لغت؛ (کَفَفَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: إِذَا غَشِيَكُمُ اللَّيْلُ فَاجْعَلُوا الرِّمَاحَ كِفَّةً.

نہایہ لغت؛ (مَضْمَضَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ لَا تَذُوْقُوا النَّوْمَ إِلَّا غِرَارًا وَ مَضْمَضَةً.

(۱۵۱) صفحہ ۱۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۱۴، ص ۶۷۸]:

{فَلَا تَقْتُلُوْا مُدْبِرًا، وَلَا تُصِيْبُوْا مُعْوِرًا، وَ لَا تُجْهِزُوْا عَلٰى جَرِيْحٍ.}

کسی پیٹھ پھیرانے والے کو قتل نہ کرنا، کسی بے دست و پا پر ہاتھ نہ اٹھانا، کسی زخمی کی جان نہ لینا۔

نہایہ لغت؛ (عَوَرَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: لَا تُجْهِزُوْا عَلٰى جَرِيْحٍ، وَ لَا تُصِيْبُوْا مُعْوِرًا.

(۱۵۲) صفحہ ۱۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۱۸، ص ۶۸۷]:

{إِنَّ بَنِيْ تَمِيْمٍ لَمْ يَغِبْ لَهُمْ نَجْمٌ إِلَّا طَلَعَ لَهُمْ آخَرُ. وَ إِنَّهُمْ لَمْ يُسْبَقُوْا بِوَغْمٍ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَ لَا إِسْلَامٍ.}

بنی تمیم تو وہ ہیں کہ جب بھی ان کا کوئی ستارہ ڈوبتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا ابھر آتا ہے، اور جاہلیت اور اسلام میں کوئی ان سے جنگ جوئی میں بڑھ نہ سکا۔

نہایہ لغت؛ (وَغَمَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَإِنَّ بَنِيْ تَمِيْمٍ لَمْ يُسْبَقُوْا بِوَغْمٍ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَ لَا إِسْلَامٍ.

(۱۵۳) صفحہ ۲۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۳، ص ۶۹۲]:

{وَ مَا كُنْتُ إِلَّا كَقَارِبٍ وَرَدَ، وَ طَالِبٍ وَجَدَ.}

میری مثال بس اس شخص کی سی ہے جو رات بھر پانی کی تلاش میں چلے اور صبح ہوتے ہی چشمہ پر پہنچ جائے اور اس ڈھونڈنے والے کی مانند ہوں جو مقصد

کو پالے۔

نہایہ لغت؛ (قَرَبَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ مَا كُنْتُ اِلَّا كَقَارِبٍ وَّرَدَ، وَ طَالِبٍ وَّجَدَ.

(۱۵۴) صفحہ ۲۳ [اذکار وصیت ۲۴،ص ۶۹۳]:

{وَ اَنْ لَّا يَبِيْعَ مِنْ اَوْلَادِ نَخْلِ هٰذِهِ الْقُرٰى وَدِيَّةً حَتّٰى تُشْكِلَ اَرْضُهَا غِرَاسًا.}

اور یہ کہ وہ ان دیہاتوں کے نخلستانوں کی نئی پود کو فروخت نہ کرے، یہاں تک کہ ان دیہاتوں کی زمین کا ان نئے درختوں کے جم جانے سے عالم ہی دوسرا ہو جائے۔

شریف رضیؒ نے اس فقرہ کی شرح میں لکھا ہے:

وَ الْمُرَادُ بِهٖ: اَنَّ الْاَرْضَ يَكْثُرُ فِيْهَا غِرَاسُ النَّخْلِ حَتّٰى يَرَاهَا النَّاظِرُ عَلٰى غَيْرِ تِلْكَ الصِّفَةِ الَّتِيْ عَرَفَهَا بِهَا فَيُشْكِلُ عَلَيْهِ اَمْرُهَا.

اس مراد یہ ہے کہ جب زمین میں کھجوروں کے پیڑ کثرت سے اُگ آتے ہیں تو دیکھنے والوں نے جس صورت میں اسے دیکھا تھا، اب دوسری صورت میں دیکھنے کی وجہ سے اسے اشتباہ ہو جائے گا۔

نہایہ لغت؛ (شَكَلَ): فِيْ وَصِيَّةِ عَلِيٍّ وَ اَنْ لَّا يَبِيْعَ مِنْ اَوْلَادِ نَخْلِ هٰذِهِ الْقُرٰى وَدِيَّةً حَتّٰى يُشْكِلَ اَرْضُهَا غِرَاسًا اَيْ حَتّٰى يَكْثُرَ غِرَاسُ النَّخْلِ فِيْهَا فَيَرَاهَا النَّاظِرُ عَلٰى غَيْرِ الصِّفَةِ الَّتِيْ عَرَفَهَا بِهٖ فَيُشْكِلُ عَلَيْهِ اَمْرُهَا.

حل لغت میں الفاظ کا متحد ہونا بھی معنی خیز اور قابلِ لحاظ ہے۔

(۱۵۵) صفحہ ۲۴ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۵، ص ۶۹۵]:

{حَتّٰی تَقُوْمَ بَیْنَهُمْ فَتُسَلِّمَ عَلَیْهِمْ. وَ لَا تُخْدِجْ بِالتَّحِیَّةِ لَهُمْ.}

یہاں تک کہ جب ان میں جا کر کھڑے ہو جاؤ تو ان پر سلام کرنا اور آداب و تسلیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔

نہایہ لغت؛ (خَدَجَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: تُسَلِّمَ عَلَیْهِمْ، وَ لَا تُخْدِجِ التَّحِیَّةَ لَهُمْ.

(۱۵۶) صفحہ ۲۵ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۵، ص ۶۹۷]:

{وَ لَا یَمْصُرَ لَبَنَهَا فَیَضُرَّ ذٰلِكَ بِوَلَدِهَا.}

اور نہ اس کا سارے کا سارا دودھ دوہ لیا کرے کہ بچے کیلئے ضرر رسانی کا باعث بن جائے۔

نہایہ لغت؛ (مَصَرَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: وَ لَا یَمْصُرُ لَبَنَهَا، فَیَضُرَّ ذٰلِكَ بِوَلَدِهَا.

(۱۵۷) صفحہ ۲۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۵، ص ۶۹۷]:

{وَ لْیُرَفِّهْ عَلَی اللَّاغِبِ. وَ لْیَسْتَأْنِ بِالنَّقِبِ وَ الظَّالِعِ.}

اور جس کے کھر گھس گئے ہوں یا پیر لنگ کرنے لگے ہوں اسے آہستگی اور نرمی سے لے چلے۔

نہایہ لغت؛ (نَقَبَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: وَ لْیَسْتَأْنِ بِالنَّقِبِ وَ الظَّالِعِ.

نہایہ لغت؛ (ظَلَعَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: وَ لْیَسْتَأْنِ بِذَاتِ النَّقْبِ وَ الظَّالِعِ.

(۱۵۸) صفحہ ۲۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۵، ص ۶۹۷]:

{وَ لْیُرَوِّحْهَا فِی السَّاعَاتِ، وَ لْیُمْهِلْهَا عِنْدَ النِّطَافِ وَالْاَعْشَابِ.}

اور وقتاً فوقتاً انہیں راحت پہنچاتا رہے، اور جہاں تھوڑا بہت پانی یا گھاس سبزہ ہو انہیں کچھ دیر کیلئے مہلت دے۔

نہایہ لغت؛ (نَطَفَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَلْيُمْهِلْهَا عِنْدَ النِّطَافِ وَالْاَعْشَابِ.

(۱۵۹) صفحہ ۳۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۸، ص ۲۰۲]:

{وَ زَعَمْتَ اَنَّ اَفْضَلَ النَّاسِ فِي الْاِسْلَامِ فُلَانٌ وَّ فُلَانٌ،... هَيْهَاتَ لَقَدْ حَنَّ قِدْحٌ لَّيْسَ مِنْهَا.}

تم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل فلاں اور فلاں (ابوبکر وعمر) ہیں۔۔۔۔۔۔ کتنا نامناسب ہے کہ جوئے کے تیروں میں نقلی تیر آواز دینے لگے۔

نہایہ لغت؛ (حَنَنَ): مِنْهُ كِتَابُ عَلِيٍّ اِلٰى مُعَاوِيَةَ وَاَمَّا قَوْلُكَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَقَدْ حَنَّ قِدْحٌ لَّيْسَ مِنْهَا.

(۱۶۰) صفحہ ۳۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۲۸، ص ۲۰۳]:

{لَمْ يَمْنَعْنَا قَدِيْمُ عِزِّنَا وَ لَا عَادِيُّ طَوْلِنَا عَلٰى قَوْمِكَ اَنْ خَلَطْنَاكُمْ بِاَنْفُسِنَا.}

ہم نے اپنی نسلاً بعد نسل چلی آنے والی عزت اور تمہارے خاندان پر قدیمی برتری کے باوجود کوئی خیال نہ کیا۔

نہایہ لغت؛ (عَدَا): مِنْهُ كِتَابُ عَلِيٍّ اِلٰى مُعَاوِيَةَ لَمْ يَمْنَعْنَا قَدِيْمُ عِزِّنَا وَ لَا عَادِيُّ طَوْلِنَا عَلٰى قَوْمِكَ اَنْ خَلَطْنَاكُمْ بِاَنْفُسِنَا.

(۱۶۱) صفحہ ۵۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۳۱، ص ۲۲۹]:

{وَ اِيَّاكَ وَ مُشَاوَرَةَ النِّسَآءِ. فَاِنَّ رَاْيَهُنَّ اِلٰى اَفْنٍ، وَ

عَزْمَهُنَّ اِلٰى وَهْنٍ. }

(خبردار!) عورتوں سے ہرگز مشورہ نہ لو، کیونکہ ان کی رائے کمزور اور ارادہ سست ہوتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (اَفْنٍ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اِيَّاكَ وَ مُشَاوَرَةَ النِّسَآءِ. فَاِنَّ رَاْيَهُنَّ اِلٰى اَفْنٍ.

(۱۶۲) صفحہ ۶۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۱، ص ۷۴۰]:

{ فَلَمَّا رَاَيْتَ الزَّمَانَ عَلَى ابْنِ عَمِّكَ قَدْ كَلِبَ. وَ الْعَدُوَّ قَدْ حَرِبَ. }

لیکن جب تم نے دیکھا کہ زمانہ تمہارے چچازاد بھائی کے خلاف حملہ آور ہے اور دشمن بپھرا ہوا ہے۔

نہایہ لغت؛ (كَلِبَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كَتَبَ اِلٰى اِبْنِ عَبَّاسٍ حِيْنَ اَخَذَ مَالَ الْبَصْرَةِ فَلَمَّا رَاَيْتَ الزَّمَانَ عَلَى ابْنِ عَمِّكَ قَدْ كَلِبَ. وَ الْعَدُوَّ قَدْ حَرِبَ.

(۱۶۳) صفحہ ۶۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۱، ص ۷۴۰]:

{ قَلَبْتَ لِابْنِ عَمِّكَ ظَهْرَ الْمِجَنِّ. فَفَارَقْتَهٗ مَعَ الْمُفَارِقِيْنَ. }

تم نے بھی اپنے ابن عم سے رخ موڑ لیا، اور ساتھ چھوڑ دینے والوں کے ساتھ تم نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔

نہایہ لغت؛ (جَنَنَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كَتَبَ اِلَيَّ اِبْنُ عَبَّاسٍ قَلَبْتَ لِابْنِ عَمِّكَ ظَهْرَ الْمِجَنِّ.

(۱۶۴) صفحہ ۶۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۱، ص ۷۴۰]:

{وَاخْتَطَفْتَ مَا قَدَرْتَ عَلَيْهِ، مِنْ اَمْوَالِهِمُ الْمَصُوْنَةِ لِاَرَامِلِهِمْ. وَ اَيْتَامِهِمُ اخْتِطَافَ الذِّئْبِ الْاَزَلِّ، دَامِيَةَ الْمِعْزَى الْكَسِيْرَةِ.}

اور جتنا بن پڑا اس مال پر جو بیواؤں اور یتیموں کیلئے محفوظ رکھا گیا تھا، یوں جھپٹ پڑے جس طرح پھرتیلا بھیڑیا زخمی اور لاچار بکری کو اُچک لیتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (زَلَلَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كَتَبَ اِلَى اِبْنِ عَبَّاسٍ اِخْتَطَفْتَ مَا قَدَرْتَ عَلَيْهِ. مِنْ اَمْوَالِ الْاُمَّةِ اخْتِطَافَ الذِّئْبِ الْاَزَلِّ، دَامِيَةَ الْمِعْزَى.

(۱۶۵) صفحہ ۶۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۱، ص ۷۴۱]:

{فَضَحِّ رُوَيْدًا. فَكَاَنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ الْمَدٰى.}

ذرا سنبھلو اور سمجھو کہ تم عمر کی آخری حد تک پہنچ چکے ہو۔

نہایہ لغت؛ (ضَحَا): مِنَ الْاَوَّلِ كِتَابُ عَلِيٍّ اِلَى اِبْنِ عَبَّاسٍ اَلَا ضَحِّ رُوَيْدًا، قَدْ بَلَغْتَ الْمَدٰى.

(۱۶۶) صفحہ ۷۱ [افکار، مکتوب ۴۴، ص ۷۴۳]:

{كَتَبَ اِلَيْكَ يَسْتَزِلُّ لُبَّكَ، وَيَسْتَفِلُّ غَرْبَكَ.}

اس (معاویہ) نے تمہاری طرف خط لکھ کر تمہاری عقل کو پھسلانا اور تمہاری دھار کو کند کرنا چاہا ہے۔

نہایہ لغت؛ (فَلَلَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: يَسْتَزِلُّ لُبَّكَ، وَيَسْتَفِلُّ غَرْبَكَ.

(۱۶۷) صفحہ ۷۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۴، ص ۷۴۴]:

{وَ الْمُتَعَلِّقُ بِهَا كَالْوَاغِلِ الْمُدَفَّعِ. وَ النَّوْطِ الْمُذَبْذَبِ.}

تو جو شخص اس بات کا سہارا کر بیٹھے وہ ایسا ہے جیسے بزمِ مے نوشی میں بن

بلائے آنے والا کہ اسے دھکے دے کر نکال باہر کیا جاتا ہے، یا زین فرس میں لٹکے ہوئے اس پیالے کے مانند کہ جو ادھر سے ادھر تھر کتا رہتا ہے۔

شریف رضیؒ اس فقرہ کے تحت میں لکھتے ہیں:

اَلْوَاغِلِ: هُوَ الَّذِیْ یَهْجُمُ عَلَى الشُّرَّبِ لِیَشْرَبَ مَعَهُمْ وَ لَیْسَ مِنْهُمْ. فَلَا یَزَالُ مُدَفَّعًا مُّحَاجَزًا. وَ النَّوْطِ الْمُذَبْذَبِ: هُوَ مَا یُنَاطُ بِرَحْلِ الرَّاكِبِ. مِنْ قَعْبٍ اَوْ قَدَحٍ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ. فَهُوَ اَبَدًا یَتَقَلْقَلُ اِذَا حَثَّ ظَهْرَهٗ، وَاسْتَعْجَلَ سَیْرَهٗ.

امیرالمؤمنینؑ نے جو لفظ "اَلْوَاغِلِ" فرمایا ہے تو یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو مے خواروں کی مجلس میں بن بلائے پہنچ جائے، تاکہ ان کے ساتھ پی سکے، حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے ایسا شخص ہمیشہ دھتکارا اور روکا جاتا ہے۔ اور "اَلنَّوْطِ الْمُذَبْذَبِ" لکڑی کے پیالہ یا جام یا اس سے ملتے جلتے ظرف کو کہا جاتا ہے کہ جو مسافر کے سامان سے بندھا رہتا ہے اور جب سوار سواری کو چلاتا اور تیز ہنکاتا ہے تو وہ برابر ادھر سے ادھر جنبش کھاتا رہتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (وَغَلَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: اَلْمُتَعَلِّقُ بِهَا كَالْوَاغِلِ الْمُدَفَّعِ. اَلْوَاغِلُ: اَلَّذِیْ یَهْجُمُ عَلَى الشُّرَّبِ لِیَشْرَبَ مَعَهُمْ وَ لَیْسَ مِنْهُمْ. فَلَا یَزَالُ مُدَفَّعًا بَیْنَهُمْ.

نہایہ لغت؛ (نَوَطَ): مِنْهُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: اَلْمُتَعَلِّقُ بِهَا كَالنَّوْطِ الْمُذَبْذَبِ اَرَادَ مَا یُنَاطُ بِرَحْلِ الرَّاكِبِ. مِنْ قَعْبٍ اَوْ غَیْرِهٖ. فَهُوَ اَبَدًا یَتَحَرَّكُ.

حل لغت میں الفاظ کا اتحاد قابلِ لحاظ ہے۔

(۱۶۸) صفحہ ۷۲۳ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۵، ص ۷۴۷]:

{وَ النَّفْسُ مَظَانُّهَا فِيْ غَدٍ جَدَثٌ، تَنْقَطِعُ فِيْ ظُلْمَتِهٖ اٰثَارُهَا. }
اور نفس کی منزل کل قبر قرار پانے والی ہے کہ جس کی اندھیاریوں میں اس کے نشانات مٹ جائیں گے۔

نہایہ لغت؛ (جدث): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: فِيْ جَدَثٍ يَنْقَطِعُ فِيْ ظُلْمَتِهٖ آثَارُهَا.

(۱۶۹) صفحہ ۲۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۵، ص ۷۴۶]:

{فَوَاللّٰهِ! مَا كَنَزْتُ مِنْ دُنْيَاكُمْ تِبْرًا، وَ لَا ادَّخَرْتُ مِنْ غَنَآئِمِهَا وَفْرًا. }
خدا کی قسم! میں نے تمہاری دنیا سے سونا سمیٹ کر نہیں رکھا، اور نہ اس کے مال و متاع میں سے انبار جمع کر رکھے ہیں۔

نہایہ لغت؛ (وفر): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ لَا ادَّخَرْتُ مِنْ غَنَآئِمِهَا وَفْرًا.

(۱۷۰) صفحہ ۴۷ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۵، ص ۷۴۷]:

{اَوْ اَبِيْتَ مِبْطَانًا وَّ حَوْلِيْ بُطُوْنٌ غَرْثٰى، وَ اَكْبَادٌ حَرّٰى. }
کیا میں شکم سیر ہو کر پڑا رہا کروں، درآنحالانکہ میرے گرد و پیش بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں؟

نہایہ لغت؛ (بطن): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اَبِيْتُ مِبْطَانًا وَّ حَوْلِيْ بُطُوْنٌ غَرْثٰى.

نہایہ لغت؛ (غرث): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اَبِيْتُ مِبْطَانًا وَّ حَوْلِيْ بُطُوْنٌ غَرْثٰى.

(۱۷۱) صفحہ ۸۹ [افکار، عہد نامہ ۵۳، ص ۷۶۸]:

{وَ تَغَابَ عَنْ كُلِّ مَا لَا يَضِحُ لَكَ. }
اور ہر ایسے رویہ سے جو تمہارے لئے مناسب نہیں بے خبر بن جاؤ۔

نہایہ لغت؛ (غبا): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: تَغَابَ عَنْ كُلِّ مَا لَا يَصِحُّ لَكَ.

(۱۷۲) صفحہ ۹۲ [افکار عہد نامہ ۵۳، ص ۷۷۴]:

{وَ ارْدُدْ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ مَا یُضْلِعُکَ مِنَ الْخُطُوْبِ. وَ یَشْتَبِہُ عَلَیْکَ مِنَ الْاُمُوْرِ.}

جب ایسی مشکلیں تمہیں پیش آئیں کہ جن کا حل نہ ہو سکے اور ایسے معاملات کہ جو مشتبہ ہو جائیں تو ان میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرو۔

نہایہ لغت؛ (ضَلَعَ): مِنْہُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ: وَ ارْدُدْ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ مَا یُضْلِعُکَ مِنَ الْخُطُوْبِ.

(۱۷۳) صفحہ ۹۲ [افکار عہد نامہ ۵۳، ص ۷۷۴]:

{مَنْ لَّا تَضِیْقُ بِہِ الْاُمُوْرُ. وَ لَا تُمَحِّکُہُ الْخُصُوْمُ.}

جو واقعات کی پیچیدگیوں سے ضیق میں نہ پڑ جاتا ہو، اور نہ جھگڑنے والوں کے رویہ سے غصہ میں آتا ہو۔

نہایہ لغت؛ (مَحَکَ): فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ: لَا تَضِیْقُ بِہِ الْاُمُوْرُ. وَ لَا تُمَحِّکُہُ الْخُصُوْمُ.

(۱۷۴) صفحہ ۹۵ [افکار عہد نامہ ۵۳، ص ۷۷۷]:

{فَاِنْ شَکَوْا ثِقَلًا اَوْ عِلَّۃً. اَوِ انْقِطَاعَ شِرْبٍ اَوْ بَالَّۃٍ.}

اب اگر وہ خراج کی گرانباری، یا کسی آفتِ ناگہانی، یا نہری و بارانی علاقوں میں ذرائع آبپاشی کے ختم ہونے کی شکایت کریں۔

نہایہ لغت؛ (بَلَلَ): فِیْ کَلَامِ عَلِیٍّ فَاِنْ شَکَوْا بِانْقِطَاعِ شِرْبٍ اَوْ بَالَّۃٍ.

(۱۷۵) صفحہ ۱۰۴ [افکار عہد نامہ ۵۳، ص ۷۸۰]:

{فَاِنَّ فِیْ ہٰذِہِ الطَّبَقَۃِ قَانِعًا وَّ مُعْتَرًّا.}

ان میں سے کچھ تو ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کی صورت سوال ہوتی ہے۔

نہایہ لغت؛ (عَرَرَ): مِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ: فَإِنَّ فِيهِمْ قَانِعًا وَّ مُعْتَرًّا.

(۱۷۶) صفحہ ۱۲۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۶۰، ص ۷۹۸]:

{قَدْ اَوْصَيْتُهُمْ بِمَا يَجِبُ لِلّٰهِ عَلَيْهِمْ، مِنْ كَفِّ الْاَذٰى وَ صَرْفِ الشَّذٰى.}

میں نے انہیں ہدایت کر دی ہے اس کی جو اللہ کی طرف سے ان پر لازم ہے کہ وہ کسی کو ستائیں نہیں اور کسی کو تکلیف نہ دیں۔

نہایہ لغت؛ (شَذَا): فِيْ حَدِيثِ عَلِيٍّ: اَوْصَيْتُهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ، مِنْ كَفِّ الْاَذٰى وَ صَرْفِ الشَّذٰى.

(۱۷۷) صفحہ ۱۲۲ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۶۱، ص ۷۹۹]:

{فَاِنَّ تَضْيِيعَ الْمَرْءِ مَا وُلِّيَ وَ تَكَلُّفَهُ مَا كُفِيَ. لَعَجْزٌ حَاضِرٌ وَّ رَاْيٌ مُّتَبَّرٌ.}

آدمی کا اس کام کو نظر انداز کر دینا کہ جو اسے سپرد کیا گیا ہے اور جو کام اس کے بجائے دوسروں سے متعلق ہے اس میں خواہ مخواہ کو گھسنا ایک کھلی ہوئی کمزوری اور تباہ کن فکر ہے۔

نہایہ لغت؛ (تَبَرَ): فِيْ حَدِيثِ عَلِيٍّ: عَجْزٌ حَاضِرٌ وَّ رَاْيٌ مُّتَبَّرٌ.

(۱۷۸) صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۶۵، ص ۸۰۸، ۸۰۹]:

{وَ تَرَقَّيْتَ اِلٰى مَرْقَبَةٍ..... تَقْصُرُ دُوْنَهَا الْاَنُوْقُ.}

تم اپنے کو اونچا کر کے ایسی بلند بام اور گم کردہ نشان چوٹی تک لے گئے ہو کہ

عقاب بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔

نہایہ لغت؛ (اَنَق): فِيْ كَلَامِ عَلِيٍّ تَرَقَّيْتَ اِلٰى مَرْقَاةٍ يَقْصُرُ دُوْنَهَا الْاَنُوْقُ.

(۱۷۹) صفحہ ۱۴۱ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار ہدایت ۷۷، ص ۸۱۹]:

{لَا تُخَاصِمْهُمْ بِالْقُرْاٰنِ. فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ حَمَّالٌ ذُوْ وُجُوْهٍ.}

تم ان سے قرآن کی رو سے بحث نہ کرنا، کیونکہ قرآن بہت سے معانی کا حامل ہوتا ہے اور بہت سی وجہیں رکھتا ہے۔

نہایہ لغت؛ (حَمَلَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: لَا تُنَاظِرُوْهُمْ بِالْقُرْاٰنِ. فَاِنَّهُ حَمَّالٌ ذُوْ وُجُوْهٍ.

(۱۸۰) صفحہ ۱۷۸ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۱۴۷، ص ۸۶۸]:

{اَلنَّاسُ ثَلَاثَةٌ: فَعَالِمٌ رَبَّانِيٌّ.}

تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں: ایک عالم ربانی۔

نہایہ لغت؛ (رَبَبَ): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَلنَّاسُ ثَلَاثَةٌ: عَالِمٌ رَبَّانِيٌّ.

(۱۸۱) صفحہ ۱۷۹ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۱۴۷، ص ۸۶۹]:

{هَا! اِنَّ هٰهُنَا لَعِلْمًا جَمًّا (وَ اَشَارَ اِلٰى صَدْرِهٖ:) لَوْ اَصَبْتُ لَهٗ حَمَلَةً.}

(اس کے بعد حضرتؑ نے اپنے سینہ اقدس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:) دیکھو! یہاں علم کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، کاش! اس کے اٹھانے والے مجھے مل جاتے۔

نہایہ لغت؛ (هَا): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: هَا! اِنَّ هٰهُنَا عِلْمًا. وَ اَوْمَاَ بِيَدِهٖ اِلٰى صَدْرِهٖ. لَوْ اَصَبْتُ لَهٗ حَمَلَةً.

(۱۸۲) صفحہ ۲۰۶ [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حدیث ۹ ص ۹۱۰]:

{كُنَّا اِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.}

جب احمرارِ باس ہوتا تھا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی سپر میں جاتے تھے۔

نہایہ لغت؛ (بَأَس): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كُنَّا اِذَا اشْتَدَّ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

نہایہ لغت؛ (حَمَرَ): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كُنَّا اِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

نہایہ لغت؛ (وَقَا): مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: كُنَّا اِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

(۳) جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ ہیں جنہوں نے اپنی عظیم الشان کتاب ''لسان العرب'' میں جو تھوڑا ہی عرصہ ہوا بیس (۲۰) جلدوں میں مصر میں شائع ہوئی ہے۔ نہج البلاغہ کے مندرجہ کلمات و اجزاء کو کلامِ امیر المؤمنین تسلیم کیا ہے اور ان تمام مقامات میں جن کا ذکر نہایہ ابن اثیر کے ذیل میں گزرا نہج البلاغہ کے فقرات کو پیش کر کے ان کے لغات و مفردات الفاظ کو حل کیا ہے۔

(۴) مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ ہیں جو اپنی مشہور کتاب ''قاموس'' میں نہج البلاغہ کے سب سے زیادہ مختلف فیہ بنائے جانے والے جزو ''خطبہ شقشقیہ'' کو کلامِ امیر المؤمنین تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلشِّقْشِقَةُ. بِالْكَسْرِ: شَيْءٌ كَالرِّيَةِ يُخْرِجُهُ الْبَعِيْرُ مِنْ فِيْهِ اِذَا هَاجَ. وَالْخُطْبَةُ الشِّقْشِقِيَّةُ الْعَلَوِيَّةُ، لِقَوْلِهٖ لِابْنِ عَبَّاسٍ، لَمَّا قَالَ لَهٗ: لَوِ اطَّرَدَتْ مَقَالَتُكَ مِنْ حَيْثُ اَفْضَيْتَ:

يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! هَيْهَاتَ، تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ.

شقشقہ بکسر شین ایک چیز ہے جو اونٹ کے منہ سے باہر آتی ہے غصہ اور ہیجان کے وقت پر اور حضرت علیؑ کا خطبہ شقشقیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب ابن عباس نے آپ سے خواہش کی ہے کہ آپ اپنے کلام کو جاری کیجئے اس مقام پر سے کہ جہاں تک پہنچا تھا تو آپ نے ابن عباس سے فرمایا اب کہاں اے ابن عباس وہ ایک شقشقہ یعنی "جوش کا نتیجہ تھا جو بلند ہوا اور اب ختم ہو چکا"۔

(۵) شمس الدین یوسف بن قزغلی مشہور بسبط ابن جوزی متوفی ۶۵۴ھ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "تذکرہ خواص الائمہ" میں خطبہ شقشقیہ کو تمام وکمال درج کیا ہے اور قطعی طور سے کلام امیر المؤمنین تسلیم کیا ہے۔

(۶) ملا علی قوشجی ہیں جو اپنی کتاب شرح تجرید میں بذیل شرح کلام محقق (وَاَفْصَحُهُمْ لِسَانًا) یعنی حضرت علیؑ تمام صحابہ میں فصاحت کے اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے، تحریر کرتے ہیں:

عَلٰى مَا يَشْهَدُ بِهٖ كِتَابُ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ، وَقَالَ الْبُلَغَاءُ: اِنَّ كَلَامَهٗ دُوْنَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَفَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ.

جیسا کہ شاہد ہے اس کی کتاب نہج البلاغہ اور فصحا کا مقولہ ہے کہ کلام آپ کا خالق کے کلام سے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے۔

(۷) محمد بن علی بن طباطبا معروف بہ ابن طقطقی اپنی کتاب "تاريخ الفخري في الآداب السلطانية والدول الإسلامية" مطبوعہ مصر صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں:

عَدَلَ نَاسٌ اِلٰى نَهْجِ الْبَلَاغَةِ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فَاِنَّهُ الْكِتَابُ الَّذِيْ يُتَعَلَّمُ مِنْهُ الْحِكَمُ

وَالْمَوَاعِظُ، وَالْخُطَبُ وَالتَّوْحِيْدُ وَالشَّجَاعَةُ وَالزُّهْدُ وَعُلُوُّ الْهِمَّةِ، وَاَدْنٰى فَوَائِدِهِ الْفَصَاحَةُ وَالْبَلَاغَةُ.

بہت سے لوگوں نے کتاب نہج البلاغہ کی طرف توجہ کی جو امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے کلام سے ہے۔ کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جس سے حکم اور مواعظ اور توحید اور شجاعت اور زہد اور علو ہمت ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا ایک ادنٰی جوہر ہے فصاحت وبلاغت۔

(۸) علامہ محدث ملا محمد طاہر فتنی گجراتی نے اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں جو لکھنؤ مطبع نولکشور میں شائع ہو چکی کو انتہائی اہتمام سے مصر میں چھپوانے کا انتظام کیا۔ وہ اپنے اس مقدمہ میں جو شروعِ کتاب میں درج کیا ہے اپنی اس حیرت ودہشت کا اظہار کرتے ہوئے جو نہج البلاغہ کے حقائق آگیں عبارات سے ان پر طاری ہوئی ہے، تحریر کرتے ہیں:

كَانَ يُخَيَّلُ لِيْ فِيْ كُلِّ مَقَامٍ اَنَّ حُرُوْبًا شُبَّتْ. وَ غَارَاتٍ شُنَّتْ. وَ اَنَّ لِلْبَلَاغَةِ دَوْلَةً وَّ لِلْفَصَاحَةِ صَوْلَةً. وَ اَنَّ لِلْاَوْهَامِ عَرَامَةً وَ لِلرَّيْبِ دَعَارَةً. وَاَنَّ جَحَافِلَ الْخِطَابَةِ. وَ كَتَآئِبَ الذَّرَابَةِ. فِيْ عُقُوْدِ النِّظَامِ. وَ صُفُوْفِ الْاِنْتِظَامِ. تَنَافَحَ بِالصَّفِيْحِ الْاَبْلَجِ وَ الْقَوِيْمِ الْاَمْلَجِ. وَ تَمْتَلِجُ الْمُهَجُ بِرَوَاضِعِ الْحُجَجِ. فَتَفُلَّ مِنْ دَعَارَةِ الْوَسَاوِسِ وَ تُصِيْبُ مَقَاتِلَ الْخَوَانِسِ. فَمَا اَنَا اِلَّا وَ الْحَقُّ مُنْتَصِرٌ. وَالْبَاطِلُ مُنْكَسِرٌ. وَمَرَجَ الشَّكُّ فِيْ خُمُوْدٍ وَهَرَجَ الرَّيْبُ فِيْ رُكُوْدٍ. وَاَنَّ مُدَبِّرَ تِلْكَ الدَّوْلَةِ. وَ بَاسِلَ تِلْكَ الصَّوْلَةِ. هُوَ حَامِلُ لِوَآئِهَا الْغَالِبِ. اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ.

(اثنائے مطالعہ میں) مجھے ہر مقام پر معلوم ہوتا تھا کہ لڑائیاں شعلہ ور ہیں اور گیرودار شدت پر ہے اور بلاغت کی فتح ہے اور فصاحت کا حملہ ہے اور توہمات کی شکست ہے اور شکوک کی رسوائی ہے اور یہ کہ خطابت کے افواج اور طلاقت لسان کی لشکر نظام کلام کی لڑیوں اور سلسلہ کی صفوں میں چمکتی ہوئی تلواروں اور بل کھاتے ہوئے نیزوں کے ساتھ مصروف پیکار ہیں اور نتیجہ خیز دلائل کے ساتھ دلوں کی تسکین کا باعث ہو کر وسوسہ انگیزیوں کو شکست دیتی اور باطل پرستیوں کی جان لیتی ہیں۔ مجھے تو کچھ نہیں نظر آتا تھا سوائے اس کے کہ حق کی فتح ہورہی ہے اور باطل شکست اٹھا رہا ہے اور شک وشبہ کی آگ خاموش اور توہمات کی چپقلش سکون پذیر ہورہی ہے اور اس غلبہ واقتدار کی مدبر اور اس حملہ کی شہسوار وہ غالب وقاہر علمبردار ہستی ہے جس کا نام ہے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

بَلْ كُنْتُ كُلَّمَا انْتَقَلْتُ مِنْ مَوْضِعٍ اِلٰى مَوْضِعٍ اَحَسُّ بِتَغَيُّرِ الْمَشَاهِدِ. وَ تَحَوُّلِ الْمَعَاهِدِ: فَتَارَةً كُنْتُ اَجِدُنِيْ فِيْ عَالَمٍ يُعَمِّرُهٗ مِنَ الْمَعَانِيْ اَرْوَاحٌ عَالِيَةٌ. فِيْ حُلَلٍ مِنَ الْعِبَارَاتِ الزَّاهِيَةِ. تَطُوْفُ عَلَى النُّفُوْسِ الزَّاكِيَةِ. وَ تَدْنُوْ مِنَ الْقُلُوْبِ الصَّافِيَةِ. تُوْحِيْ اِلَيْهَا رَشَادَهَا. وَ تَقُوْمُ مِنْهَا مُرَادَهَا. وَ تَنْفِرُ بِهَا عَنْ مَدَاحِضِ الْمَزَالِ. اِلٰى جَوَادِ الْفَضْلِ وَ الْكَمَالِ.

بلکہ میں (اس کتاب میں) جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا تھا تو احساس کرتا تھا کہ کس طرح مناظر میں تبدیلی ہورہی ہے اور نقشوں میں

انقلاب ہے۔ کبھی تو میں اپنے کو ایک دنیا میں پاتا تھا جس میں معانی کے بلند پایہ ارواح عبارت کے خوشنما حلّوں میں آباد ہیں جو پاکیزہ نفوس کے اوپر گردش کرتے اور صاف و نورانی قلوب کے پاس جاکر ان پر ہدایت وارشاد کی وحی اتارتے اور ان کو ان کے مقصود سے دوچار کرتے اور ان کو لغزش و خطا کی پھسلنوں سے ہٹا کر فضل وکمال کے جادوں پر لگاتے ہیں۔

وَ طَوْرًا كَانَتْ تَتَكَشَّفُ لِيَ الْجُمَلُ عَنْ وُجُوْهٍ بَاسِرَةٍ، وَ اَنْيَابٍ كَاشِرَةٍ، وَ اَرْوَاحٍ فِيْ اَشْبَاحِ النُّمُوْرِ، وَ مَخَالِبِ النُّسُوْرِ، قَدْ تَحفَزَتْ لِلْوَثَّابِ. ثُمَّ انْقَضَتْ لِلاِخْتِلَابِ. فَخَلِبَتِ الْقُلُوْبَ عَنْ هَوَاهَا. وَ اَخَذَتِ الْخَوَاطِرَ دُوْنَ مَرْمَاهَا. وَ اغْتَالَتْ فَاسِدَ الْاَهْوَآءِ وَ بَاطِلَ الْآرَآءِ.

اور کبھی میرے سامنے ایسے جملے آتے تھے جو معلوم ہوتا تھا کہ تیوریاں چڑھائے ہوئے ڈرونی صورتوں میں دانت نکالے ہوئے ہیں۔ وہ روحیں ہیں شیروں کے پیکر میں اور شکاری پرندوں کے پنجوں کے ساتھ جو آمادہ ہیں حملہ کے اوپر اور پھر ٹوٹ پڑتے ہیں شکار پر۔ وہ دلوں کو اپنی محبت سے موہ لیتے ہیں اور ضمیر پر قبضہ کر لیتے ہیں اور غلط خواہشاتِ نفسانی اور باطل عقاید کو اچانک طور سے مار ڈالتے ہیں۔

وَ اَحْيَانًا كُنْتُ اَشْهَدُ اَنَّ عَقْلًا نُوْرَانِيًّا. لَا يَشْبَهُ خَلْقًا جَسَدَانِيًّا. فَصَلَ عَنِ الْمَوْكِبِ الْاِلٰهِيِّ وَ اتَّصَلَ بِالرُّوْحِ الْاِنْسَانِيِّ. فَخَلَعَهُ عَنْ غَاشِيَاتِ الطَّبِيْعَةِ، وَ سَمَا بِهِ اِلَى الْمَلَكُوْتِ الْاَعْلٰى. وَ نَمَا بِهِ اِلٰى مَشْهَدِ النُّوْرِ الْاَجْلٰى. وَ سَكَنَ

بِهٖ اِلٰى عَمَارِ جَانِبِ التَّقْدِيْسِ، بَعْدَ اسْتِخْلَاصِهٖ مِنْ شَوَآئِبِ التَّلْبِيْسِ.

اور اکثر مجھے معلوم ہوتا تھا کہ ایک نورانی عقل جو جسمانی مخلوق سے کسی طرح مشابہ نہیں ہے وہ جدا ہوئی الٰہی جلوس شاہی سے اور متصل ہوئی انسانی روح کے ساتھ اور جدا کر دیا اس کو مادی حجابوں سے اور بلند کر دیا اس کو عالمِ بالا کے ملکوت کی طرف اور پہنچا دیا اس کو دنیائے نور میں اور ساکن کر دیا اس کو جوارِ اقدس کا، بعد اس کے خالص کر دیا اس کو شکوک کی آمیزش سے۔

وَ آنَاتٍ كَاَنِّیْ اَسْمَعُ خَطِيْبَ الْحِكْمَةِ يُنَادِیْ بِاَعْلِيَآءِ الْكَلِمَةِ، وَ اَوْلِيَآءِ اَمْرِ الْاُمَّةِ. يُعَرِّفُهُمْ مَوَاقِعَ الصَّوَابِ. وَ يُبَصِّرُهُمْ مَوَاضِعَ الْاِرْتِيَابِ. وَ يُحَذِّرُهُمْ مَزَالِقَ الْاِضْطِرَابِ. وَ يُرْشِدُهُمْ اِلٰى دَقَآئِقِ السِّيَاسَةِ. وَ يَهْدِيْهِمْ طُرُقَ الْكِيَاسَةِ. وَ يَرْتَفِعُ بِهِمْ اِلٰى مَنَصَّاتِ الرِّئَاسَةِ وَ يُصْعِدُهُمْ شَرَفَ التَّدْبِيْرِ. وَ يُشْرِفُ بِهِمْ عَلٰى حُسْنِ الْمَصِيْرِ.

اور بعض اوقات میں سنتا تھا حکمت و دانش کے خطیب کو کہ وہ آواز دیتا ہے مسموع الکلمہ مقتدر اشخاص اور امتِ اسلامیہ کے حکام اور ذمہ داران کو اور انہیں بتلاتا ہے صحیح راستے اور پتہ دیتا ہے خطرناک مقامات کا اور خوف دلاتا ہے تزلزل ولغزش کی جگہوں سے اور رہنمائی کرتا ہے سیاست کے رموز اور دانش کے راستوں کی طرف اور بلند کرتا ہے ریاست کے تخت اور اصابتِ رائے اور حسنِ تدبر کی شرف و منزلت کے اوپر اور انہیں انجام بخیر ہونے کا طریقہ بتلاتا ہے۔

بیشک اس عبارت میں علامہ محمد عبدہ نے جس طرح نہج البلاغہ کے کلامِ امیر المؤمنینؑ ہونے کی تصدیق کی ہے اسی طرح اس کے مضامین کی حقیقت اور اس کے مندرجات کی سچائی کا بھی اعتراف کیا ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین حق کی فتح اور باطل کی شکست اور شکوک واوہام کی فنا اور توہمات ووسواس کی بیخ کنی کا سبب ہیں اور وہ شروع سے آخر تک انسانی روح کے لیے روحانیت و انسانیت، قدس و طہارت، جلال و کمال کے تعلیمات کے حامل اور انسانی زندگی کے لئے بہترین ہدایت کا مخزن ہیں۔

ممکن ہے ہندستانی مسلمانوں کا وہ طبقہ جو صرف مذہبی مباحثات ہی سے دلچسپی رکھتا ہے علامہ شیخ محمد عبدہ کی بلند شخصیت اور ان کی ذمہ دارانہ حیثیت سے واقف نہ ہو لیکن وہ اہلِ علم جو دوسرے ممالکِ اسلامیہ کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ اتصال اور دورِ حاضر کے علماء اسلام کے علمی کارناموں سے واقفیت رکھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ علامہ محمد عبدہ اس دورِ آخر کے ان جلیل القدر علماء میں سے تھے جو شرقِ عربی میں "امام" و "مصلح" مانے گئے ہیں اور جمہورِ اسلام کے سب سے بڑے مرکزِ علمی مصر میں ان کی مسلم الثبوت شخصیت کے نام پر علمی طبقہ کی گردنیں خم ہیں۔

انہیں نہج البلاغہ کے ساتھ وہ غیر معمولی عقیدت تھی کہ وہ اسے قرآن مجید کے بعد ہر کتاب کے مقابلہ پر ترجیح کا مستحق سمجھتے تھے۔

ان کا اعتقاد تھا کہ جامعہ اسلامیہ میں اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونا اسلام کی ایک صحیح خدمت ہے اور عربی طلاب کے لئے بجائے اس کے کہ وہ متداولہ ادبی کتابیں پڑھیں اس کتاب کو اپنا قبلہ مقصد بنانا ان کی ذہنی ترقیوں کے لئے انتہائی مفید ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ اس کی عبارت ادبی حیثیت سے بہت بلند ہے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ امیر المؤمنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کا کلام ہے۔ اور معانی اور مقاصد کے اعتبار سے بھی توجہ و

التفات کا مستحق ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لَيْسَ فِيْ اَهْلِ هٰذِهِ اللُّغَةِ اِلَّا قَآئِلٌ بِاَنَّ كَلَامَ الْاِمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ هُوَ اَشْرَفُ الْكَلَامِ وَ اَبْلَغُهٗ بَعْدَ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ كَلَامِ نَبِيِّهٖ وَ اَغْزَرُهٗ مَادَّةً وَ اَرْفَعُهٗ اُسْلُوْبًا وَ اَجْمَعُهٗ لِجَلَآئِلِ الْمَعَانِيْ. فَاَجْدَرُ بِالطَّالِبِيْنَ لِنَفَآئِسِ اللُّغَةِ وَ الطَّامِعِيْنَ فِي التَّدَرُّجِ لِمَرَاقِيْهَا اَنْ يَّجْعَلُوْا هٰذَا الْكِتَابَ اَهَمَّ مَحْفُوْظِهِمْ وَ اَفْضَلَ مَاْثُوْرِهِمْ مَعَ تَفَهُّمِ مَعَانِيْهِ فِي الْاَغْرَاضِ الَّتِيْ جَآءَتْ لِاَجْلِهَا وَ تَاَمُّلِ اَلْفَاظِهٖ فِي الْمَعَانِي الَّتِيْ صِيْغَتْ لِلدَّلَالَةِ عَلَيْهَا. لِيَصِيْبُوْا بِذٰلِكَ اَفْضَلُ غَايَةٍ وَ يَنْتَهُوْا اِلٰى خَيْرِ نِهَايَةٍ.

عرب اہلِ زبان میں ہر شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کلام خدا اور رسولؐ کے کلام کے بعد ہر کلام سے شرف و بلاغت میں زیادہ اور معنی خیز اور انداز بیان میں بلندتر اور بزرگ ترین معانی کے لحاظ سے زیادہ جامع ہے۔ لہذا اعربی علمِ ادب کے نفیس ذخیروں کے طلبگاران اور اس کے بلند مرتبوں میں تدریجی ترقی کے آرزومندوں کے لئے بہترین ذریعہ ہے، یہ کہ وہ اس کتاب کو اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم اور بہترین درجہ عطا کریں۔ اس کے ساتھ اس کے معانی کے سمجھنے کی کوشش بھی کریں، ان مقاصد کے لحاظ سے جن کے لئے وہ معانی لائے گئے ہیں اور الفاظ میں غور کریں ان معانی کے لحاظ سے جن کے ادا کرنے کے لئے وہ الفاظ ڈھالے گئے ہیں تا کہ اس کے ذریعے سے اس کا بہترین مقصد حاصل ہو۔

ناحق کوشی اور انصاف فراموشی ہوگی اگر اس بات کا اعتراف نہ کیا جائے کہ عالمِ اسلام کو جمہوری حیثیت سے نہج البلاغہ کے ساتھ روشناس کرنے کا سہرا صرف علامہ شیخ محمد عبدہ کے سر ہے جو ان کی ممتاز غیر متعصبانہ ذہنیت، فراخ حوصلگی اور بلند نظری کا نتیجہ تھا ورنہ سوادِ اعظم کا تو یہ عالم رہا ہے کہ خاص اہل سنت کی کتابیں جو فضائلِ اہل بیتؑ سے متعلق ہیں جیسے تذکرہ خواص الآئمہ سبط ابن جوزی، مطالب السئول کمال الدین ابن طلحہ شافعی، کفایۃ المطالب حافظ گنجی شافعی، فصول مہمہ ابن صباغ مالکی، مناقب اخطب خوارزم وغیرہ وغیرہ۔ انہیں چاہے شیعوں نے ایران میں شائع کر دیا ہو لیکن جمہورِ مسلمین کے مطابع نے ان کے طبع و اشاعت کو پسند نہیں کیا پھر چہ جائیکہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا کلام جو ایک شیعہ عالم کا جمع کردہ ہے لیکن وہ علامہ محمد عبدہ کی بلند نظری اور حقیقت شناسی تھی جس نے ان چیزوں کی پرواہ نہیں کی اور یہ ان کی بلند شخصیت تھی اور نیز خلوصِ نیت جس نے انہیں کامیابی عطا کی اور شرقِ عربی کے بلند علمی طبقہ کو عموماً اس کتاب کے سامنے سرنگوں کر دیا اور اس وقت مصر و بیروت ایسے اسلامی مرکزوں میں اس کتاب کو وہی اہمیت حاصل ہے جو اسے حقیقتاً ہونا چاہیے۔

ہندوستان کے مسلمان خصوصاً وہ طبقہ جو باہمی مناقشات سے دلچسپی رکھتا ہے جس کی مثال گولر کے کیڑوں کی ہے اور جو ایک انتہائی تنگ نظری کی محدود فضا میں مقید ہے۔ وہ نہج البلاغہ کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ ایک شیعی کتاب ہے اور اس لئے صرف اتنا فائدہ اٹھاتے ہیں کہ بخیالِ خود بعض عبارتیں جو اپنے مفید مطلب پائیں انہیں شیعوں کے مقابلہ میں بطورِ استدلال پیش کریں اور بس۔ اس کے علاوہ وہ اس کے حقیقی فیوض و برکات سے بالکل محروم ہیں۔ لیکن دنیائے اسلام کی آزاد خیال جمہوریت اس وقت نہج البلاغہ سے بہترین فیوض حاصل کر رہی ہے اور وہ اس کو اپنا بہترین دلیلِ راہ اور چراغِ منزل سمجھتی ہے

یقیناً اس کا سنگِ بنیاد علامہ شیخ محمد عبدہ کا رکھا ہوا ہے۔

انہوں نے نہ صرف یہ کہ کتاب پر حواشی لکھ دیے اور اسے طبع کرا دیا بلکہ وہ اپنی گفتگوؤں میں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اظہارِ خیالات میں بھی برابر اس کتاب کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجلہ "الہلال" مصر نے اپنی جلد ۳۵ کے جزو اول بابتہ نومبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۸۷ پر چار (۴) سوالات، علمی طبقہ کی توجہ کے لئے شائع کیے تھے، جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ:

مَا هُوَ الْكِتَابُ اَوِ الْكُتُبُ الَّتِيْ طَالَعْتُمُوْهَا فِيْ شَبَابِكُمْ، فَاَفَادَتْكُمْ وَ كَانَ لَهَا اَثَرٌ فِيْ حَيَاتِكُمْ؟

وہ کون سی کتاب یا کتابیں ہیں جن کا آپ نے اپنے شباب میں مطالعہ کیا تو انہوں نے آپ کو فائدہ پہنچایا اور ان کا آپ کی زندگی پر اثر پڑا؟

اس سوال کا جواب جو استاذ شیخ مصطفی عبدالرزاق نے دیا اور شمارہ دوم بابتہ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۵۰ پر شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

طَالَعْتُ بِاِرْشَادِ الْاُسْتَاذِ الْمَرْحُوْمِ الشَّيْخِ مُحَمَّدٍ عَبْدُهٗ دِيْوَانَ الْحِمَاسَةِ وَ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ.

میں نے استاد مرحوم شیخ محمد عبدہ کی ہدایت سے دیوان حماسہ اور نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔

عبدالمسیح انطاکی نے بھی جن کی عبارت اس کے بعد آئے گی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ علامہ محمد عبدہ نے مجھ سے فرمایا: "اگر تم چاہتے ہو کہ انشاء پردازی کا درجہ حاصل کرو تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو اپنا استاد بناؤ اور ان کے کلمات کو اپنے لئے چراغِ ہدایت قرار دو"۔

موصوف کا یہ عقیدہ نہج البلاغہ کے متعلق کہ وہ تمام وکمال امیر المؤمنینؑ کا کلام ہے، اتنا واضح ہے کہ ان کے تمام شاگرد جو اس وقت مصر کے بلند پایہ اساتذہ ہیں اس حقیقت سے واقف ہیں اور خود ان کا مذکورہ سابق مقدمہ نیز ان کے اکثر حواشی اس حقیقت کے بالکل واضح طور پر آئینہ بردار ہیں۔ چنانچہ استاد محمد محی الدین عبد الحمید مدرس کلیۃ لغۃ عربیۃ جامع ازہر جن کے خود خیالات ان کی عبارت میں اس کے بعد پیش ہوں گے، کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

عَسَيْتُ اَنْ تَسْئَلَ عَنْ رَاْيِ الْاُسْتَاذِ الْاِمَامِ الشَّيْخِ مُحَمَّدٍ عَبْدُهٗ فِيْ ذٰلِكَ . وَهُوَ الَّذِيْ بَعَثَ الْكِتَابَ مِنْ مَرْقَدِهٖ ، وَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَوْسَعَ مِنْهُ اِطِّلَاعًا . وَلَا اَدَقَّ تَفْكِيْرًا . وَالْجَوَابُ عَلٰى هٰذَا التَّسَاؤُلِ اَنَّا نَعْتَقِدُ اَنَّهٗ رَحِمَهُ اللهُ كَانَ مُقْتَنِعًا بِاَنَّ الْكِتَابَ كُلَّهٗ لِلْاِمَامِ عَلِيٍّ رَحِمَهُ اللهُ .

ممکن ہے تم اس مسئلہ میں استاد امام شیخ محمد عبدہ کی رائے دریافت کرو جنہوں نے اس کتاب کو خواب گم نامی سے بیدار کیا اور وسعتِ اطلاع اور باریک نگاہی میں کوئی شخص ان سے زیادہ موجود نہیں تھا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام وکمال امیر المؤمنینؑ کا کلام سمجھتے تھے۔

وَاِنْ لَمْ يُصَرِّحْ بِذٰلِكَ . وَالدَّلِيْلُ عَلٰى هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ اَنَّهٗ يَقُوْلُ فِيْ مُقَدَّمَتِهٖ يَصِفُ الْكِتَابَ وَ اِنَّ مُدَبِّرَ تِلْكَ الدَّوْلَةِ ، وَ بَاسِلَ تِلْكَ الصَّوْلَةِ ، هُوَ حَامِلُ لِوَآئِهَا الْغَالِبِ ، اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ .

اگرچہ انھوں نے اس کی تصریح نہ کی ہو اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے مقدمہ میں کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس ادبی سلطنت کی (فرمانروا) اور اس حملہ کی شہسوار وہ غالب و قاہر علم بردار ہستی ہے جس کا نام ہے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام۔

بَلْ هُوَ يُتَجَاوَزُ هٰذَا الْمِقْدَارُ اِلَى الْاِعْتِرَافِ بِاَنَّ جَمِيْعَ الْاَلْفَاظِ صَادِرَةٌ عَنِ الْاِمَامِ عَلِيٍّ. حَتّٰى اِنَّهٗ لِيَجْعَلُ مَا فِى الْكِتَابِ حُجَّةٌ عَلٰى مَعَاجِمِ اللُّغَةِ. اَسْمَعُ اِلَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ ج ۲ ص ۱۹۷ ـ مِنْ هٰذِهِ الْمَطْبُوْعَةِ: اَلْمَوَاسَاةُ بِالشَّيْءِ: اَلْاَشْرَاكُ فِيْهِ....قَالُوْا: وَالْفَصِيْحُ فِى الْفِعْلِ آسَيْتُهُ. وَلٰكِنْ نُطْقُ الْاِمَامِ حُجَّةٌ. وَاَعَادَ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ بِنَفْسِهَا ج ۳ ص ۷۲ الحاشية ۴ مِنْ هٰذِهِ الْمَطْبُوْعَةِ).

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ خصوصیاتِ الفاظ کو بھی حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے نکلا ہوا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ وہ کتاب کے مندرجہ الفاظ کو لغت کی عام کتابوں کے مقابلہ میں سند قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو؛ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ اس ایڈیشن کا۔ وہ فرماتے ہیں " مواساۃ " کسی چیز میں دوسرے کو شریک کرنا۔ اہلِ لغت کہتے ہیں کہ اس کے فعل میں فصیح آسیتہ کی لفظ ہے (ہمزہ کے ساتھ) مگر امام کا تلفظ حجت ہے۔ اس طرح کا استناد انہوں نے (جلد ۳ صفحہ ۷۲ حاشیہ نمبر ۴) میں بھی کیا ہے۔

(۱۰) ملک عرب کے مشہور مصنف، خطیب، انشاء پرداز عالم شیخ مصطفی غلائینی استاذ التفسیر والفقۃ والاداب العربیۃ فی الکلیۃ الاسلامیۃ بیروت اپنی کتاب "اریج الزہر" میں زیرِ

عنوان نہج البلاغہ واسالیب الکلام العربی ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں:

مِنْ اَحْسَنِ مَا یَنْبَغِیْ مُطَالَعَتُهٗ لِمَنْ یَّتَطَلَّبُ الْاُسْلُوْبَ الْعَالِیَ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ. وَ هُوَ الْكِتَابُ الَّذِیْ اُنْشِئَتْ هٰذَا الْمَقَالَ لِاَجْلِهٖ. فَاِنَّ فِیْهِ مِنْ بَلِیْغِ الْكَلَامِ وَ الْاَسَالِیْبِ الْمُدْهِشَةِ وَ الْمَعَانِیْ الرَّآئِقَةِ وَ مَنَاحِی الْمَوْضُوْعَاتِ الْجَلِیْلَةِ مَا یَجْعَلُ مُطَالِعَهٗ اِذْ اَزَاوَلَهٗ مُزَاوَلَةً صَحِیْحَةً. بَلِیْغًا فِیْ كِتَابَتِهٖ وَ خِطَابَتِهٖ وَ مَعَانِیْهِ.

بہترین چیز جس کا مطالعہ لازم ہے اس شخص کو جو زبانِ عربی کے بلند معیارِ تحریر کو حاصل کرنا چاہے، کتاب نہج البلاغہ ہے حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی اور یہ کتاب وہ ہے جس کے لئے خاص طور سے میں نے اس مضمون کی بنیاد ڈالی ہے کیوں کہ اس کتاب میں بلیغ کلام اور حیرت انگیز طرزِ تحریر اور جاذبِ نظر معانی اور مختلف عظیم الشان موضوعات و مقاصد کے خصوصیات ایسے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کو اگر صحیح ذوق رکھتا ہو اور پورے طور سے اس کی مزاولت رکھے تو فصیح و بلیغ انشاء پرداز اور مقرر بنا سکتے ہیں۔

كَانَ هٰذَا الْكِتَابُ دُرَّةٌ فِیْ صَدَفِ بَعْضِ الْمَكْتُبَاتِ حَتّٰی اُتِیْحَ لِشَیْخِنَا الْمَرْحُوْمِ الْاُسْتَاذِ الْاِمَامِ الشَّیْخِ مُحَمَّدٍ عَبْدُهٗ مُفْتِی الدِّیَارِ الْمِصْرِیَّةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ وَ یُبْرِزَهٗ اِلٰی عَالِمِ الْمَطْبُوْعَاتِ لِیَكُوْنَ اُسْتَاذًا لِلْمُنْشِئِیْنَ وَ رَائِدَ الْبُلَغَآءِ وَ قَدْ عَلَّقَ عَلَیْهِ شَرْحًا جَزِیْلَ الْفَائِدَةَ كَبِیْرَ الْمَغْزٰی وَ قَدْ طُبِعَ الْكِتَابُ بِضْعَ مَرَّاتٍ مَشْرُوْحًا بِقَلَمِ

الْاُسْتَاذِ عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ۔ فَاِسْتِفَادُ مُنْهُ اَقْوَامٌ كَثِيْرُوْنَ مِنْهُمْ كَاتِبٌ هٰذِهِ السُّطُوْرُ فَاِلٰى اِقْتِنَآءِ هٰذَا الْاَثَرِ الْعَظِيْمِ يَا طُلَّابَ الْاَسْلُوْبِ الْعَالِيْ وَ رُوَّادَ الْكَلَامِ الْبَلِيْغِ فَاِنَّ فِيْهِ مَا تَرْغَبُوْنَ.

یہ کتاب بعض کتاب خانوں میں مثلِ صدف کے اندر پوشیدہ موتی کے مضمر اور پنہاں تھی یہاں تک کہ ہمارے استاد مرحوم امام الشیخ محمد عبدہ مفتی دیارِ مصریہ کو توفیق شامل حال ہوئی اور انہوں نے اس کتاب پر مطلع ہو کر اس کو عالمِ مطبوعات میں نمایاں کیا تا کہ یہ اربابِ انشاء اور فصحاء و بلغاء کی استاد قرار پائے اور انہوں نے اس کتاب پر ایک پر فائدہ شرح بھی بطورِ فٹ نوٹ حاشیہ کے تحریر کی۔ یہ کتاب موصوف کی شرح سمیت چند مرتبہ طبع ہو چکی ہے اور اس سے بہت لوگوں کو فائدہ پہنچا جن میں سے کاتب الحروف بھی ہے۔ میں دعوت دیتا ہوں اس یادگار کتاب کی طرف ان لوگوں کو جو عربی کے بلند اسلوبِ تحریر کے طالب اور کلامِ بلیغ کے مشتاق ہیں وہ اس کتاب میں اپنے مقصد کو پورے طور سے موجود پائیں گے۔

(۱۱) استاد محمد کرد علی رئیس مجمع علمی دمشق نے الہلال کے چار سوالات کے جواب میں دیے جن میں سے تیسرا سوال یہ تھا کہ:

مَا هِيَ الْكُتُبُ الَّتِيْ تَنْصَحُوْنَ لِشُبَّانِ الْيَوْمِ بِقَرَآئَتِهَا؟

وہ کون سی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے کی آپ موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کو ہدایت کرتے ہیں۔

اسی سوال کے تحت میں لکھا ہے؛

اِذَا طُلِبَ الْبَلَاغَۃُ فِیْ اَتَمِّ مَظَاھِرِھَا وَ الْفَصَاحَۃِ الَّتِیْ لَمْ تَشُبْھَھَا عَجْمَۃٌ. فَعَلَیْکَ بِنَھْجِ الْبَلَاغَۃِ. دِیْوَانِ خُطَبِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ رَسَآئِلِہٖ اِلٰی عُمَّالِہٖ. یُرْجَعُ اِلٰی فَصْلِ الْاِنْشَآءِ وَ الْمُنْشِئِیْنَ فِیْ کِتَابِیَ الْقَدِیْمُ وَ الْحَدِیْثُ (طبع بمصر ۱۹۲۵). وَ شَرْحُ اُسْتَاذِیِ الشَّیْخِ مُحَمَّدٍ عَبْدُہٗ عَلَیْہِ وَ اِنَّ بِالْغَرَضِ مِنْ حَیْثِ اللُّغَۃِ وَ الْاَدَبِ اَمَّا شَرْحُ ابْنِ الْحَدِیْدِ فَلَا یَسَعُ طَالِبُ عِلْمٍ اِلَّا مَدَارَسَۃٌ عَلٰی مَا یَرٰی اُسْتَاذِیِ الشَّیْخُ سَلِیْمُ الْبُخَارِیُّ فَاِنَّ فِیْہِ فُصُوْلًا مُمَتِّعَۃً فِیْ اَخْبَارِ الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَ مَا بَعْدَہٗ وَ فِی الْاَدَبِ وَ الشِّعْرِ الْخُطَبِ لَا یَسْتَغْنِیْ عَنْھَا بَاحِثٌ مُسْتَفِیْدٌ.

اگر بلاغت کا مکمل ترین مظاہرہ اور وہ فصاحت دیکھنا ہو جس میں عجمیت کی ذرہ بھی آمیزش نہیں ہے تو تمہیں نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنا چاہیے جو امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے خطبوں اور خطوط کا جو اپنے عاملوں کے نام لکھے ہیں، مجموعہ ہے۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب "قدیم وحدیث" کے فصل "انشاء وانشاء پردازان" ملاحظہ ہو۔ یہ کتاب مصر میں ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی ہے) اور ہمارے استاد شیخ محمد عبدہ کی شرح جو نہج البلاغہ پر ہے وہ حلِ لغات اور ادبی نکات کے لحاظ سے مطلب برآری کے لئے کافی ہے۔ لیکن ابن ابی الحدید کی شرح وہ ایسی چیز ہے کہ میرے استاد شیخ سلیم بخاری کی رائے کے موافق طالب علم کے لئے اس کو درسی حیثیت سے پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں صدرِ اول اور اس کے بعد کے تاریخی واقعات نیز ادب، شعر اور خطبوں کا ایک انتہائی

مفید ذخیرہ موجود ہے جس سے کوئی تحقیق شیوہ طالب علم مستغنی نہیں ہوسکتا۔

یہ جواب "الہلال" کے جلد ۳۵ کے جزء ۵ بابتہ مارچ ۱۹۲۷ء میں صفحہ ۵۷۲ پر شائع ہوا ہے۔

(۱۲) استاد محمد محی الدین عبدالحمید المدرس فی کلیۃ اللغۃ العربیۃ بالجامع الازہر جنہوں نے نہج البلاغہ پر تعلیقی حواشی تحریر کیے ہیں اور علامہ شیخ محمد عبدہ کے حواشی کو برقرار رکھتے ہوئے، خود بہت سی تحقیقات وشروح کا اضافہ کیا ہے اور ان حواشی کے ساتھ یہ کتاب مطبع استقامۃ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ انہوں نے اس ایڈیشن کے شروع میں اپنی جانب سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جس میں نہج البلاغہ کے استناد واعتبار پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ ہم اس کے ضروری اجزاء یہاں پر درج کرتے ہیں:

وَ بَعْدَ! فَهٰذَا كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. وَ هُوَ مَا اخْتَارَهُ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ اَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمُوْسَوِيُّ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَهُوَ الْكِتَابُ الَّذِيْ جَمَعَ بَيْنَ دَفَّتَيْهِ عُيُوْنَ الْبَلَاغَةِ وَ فُنُوْنَهَا وَ تَهَيَّأَتْ بِهٖ لِلنَّاظِرِ فِيْهِ اَسْبَابُ الْفَصَاحَةِ وَ دَنَا مِنْهُ قُطَافُهَا. اِذْ كَانَ مِنْ كَلَامِ اَفْصَحِ الْخَلْقِ بَعْدَ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ مَنْطِقًا. وَ اَشَدَّهُمْ اقْتِدَارًا. وَ اَبْرَعَهُمْ حُجَّةً. وَ اَمْلَكَهُمْ لُغَةً. يُدِيْرُهَا كَيْفَ شَآءَ الْحَكِيْمُ الَّذِيْ تَصْدُرُ الْحِكْمَةُ عَنْ بَيَانِهٖ. وَ الْخَطِيْبُ الَّذِيْ يَمْلَأُ الْقَلْبَ سِحْرُ لِسَانِهٖ. اَلْعَالِمُ الَّذِيْ تَهَيَّأَ لَهٗ مِنْ خِلَاطِ الرَّسُوْلِ وَ كِتَابَةِ الْوَحْيِ. وَ الْكِفَاحُ عَنِ الدِّيْنِ بِسَيْفِهٖ وَ لِسَانِهٖ. مُنْذُ حَدَاثَتِهٖ مَا لَمْ يَتَهَيَّأْ لِاَحَدٍ سِوَاهُ.

یہ کتاب نہج البلاغہ کلام امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کا وہ انتخاب ہے جسے شریف رضی ابوالحسن محمد بن حسن موسوی نے جمع کیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اپنے اندر بلاغت کے نمایاں خصوصیات اور اس کے ہنروں کو لئے ہوئے ہے اور دیکھنے والے کے لئے اس میں تمام اسباب فصاحت کے فراہم ہیں اور ثمرہ اس کا سامنے موجود ہے۔ اس لئے کہ یہ اس بزرگ کا کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام خلقِ خدا میں فصاحتِ گفتار اور قدرتِ کلام اور قوتِ استدلال میں سب سے زیادہ تھا اور لغاتِ عرب پر سب سے زیادہ قابو رکھتا تھا کہ جس صورت سے چاہتا تھا انہیں گردش دیتا تھا۔ وہ حکیمِ کامل جس کے بیان سے حکمت کے سبق حاصل ہوتے ہیں اور وہ خطیب جس کی جادو بیانی دلوں کو بھر دیتی ہے۔ وہ عالم جس کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر وقت کے ساتھ اور وحی کی کتابت اور شمشیر وزبان دونوں سے دین کی نصرت کے کمسنی ہی سے وہ خصوصیات حاصل ہوئے جو کسی دوسرے کے لئے حاصل نہیں تھے۔

هٰذَا كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ اَنَا بِهٖ حَفِيٌّ مُنْذُ طَرَآئَةِ السِّنِّ وَ مَيْعَةِ الشَّبَابِ. فَلَقَدْ كُنْتُ اَجِدُ وَالِدِیْ كَثِيْرَ الْقَرَآئَةِ فِيْهِ وَ كُنْتُ اَجِدُ عَمِّيَ الْاَكْبَرَ يَقْضِیْ مَعَهٗ طَوِيْلَ السَّاعَاتِ يُرَدِّدُ عِبَارَاتِهٖ وَ يَسْتَخْرِجُ مَعَانِيْهَا وَ يَتَقَيَّلُ اُسْلُوْبَهٗ وَ كَانَ لَهُمَا مِنْ عَظِيْمِ التَّاْثِيْرِ عَلٰى نَفْسِیْ مَا جَعَلَنِیْ اَقْفُوْ اَثَرَهُمَا. فَاَحَلَّهٗ مِنْ قَلْبِی الْمَحَلَّ الْاَوَّلَ وَ اَجْعَلُهٗ سَمِيْرِیَ الَّذِیْ لَا يُمِلُّ وَ اَنِيْسِیَ الَّذِیْ اَخْلُوْا اِلَيْهِ اِذَا عَزَّ الْاَنِيْسُ.

یہ ہے کتاب نہج البلاغہ اور مجھے اپنے زمانۂ کمسنی اور ابتدائے جوانی سے اس

کتاب کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے کیونکہ میں اپنے والد کو دیکھتا تھا کہ وہ اکثر اس کتاب کو پڑھا کرتے ہیں اور اپنے بڑے چچا کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ وہ گھنٹوں اس کتاب کے عبارات کو پڑھتے رہتے اور اس کے معانی کو سمجھتے رہتے اور اس کے اندازِ بیان پر غور کرتے رہتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے میرے دل میں اثر کا نتیجہ تھا کہ میں نے بھی ان کی اقتداء کی اور اس کتاب کو اپنے قلب میں سب سے پہلا درجہ عطا کیا اور اس کو اپنا مونسِ تنہائی قرار دیا جو کسی مونس و ہمدم کی عدم موجودگی میں میری دلبستگی کا باعث ہو۔

اس کے بعد علامہ شیخ محمد عبدہ کی رائے اس کتاب کے متعلق اور جامع نہج البلاغہ شریف رضیؒ کا تبصرہ جو انہوں نے اپنے مقدمہ کتاب میں کتاب کی امتیازی خصوصیت کے متعلق کیا ہے نقل کرتے ہوئے فاضل محشی نے اس پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ مِنْ شَكٍّ عِنْدَ اَحَدٍ مِنْ اُدَبَاءِ هٰذَاالْعَصْرِ. وَلَا عِنْدَ اَحَدٍ مِمَّنْ تَقَدَّمَهُمْ. فِيْ اَنَّ اَكْثَرَمَا تَضَمَّنَهُ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. نَعَمْ لَيْسَ مِنْ شَكٍّ عِنْدَ اَحَدٍ فِيْ ذٰلِكَ. وَ لَيْسَ مِنْ عِنْدَ اَحَدٍ فِيْ اَنَّ تَضَمَّنَهُ الْكِتَابُ جَارَ عَلَى النَّهْجِ الْمَعْرُوْفِ عَنْ اَمِيْرِالْمُؤْمِنِيْنَ. مَوَافِقٌ لِلْاَسْلُوْبِ الَّذِیْ يَحْفِظَهُ الْاُدَبَآءُ وَالْعُلَمَآءُ مِنْ كَلَامِهِ الْمَوْثُوْقُ بِنِسْبَتِهِ اِلَيْهِ. وَلٰكِنَّ بَعْضَ الْمَعْرُوْفِيْنَ مِنْ اُدَبَآءِ عَصْرِنَا يَمِيْلُوْنَ اِلٰى اَنَّ بَعْضَ مَافِي الْكِتَابِ مِنْ خُطَبٍ وَرَسَائِلٍ لَمْ يَصْدُرْعَنْ غَيْرِ الشَّرِيْفِ الرَّضِيِّ جَامِعُ الْكِتَابِ: هُوَ مُنْشِئُهُ وَهُوَ مُدَّعِى نِسْبَتِهِ اِلٰى

الْاِمَامِ.

موجودزمانہ کے اور نیز اس کے قبل کے ادباء میں سے کسی کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر حصہ اس کلام کا جو نہج البلاغہ میں مندرج ہے امیرالمؤمنینؑ کا کلام ہے۔ ہاں اس میں کسی ایک کو بھی شک نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی شک ہے کہ جو کچھ اس میں درج ہے وہ اسی طریقہ پر ہے جو جناب امیرؑ کا عام طور سے معلوم ہے اور اس انداز بیان کے موافق ہے جو ادباء وعلماء نے محفوظ کیا ہے۔ حضرتؑ کے اس کلام سے جس کی نسبت آپ کی طرف قابلِ وثوق طریقہ سے ثابت ہے لیکن ہمارے زمانہ کے بعض مشہور ادباء کا میلان اس خیال کی طرف ہے کہ بعض خطبے اور خطوط جو اس کتاب میں درج ہیں وہ سید رضیؒ جامع نہج البلاغہ ہی کی تالیف ہیں اور ان ہی کے انشاء کیے ہوئے ہیں اور خود انہوں نے ہی ان کی نسبت کا امام کی طرف دعویٰ کیا ہے۔

اس جماعت کے خیالات درج کرتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں:

وَاَهَمَّ مَا يَجِدُهٗ بَاحِثُو الْآدَابِ الْعَرَبِيَّةِ فِيْ هٰذَا الْعَصْرِ مِنْ اَسْبَابٍ يَدْعُمُوْنَ بِهَا الْقَوْلُ بِاَنَّ الْكِتَابَ مِنْ صُنْعِ جَامِعِهٖ وَتَأْلِيفِهٖ ذٰلِكَ الَّذِىْ نُوْجِزُهٗ لَكَ فِي الْاَسْبَابِ الْاَرْبَعَةِ الْآتِيَةِ:

(یعنی) سب سے بڑے اسباب جو اس کتاب کے کلامِ امیر المؤمنینؑ ہونے کے خلاف پیش کیے جاتے ہیں وہ صرف چار ہیں۔ جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

اَلْاَوَّلُ : اَنَّ فِي الْكِتَابِ مِنَ التَّعْرِيْضِ بِصَحَابَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَا لَا يَصِحُّ اَنْ يَسْلَمَ صُدُوْرُهٗ عَنْ مِثْلِ الْاِمَامِ

عَلِيٍّ ، كَمَا تَرَاهُ فِيْ ثَنَايَا الْكِتَابِ مِنْ سَبَابِ مُعَاوِيَةَ ، وَطَلْحَةَ ، وَالزُّبِيْرِ ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، وَمَنْ ذَهَبَ اِلٰى تَأْيِيْدِهِمْ وَالدِّفَاعِ عَنْ سِيَاسَتِهِمْ .

(اول) یہ کہ اس کتاب میں اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا کسی طرح حضرت علی علیہ السلام سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً معاویہ، طلحہ، زبیر، عمرو بن العاص اور ان کے اتباع کے بارے میں تو سب وشتم تک موجود ہے۔

اَلثَّانِيْ : اَنَّ فِيْهِ مِنَ السَّجْعِ وَالتَّنْمِيْقِ اللَّفْظِيِّ وَآثَارِ الصَّنْعَةِ مَا لَمْ يَعْهَدْهُ عَصْرُ عَلِيٍّ ، وَلَا عَرِفَهُ ، وَاِنَّمَا ذٰلِكَ شَيْءٌ طَرَاَ عَلَى الْعَرَبِيَّةِ بَعْدَ الْعَصْرِ الْجَاهِلِيِّ وَصَدْرِ الْاِسْلَامِ ، وَافْتَتَنَ بِهِ اُدَبَاءُ الْعَصْرِ الْعَبَّاسِيِّ ، وَالشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ جَاءَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَا اَلِفُوْهُ فَصَنَّفَ الْكِتَابَ عَلٰى نَهْجِهِمْ وَطَرِيْقَتِهِمْ .

(دوم) اس میں لفظی آرائش اور عبارت میں صنعت آرائی اس حد پر ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں نایاب تھی۔

اَلثَّالِثُ: اَنَّ فِيْهِ مِنْ دِقَّةِ الْوَصْفِ، وَاسْتِفْرَاغِ صِفَاتِ الْمَوْصُوْفِ، وَاِحْكَامِ الْفِكْرَةِ ، وَبُلُوْغِ النِّهَايَةِ فِي التَّدْقِيْقِ كَمَا تَرَاهُ فِيْ وَصْفِ الْخُفَّاشِ [۱] وَالطَّاوُوْسِ [۲] وَالنَّمْلَةِ وَالْجَرَادَةِ [۳] وَكُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَلْتَفِتْ اِلَيْهِ عُلَمَاءُ الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَلَا اُدَبَاءُهُ وَشُعَرَاءُهُ ، وَاِنَّمَا عَرِفَهُ الْعَرَبُ بَعْدَ

تَعْرِيْبِ كُتُبِ الْيُوْنَانِ وَالْفَرَسِ الْاَدَبِيَّةِ وَالْحِكْمِيَّةِ. وَيَدْخُلُ فِيْ هٰذَا السَّبَبُ اِسْتِعْمَالُ الْاَلْفَاظِ الْاِصْطِلَاحِيَّةِ الَّتِيْ عُرِفَتْ فِيْ عُلُوْمِ الْحِكْمَةِ مِنْ بَعْدِ كَالْاَيْنِ وَالْكَيْفِ وَنَحْوِهِمَا . وَكَذٰلِكَ اِسْتِعْمَالُ الطَّرِيْقَةِ الْعَدَدِيَّةِ فِيْ شَرْحِ الْمَسَائِلِ . وَفِيْ تَقْسِيْمَاتِ الْفَضَائِلِ اَوِ الرَّذَائِلِ . مِثْلُ قَوْلِهٖ »اَلْاِسْتِغْفَارُ عَلٰى سِتَّةِ مَعَانٍ [۵] ... اَلْاِيْمَانُ عَلٰى اَرْبَعِ دَعَائِمَ [۶] : اَلصَّبْرُ ، وَالْيَقِيْنُ ، وَالْعَدْلُ ، وَالْجِهَادُ ، وَالصَّبْرُ مِنْهَا عَلٰى اَرْبَعِ شُعَبٍ ..... الخ.

(سوم) اس میں تشبیہات واستعارات اور واقعات واوصاف کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا صدر اولِ اسلام میں بالکل پتہ نہ تھا اس کے ساتھ حکمت اور فلسفہ کی اصطلاحی لفظیں نیز مسائل کے بیان میں حساب کا طریقہ یہ تمام باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔

اَلرَّابِعُ : اَنَّ فِيْ عِبَارَاتِ الْكِتَابِ مَا يَشَمُّ مِنْهُ رِيْحَ اَدِّعَاءِ صَاحِبِهٖ عِلْمُ الْغَيْبِ. وَهٰذَا اَمْرٌ يَجِلُّ عَنْ مِثْلِهٖ مَقَامِ عَلِيٍّ وَمَنْ كَانَ عَلٰى شَاكِلَةٍ عَلٰى مِمَّنْ حَضَرَ عَهْدَ الرِّسَالَةِ وَرَاٰى نُوْرَ النُّبُوَّةِ.

(چہارم) اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علم غیب کے ادعا کا پتہ چلتا ہے جو حضرت علیؑ ایسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔

موصوف ان خیالات کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَسْنَا ـ عِلْمُ اللهِ ـ مِمَّنْ يُرٰى فِيْ هٰذِهِ الْاَسْبَابِ مُجْتَمِعَةً اَوْ

مُنْفَرِدَةً دَلَيْلًا اَوْ شِبْهَ دَلِيْلٍ عَلٰى مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ اَنْصَارُ هٰذِهِ الْفِكْرَةِ . وَقَدْ نَغَالِیْ اِذَا نَحْنُ اِعْتَبَرْنَاهَا شُبْهًا تَعَرَّضُ لِلْبَحْثِ وَيَتَكَلَّفُ الْبَاحِثُ رَدَّهَا.

خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب میں مجموعی طور پر یا ایک ایک میں انفرادی حیثیت سے کوئی حقیقی دلیل یا دلیل کی صورت بھی اس دعویٰ کے ثبوت میں نظر نہیں آتی جسے ان لوگوں نے ثابت کرنا چاہا ہے بلکہ یہ بھی زیادتی ہوگی کہ ہم انہیں ایسے شبہات کا درجہ عطا کریں جو بحث و تحقیق میں سدراہ ہوتے ہیں اور جن کے جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن اس کے بعد انہوں نے ایک ایک کر کے ہر دلیل کو رد بھی کیا ہے۔

پہلی دلیل کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ کا ہر طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو اپنے سرپرست، چچازاد بھائی اور خسر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اس وقت جب آپ کی عمر تیس (۳۰) برس یا اس سے کچھ زائد تھی۔ وہ جوانی کا زمانہ تھا اور جوانی کی امنگیں معلوم ہیں۔ اس کے ساتھ آپ میں اصابتِ رائے، تبحرِ علمی، باریک نظری اور حسنِ عمل کے وہ تمام خصوصیات موجود تھے جو دوسرے سن رسیدہ اور بزرگ صحابہ میں سمجھے جاسکتے تھے اور پھر نصرتِ دین میں آپ کے وہ کارنامے خاص طور سے سرمایہ ناز تھے جو آپ نے رسالتمآبؐ کی زندگی میں انجام دیے تھے۔ اس صورت میں کم از کم اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کی قسمت کے فیصلہ میں آپ کو شریکِ مشورہ کرلیا جائے لیکن حالات ایسے فراہم ہوئے کہ آپ رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہے اور وہاں آپ کی عدم موجوگی میں فیصلہ کرلیا گیا۔

اس صورت میں باہمی ایک طرح کی رنجش کا پیدا ہو جانا قدرتی حیثیت سے ایک

ضروری امر ہے۔

اس کے بعد معاویہ نے آپ سے کھلم کھلا مقابلہ کیا اور جنگ کی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ادباء جب حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر کشی کو ان لوگوں کے مقابلہ میں تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان کو اس لفظی سخت کلامی سے جو ان لوگوں کی نسبت نظر آتی ہے تسلیم کرنے میں عذر کیوں ہوتا ہے؟ اسی لیے آپ کے کلام میں جو اشارے پہلی صورت (خلفاء ثلاثہ کے حالات) سے متعلق ہیں وہ نسبۃً نرم و ملائم ہیں اور دوسرے موقع پر آپ کے تصریحات بہت سخت ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ کتاب میں سجع و قافیہ کی پابندی اس حد تک ہرگز نہیں ہے کہ معنوی محاسن کو نظر انداز کر دیا گیا ہو بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اس کے سجع و قافیہ میں آمد کی صورت نظر آتی ہے اور آورد نہیں ہے۔ اس طرح کی صورت اس زمانہ میں بھی موجود تھی اور جو شخص جانتا ہو کہ علی بن ابیطالب علیہ السلام کا فصاحت و بلاغت میں کیا درجہ تھا اسے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

اسی سے تیسری دلیل کی کمزوری بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ کون کہتا ہے کہ باریک خیالی اور خوش بیانی اور وصف و تشبیہ کا حسن کسی قوم کا مخصوص حصہ ہے اور اگر ایک عرب، وہ بھی قریش کا انسان اور وہ جس نے قرآن کی فصاحت کو دیکھا ہو اور افصح العرب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ابتدائے عمر سے رہا ہو، وہ اس کمال کا مظاہرہ کرے تو قابلِ تسلیم نہیں ہے!

چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جسے علمِ غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو علی علیہ السلام ایسے حکیمِ اسلام سے بعید نہیں ہے۔

یہ تصریحات ہیں اکابر علمائے اہل سنت کے جنہوں نے نہج البلاغہ کو کلامِ امیر المومنینؑ تسلیم کیا ہے۔ غیر مسلم مصنفین میں سے بھی دو شخصوں کی تحریر اس وقت میرے پیشِ نظر ہے جنہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور نہج البلاغہ کی صحتِ اسناد کی گواہی دی ہے۔

(۱) عبدالمسیح انطاکی صاحب جریدۃ (العمران) مصر جس نے امیرالمؤمنینؑ کی سیرت میں اپنی مشہور کتاب شرح قصیدہ علویہ تحریر کی ہے اور وہ مطبع رعمسیس فجالہ مصر میں شائع ہوئی ہے۔ وہ اپنی اس کتاب کے صفحہ نمبر ۵۳۹ پر تحریر کرتے ہیں:

لَا جِدَالَ اَنَّ سَيِّدَنَا عَلِيًّا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هُوَ اِمَامُ الْفُصَحَآءِ وَ اُسْتَاذُ الْبُلُغَآءِ وَ اَعْظَمُ مِنْ خُطَبٍ وَّ كُتُبٍ فِیْ حِرَفِ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ الْاَلِبَّآءِ. وَ هٰذَا كَلَامٌ قَدْ قِيْلَ فِيْهِ بِحَقٍ: اِنَّهٗ فَوْقَ كَلَامِ الْخَلْقِ وَ تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ. قَالَ هٰذَا كُلُّ مَنْ عَرَفَ فُنُوْنَ الْكِتَابَةِ وَ اشْتَغَلَ فِیْ صَنَاعَةِ التَّحْبِيْرِ وَ التَّحْرِيْرِ.

اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام فصحاء کے امام اور بلغاء کے استاد ہیں اور وہ تمام ان لوگوں میں کہ جنہوں نے عربی زبان میں تقریر یا تحریر میں کمال دکھایا سب سے زیادہ جلیل المرتبہ اور بڑا درجہ رکھتے ہیں ان کا کلام ہمارے سامنے ہے جس کے متعلق سچی بات یہ کہی گئی ہے کہ وہ تمام خلقِ خدا کے کلام سے بالا اور بس خالق کے کلام کے ماتحت ہے۔ یہ ہر اس شخص نے کہا ہے کہ جو انشاء پردازی کے فنون سے واقف اور تقریر و تحریر کے فن میں ماہر ہے۔

بَلْ هُوَ اُسْتَاذُ الْكُتَّابِ الْعَرَبِ وَ مُعَلِّمُهُمْ بِلَا مِرَآءٍ. فَمَا مِنْ اَدِيْبٍ لَّبِيْبٍ حَاوَلَ اِتْقَانَ صَنَاعَةِ التَّحْرِيْرِ اِلَّا وَ بَيْنَ يَدَيْهِ الْقُرْاٰنُ وَ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ. ذٰلِكَ كَلَامُ الْخَالِقِ وَ هٰذَا كَلَامُ اَشْرَفِ الْمَخْلُوْقِيْنَ. وَ عَلَيْهِمَا يُعَوِّلُ فِی التَّحْرِيْرِ وَ

التَّحْبِيْرِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ مَعَاشِرِ الْكَتَبَةِ الْمَجِيْدِيْنَ.

حضرت تمام عرب انشاء پردازوں کے استاد اور معلم ہیں۔ کوئی باخبر ادیب جو انشاء پردازی کے فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہو، ایسا نہ ہوگا جس کے سامنے قرآن اور نہج البلاغہ موجود نہ ہوں۔ وہ خالق کا کلام اور یہ اشرف المخلوقین کا کلام اور وہ انہی دونوں کتابوں کا سہارا لینے پر مجبور ہے، اگر اچھا انشاء پرداز اور ادیب بننا چاہتا ہے۔

وَ لَعَلَّ اَفْضَلَ مَنْ خَدَمَ لُغَةَ قُرَيْشٍ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُ الَّذِيْ جَمَعَ خُطَبَ وَ اَقْوَالَ وَ حِكَمَ وَ رَسَآئِلَ سَيِّدِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَفْوَاهِ النَّاسِ وَ اَمَالِيْهِمْ وَ اَصَابَ كُلَّ الْاِصَابَةِ بِاِطْلَاقِهٖ عَلَيْهِ اسْمَ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ.

شاید ان لوگوں میں کہ جنہوں نے قریش کی زبان (عربی) کی خدمت کی ہے سب سے بڑا درجہ شریف رضیؒ کو حاصل ہے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے خطبے، اقوال، حکم اور خطوط کو جمع کیا ہے لوگوں کے محفوظات اور تحریرات سے اور بیشک انہوں نے بہت ٹھیک رکھا ہے اس کا نام نہج البلاغہ۔

وَ مَا هٰذَا الْكِتَابُ اِلَّا صِرَاطُهَا الْمُسْتَقِيْمُ لِمَنْ يُّحَاوِلُ الْوُصُوْلَ اِلَيْهَا مِنْ مَّعَاشِرِ الْمُتَاَدِّبِيْنَ وَلَعَلَّ اَحْسَنَ وَصْفِ قِرَاْتِهٖ لِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ قَوْلُ الْاُسْتَاذِ الْكَبِيْرِ الْفَيْلَسُوْفِ الشَّيْخِ مُحَمَّدٍ عَبْدُهُ الْمِصْرِيْ رَحِمَهُ اللهُ فَقَدْ وَصَفَ مَا كَانَ يُشْعِرُ بِهٖ وَهُوَ بَيْنَ يَدَيْ تِلْكَ الدُّرَرِ الْحِسَانِ الْمِزْرَبَةِ بِعُقُوْدِ الْجُمَانِ.

یہ کتاب حقیقتاً صحیح راستہ ہے اس شخص کے لئے جو بلاغت کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہو اور غالباً بہترین توصیف جو میری نظر سے گذری ہے نہج البلاغہ کی وہ قول ہے استاد کبیر فلسیوف شیخ محمد عبدہ مصری کا جنہوں نے اپنے احساسات وتاثرات کا اظہار کیا ہے اس موقع پر جب وہ ان نایاب، بیش بہا موتیوں کے سامنے تھے جو زر و جواہر سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ ابن عبدہ کی وہ عبارت نقل کی گئی ہے جو ہم اس کے قبل نذر ناظرین کر چکے ہیں اور اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

هٰذَا مَا رَآهُ الْاُسْتَاذُ الْاِمَامُ رَحِمَهُ اللهُ وَمَا شَعَرَ بِهٖ وَهُوَ مُجِدٌّ فِیْ دَرْسِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ سَائِرَ اِلَیْهَا فَلَا عَجَبَ اِذَا فَازَ مِنْهَا بِالنَّصِیْبِ اِلَّا عَلٰی فَکَانَ اَفْصَحُ مِنْ کُتُبٍ فِی الْمُتَاَخِّرِیْنَ وَقَدْ قَالَ لِیْ رَحِمَهُ اللهُ مَرَّةً اِذَا رُمْتَ اَنْ تَکُوْنَ کَاتِبًا فَخُذِ الْاِمَامَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ صَلَوَاتُ اللهِ اُسْتَاذً ا وَاتَّخِذْ اَقْوَالَهُ الدُّرِّیَّةُ فِیْ ظُلِمَاتِ لَیْلِکَ نَبْرَاسًا.

یہ رائے ہے جس کا استاذ امام (ابن عبدہ) رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار کیا ہے اور جو تاثرات انہیں پیدا ہوئے ہیں اس موقع پر جب وہ نہج البلاغہ کے درس میں منہمک اور بلاغت کی منزل کے سالک تھے۔ اس کے بعد کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر خود شیخ ابن عبدہ بلاغت میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہو گئے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ متاخرین میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے موصوف ہی بہترین انشاء پرداز تھے اور خود موصوف نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ اگر تم انشاء پرداز بننا چاہتے ہو تو امام امیر المومنین علی علیہ السلام کو اپنا استاد بناؤ اور ان

کے روشن کلمات کو اپنے لیے چراغ ہدایت قرار دو۔

وَ ذَكَرَ مَرَّةً اِلَى الْمَرْحُوْمِ الشَّيْخِ اِبْرَاهِيْمَ الْيَازَجِيْ اُكْتُبْ كِتَابَ الْعَرَبِ وَاِمَامَ اُسَاتِذَةِ اللُّغَّةِ فِيْهِمْ فِي الْعَهْدِ الْاَخِيْرِ بِالْاِجْمَاعِ قَالَ مَا اَتْقَنْتَ الْكِتَابَةَ اِلَّا بِدَرْسِ الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَنَهْجِ الْبَلَاغَةِ الْقَوِيْمِ فَهُمَا كَنْزُالْعَرَبِيَّةِ الَّذِيْ لَايَنْفَدُ وَ ذَخِيْرَتُهَا لِلْمُتَاَدِّبِ وَهَيْهَاتَ اَنْ يَظْفُرَ اَدِيْبٌ بِحَاجَتِهٖ مِنْ هٰذِهِ اللُّغَّةِ الشَّرِيْفَةِ اِنْ لَمْ يُحْيِيْ لَيَالِيْهٖ سِهْرًا فِيْ مُطَالَعَتِهِمَا وَالتَّبَحُّرِفِيْ عَالِيْ مَطَالِبِهِمَا.

اور ایک مرتبہ مجھ سے شیخ ابرہیم یازجی نے جو اس دورِ اخیر میں متفقہ طور پر کامل انشاء پرداز عربی اور امام اساتذۂ لغت مانے گئے ہیں، نے فرمایا کہ مجھے اس فن میں جو اتنا کمال حاصل ہوا وہ صرف مطالعہ سے قرآن مجید اور نہج البلاغہ کے۔ یہ دونوں عربی زبان کے وہ خزانہ عامرہ ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور سرمایہ ہیں طالبانِ علمِ ادب کے لیے اور کیا ممکن ہے بھلا کوئی ادیب اپنے مقصد کو اس زبان کے کمالات میں حاصل کر سکے جب تک وہ ان دونوں کتابوں کے مطالعہ میں رات رات بھر بیدار نہ رہا ہو۔

(۲) فواد افرام بستانی استاذ الاداب العربیہ فی کلیۃ القدیس یوسف (بیروت) بڑے درجہ کے عیسائی ادیب اور محقق مؤرخ ہیں۔ انہوں نے ایک سلسلہ تعلیمی کتابوں کا "روائع" کے نام سے شائع کیا ہے، جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثارِ قلمی اور تصانیف سے مختصر انتخابات مصنف کے حالات، کمالات، کتاب کی تاریخی تحقیقات وغیرہ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں ترتیب دیے ہیں اور وہ کیتھولک عیسائی

پریس (بیروت) میں شائع ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ کا مجموعہ امیر المؤمنینؑ اور نہج البلاغہ سے تعلق رکھتا ہے جس کے متعلق تمہیدی مقدمہ میں جو مؤلف کے قلم سے ہے تحریر کیا ہے:

اِنَّنَا نَبْدَأُ الْيَوْمَ بِنَشْرِ مُنْتَخَبَاتٍ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَوَّلُ مُفَكِّرِى الْاِسْلَامِ.

سب سے پہلے ہم اس سلسلہ کی ابتدا کرتے ہیں کچھ انتخابات کے ساتھ نہج البلاغہ کے جو اسلام کی سب سے پہلے مفکر امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کی کتاب ہے۔

اس کے بعد وہ حصہ شروع ہوا ہے جو سلسلہ روائع کی پہلی قسط ہے۔

علی بن ابیطالبؑ

✲—✲—✲—✲—✲—✲—✲—✲—✲—✲—✲—✲

نہج البلاغہ

درس و منتخبات
بقلم

فؤاد افرام البستانی

استاذ الآداب العربية فی كلية القديس يوسف

المطبعة الكاثوليكية۔ بیروت ۱۹۲۷ء

اس کے بعد کتاب شروع ہوتی ہے جس کی تمہیدی چند سطریں حسب ذیل ہیں۔

علي بن ابي طالب عليه السلام (ولادت ۶۰۰ء وفات ۶۶۱ء)

لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ شَخْصِيَّةٌ جَذَابَةٌ حَامَتْ حَوْلَهَا اَقْلَامُ الرُّوَاةِ وَالْمُؤَرِّخِيْنَ وَ اجْتَهَدَتْ فِيْ فَهْمِهَا عُقُوْلُ النُّقَّادِ الْمُفَكِّرِيْنَ وَ اهْتَدَتْ بِهَدْيِهَا مُيُوْلُ الزُّهَادِ وَ السَّالِكِيْنَ وَ سَارَ تَحْتَ لِوَائِهَا الْجَمُّ الْغَفِيْرُ مِنَ الْمُتَاَدِّبِيْنَ وَ لَمْ تَكُنِ الْاَرَآءُ الْمُخْتَلِفَةُ وَ النَّظْرِيَاتُ الْمُتَبَايِنَةُ وَ الْمُجَادِلَاتُ الْعَدِيْدَةُ بَيْنَ السُّنِّيِّيْنَ وَ الشِّيْعِيِّيْنَ عَلٰى كُدُوْرِ الْاَيَّامِ اِلَّا لِتُزِيْدِ الرَّجُلِ سُمُوًّا وَ عَقْلِيَّتِهٖ بُرُوْزًا مِنْ خِلَالِ غِشَاءِ النَّازِعَاتِ الْمُتَكَاتِفِ حِيْنًا وَالشَّاْنُ اَحْيَانًا فَمَنْ هُوَ هٰذَا الرَّجُلِ الْعَظِيْمِ وَمَا هِيَ قِيْمَةُ رَجُلِ الْاَدَبِ.

علی ابن ابی طالب علیہ السلام (ولادت ۶۰۰ء وفات ۶۶۱ء)

علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ایک جذاب (خاص کشش والی) شخصیت ہے جس کے گرد روّاتِ حدیث اور مؤرخین کے قلم ہمیشہ گردش کرتے رہے ہیں۔ اور ناقدین و مفکرین کے عقول اس شخصیت کے سمجھنے میں کوشاں رہے ہیں۔ اور زہاد وارباب سلوک کے توجہات، ان کی سیرت اور طرزِ زندگی کی طرف متوجہ رہے ہیں اور ان کے علم کے سایہ میں اربابِ ادب کی بڑی جمعیت چلتی رہی ہے۔ مختلف اقوال اور جدا گانہ نظریات اور کثیر التعداد مناظرات جو باستدادِ زمانہ سنی اور شیعی فرقوں میں رہا کیے ہیں، وہ اس انسان کی بلندی میں اضافہ ہی کرتے رہے۔ اور اس کے کمالات عقلیہ کی نمائش ان منازعات کے پردوں سے جو کبھی گہرے اور اکثر اوقات ہلکے رہا کیے ہیں، زیادہ ہی ہوتی رہی ہے۔ ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ عظیم الشان انسان کون ہے اور علمِ ادب کا مخصوص انسان کیا قدر و قیمت رکھتا ہے؟

اس کے بعد مختلف عناوین کے تحت میں امیر المؤمنینؑ کی سیرت اور حضرت کے خصوصیاتِ زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ایک عیسائی کی تحریر ہونے کے سبب پورے طور سے شیعی نقطہ نظر کے موافق نہ ہو لیکن پھر بھی حقیقت و انصاف کے بہت جو ہرا اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ موضوع کی اجنبیت کو دیکھتے ہوئے یہ مقام مقتضی نہیں ہے ورنہ ضرورت ہے کہ اس تحریر کا پورا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جائے۔ عناوین کتاب کے حسب ذیل ہیں:

نَشْأَتُهٗ غَيْرَتُهٗ وَشُجَاعَتُهٗ مُهِمَّاتُهٗ وَاٰمَالُهٗ۔ بَعْدَ مُوْتِ النَّبِيِّ فُتُوْرَهِمَّةُ عَلِيٍّ۔ خِلَافَةُ عَلِيٍّ۔ اَلْمُبَايَعَةُ وَالْمُعَارَضَةُ۔ مَعْرَكَةُ الْجَمَلِ۔ مَعْرَكَةُ صِفِّيْنَ۔ آثَارُهٗ۔ شَخْصِيَّةُ عَلِيٍّ اَلْاَدَبِيَّةُ

دَوْرَ الشُّعُوْرِ۔ دَوْرَ الْمَخِيْلَةِ۔ دَوْرَ الْعَقْلِ.

غرض اسی طرح کے عناوین قائم کیے گئے ہیں۔ اور اپنے فہم کے مطابق امیر المؤمنین کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک اجنبی شخص کے قلم سے خوش آیند ضرور معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں اس میں نظر کی غلطی اور بھول چوک کا نمونہ بھی نظر آ جائے۔

مذکورہ بالا عناوین پر ایک حد تک سیر حاصل بحث کرتے ہوئے۔ مصنف نے عنوان قائم کیا ہے۔

"نهج البلاغة" اور دوسرا عنوان "جَمْعُهٗ" یعنی اس کتاب کی جمع و تالیف اس کے تحت میں تحریر کیا ہے:

قَالَ الْمَسْعُوْدِيُّ عَنْ خُطَبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ اِنَّمَا فِيْ سَائِرِ مَقَامَاتِهٖ اَرْبَعْمِئَةِ خُطْبَةٍ وَنَيِّفٌ وَثَمَانُوْنَ خُطْبَةً يُوْرِدُهَا عَلَى الْبَدِيْهَةِ ، وَتَدَاوَلَ النَّاسُ ذٰلِكَ عَنْهُ قَوْلًا وَعَمَلًا وَ مَازَالَ النَّاسُ يَتَدَاوَلُوْنَ ذٰلِكَ حَتّٰى قَامَ الشَّرِيْفُ الرَّضِيْ فَجَمَعَ كُلَّ مَا نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ مِنْ خُطَبٍ وَرَسَائِلٍ وَ مَوَاعِظٍ فَضَمَّنَهَا كِتَابًا وَاحِدًا اَسَمَّاهُ "نَهْجُ الْبَلَاغَةِ". اِنْتَهٰى مِنْ تَاْلِيْفِهٖ فِيْ رَجَبٍ ۴۰۰ ھ (۱۰۱۰). بَعْدَ اَنْ تَرَكَ اَوْرَاقًا بَيْضًا فِيْ آخِرِ كُلِّ بَابٍ رَجَاءً اَنْ يَقِفَ عَلٰى شَيْءٍ بَعْدَ الْجَمْعِ فَيُدْرِجُهٗ فِي الْمَحَلِّ الَّذِيْ يُنَاسِبُهٗ.

مسعودی نے حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ آپ کے تمام مواقع زندگی میں کچھ اوپر چار سو اسی خطبے ہیں جن کو حضرتؑ نے فی البدیہہ

ارشاد کیا تھا۔ اور لوگوں نے آپ سے سینہ بسینہ ان کو نقل کیا۔ یہ خطبے برابر لوگوں میں شائع رہے یہاں تک کہ شریف رضیؒ کا زمانہ آیا۔ اور انہوں نے جو کچھ امام کے خطبے اور خطوط اور مواعظ راویوں کی زبان سے نقل ہوئے تھے، سب کو یکجا مجتمع کر دیا اور ایک کتاب میں محفوظ کر کے اس کا نام رکھا "نہج البلاغہ"۔ جس کی تصنیف سے وہ رجب ۴۰۰ھ میں فارغ ہوئے اور انہوں نے ہر باب کے آخر میں کچھ اوراق سادہ رکھے اس امید میں کہ جمع و تالیف کے بعد شاید کچھ اور دستیاب ہو تو وہ اس کی مناسب جگہ پر درج کیا جا سکے۔

وَالشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ مِنْ سُلَالِهٖ عَلٰى اسْمِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ مُوْسٰى بْنِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُرْتَضٰى بْنِ مُوْسٰى الْكَاظِمِ وُلِدَ ٩٦٩ء وَتُوُفِّيَ ١٠١٥ء وَيُعْرِفُ اَيْضًا بِالْمُرْتَضٰى لَقَّبُ اَحَدِ اَجْدَادِهٖ وَبِالشَّرِيْفِ الْمُوْسَوِيْ كَانَ مِنْ اَشْهَرِ اُدَبَآءِ عَصْرِهٖ وَلَهٗ دِيْوَانُ شِعْرٍ مَعْرُوْفٌ.

اور شریف رضیؒ مذکور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ ان کا نام تھا محمد بن طاہر بن حسین بن موسیٰ بن ابراہیم مرتضیٰ ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔ ولادت ان کی ۹۶۹ء میں اور وفات ۱۰۱۵ء میں تھی اور اپنے دادا ابراہیم مرتضیٰ کے نام پر کبھی ان کو مرتضیٰ بھی کہا جاتا تھا اور شریف موسوی کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے بڑے مشہور ادیب تھے اور ان کا ایک دیوان مشہور و معروف ہے۔

اس کے بعد عنوان قائم کیا ہے "صِحَّةُ نِسْبَتِهٖ" یعنی اس کتاب کی صحتِ سند۔ اس کے تحت میں لکھا ہے:

لَمْ يَمُرَّ زَمَنٌ عَلٰى جَمْعِ الْكِتَابِ حَتّٰى شَكَّ قَوْمٌ مِنَ النَّقَّادِ وَالْمُؤَرِّخِيْنَ فِيْ صِحَةِ نِسْبَتِهٖ وَكَانَ فِيْ مُقَدِّمَتِهِمْ اِبْنُ خَلْكَانٍ فَنَسَبَهٗ اِلٰى جَامِعِهٖ وَتَبِعَهٗ عَلٰى هٰذَاالْقَوْلِ الصَّفَدِيُ وَغَيْرُهٗ. فَتَغَلْغَلَ الشَّكُّ بَيْنَ الْقَوْمِ اِلَى الْيَوْمِ وَكَانَ تَسْمِيَّةُ الشَّرِيْفِ الرَّضِيْ بِلَقَّبِ جَدِّهِ الْمُرْتَضٰى لَبِسَتْ عَلٰى بَعْضِ الْمُؤَرِّخِيْنَ التَّمْيِيْزَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اَخِيْهِ عَلِيٌّ بْنُ طَاهِرِ الْمَعْرُوْفُ بِالْمُرْتَضٰى (۹۶۶ــ۱۰۴۴). فَنَسَبُوْا اِلٰى هٰذَا الْاٰخِيْرِ جَمْعَ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ كَمَا فَعَلَ جُرْجِيْ زَيْدَانٌ وَ زَادَ غَيْرُهُمْ كَالْمُسْتَشْرِقِ كَلِيْمَانِ فَجَعَلَ الْمُرْتَضٰى مُؤَلِّفُ الْكِتَابِ.

نہج البلاغہ کی جمع وتالیف کو زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ بعض اربابِ نظر اور مورخین نے اس کتاب کی صحتِ سند میں شک کرنا شروع کردیا۔ ان میں سب کا پیشرو ابن خلکان ہے، جس نے اس کتاب کو اس کے جامع کی طرف منسوب کیا اور پھر صفدی وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور پھر شریف رضیؒ کے بسا اوقات مرتضٰی کہے جانے نے جو ان کے دادا کے لقب کی مناسبت سے تھا، بعض لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کردیا اور وہ ان میں اور ان کے بھائی علی بن طاہر معروف سید مرتضٰی (متولد ۹۶۶ء - متوفی ۱۰۴۴ء) میں تفرقہ نہ سمجھ سکے اور انہوں نے نہج البلاغہ کے جمع کو ثانی الذکر کی طرف منسوب کردیا جیسا کہ جرجی زیدان نے کیا ہے اور بعض لوگوں نے جیسے مستشرق کلیمان نے طرہ یہ کیا کہ کتاب کا اصل مصنف سید مرتضٰی کو قرار دیدیا۔

وَنَحْنُ اِذَا تَدَبَّرْنَا اَسْبَابَ الشَّكِّ نَرَاهَا تَرْجِعَ اِلٰى خَمْسَةِ اُمُوْرٍ:

(۱) اِنَّ فِیْ نَھْجِ الْبَلَاغَةِ مِنَ الْاَفْكَارِ السَّامِيَةِ وَالْحِكَمِ الدَّقِيْقَةِ مَالَايَصِحُّ نِسْبَتُهٗ اِلٰى عَصْرِ عَلِيٍّ.

(۲) اِنَّ فِيْهِ مِنَ التَّعْرِيْضِ بِالصَّحَابَةِ مَالَايَصْدُرُ عَنْ رَجُلٍ فَاضِلٍ كَعَلِيٍّ.

(۳) اِدِّعَاءُ عِلْمِ الْمُغَيَّبَاتِ وَهُوَ لَايَكُوْنُ فِعْلُ رَجُلٍ عَاقِلٍ.

(۴) اَلْوَصْفُ الدَّقِيْقُ.

(۵) صِنَاعَةُ السَّجْعِ وَالتَّنْمِيْقِ الَّتِيْ لَمْ يَتَعَوَّدْهَا اَهْلُ ذٰلِكَ الْعَصْرِ.

ہم جب اس شک کے وجوہ و اسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہر پھر کے پانچ امر قرار پاتے ہیں:

(۱) یہ کہ نہج البلاغہ میں ایسے بلند مطالب اور دقیق فلسفی رموز ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس میں صحابہ کے متعلق ایسے تعریضات ہیں جو حضرت علی علیہ السلام ایسے بلند مرتبہ انسان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

(۳) غیب کی باتوں کے علم کا دعوی اور یہ کسی عقلمند کا کام نہیں ہے۔

(۴) کسی بات کا وصف بیان کرنے میں موشگافی۔

(۵) سجع و قافیہ اور عبارت آرائی جس کی اس زمانہ والوں کو عادت نہ تھی۔

وَلَيْسَ فِيْ اَكْثَرِ هٰذِهِ الْاَسْبَابِ مَايَقِفُ عَثْرَةً فِيْ سَبِيْلِ صِحَّةِ نِسْبَةِ الْكِتَابِ.

لیکن یہ تمام اسباب ایسے ہیں کہ وہ اس کتاب کی صحت سند میں سد راہ نہیں ہو سکتے۔

فَاَمَّا سُمُوُّ الْاَفْكَارِ وَ دِقَّةِ الْحِكَمِ وَ اَصَابَةِ الْمَعْنٰى فَاِنَّهَا فِيْ

كُلِّ عَصْرٍ اِذْ هِيَ نَاتِجَةٍ عَنِ الْاِخْتِيَارِ الْبَشَرِيِّ مُرَافِقَةٍ لِهٰذِهِ الْحَيٰوةِ فِيْ تَجَارِبِهَا وَ قَدْ رَاَيْنَا فِيْ حَيٰوةِ الْمُؤَلِّفِ وَ اَحْزَانِهِ الْكَثِيْرَةِ وَخَيْبَةِ اٰمَالِهٖ مَوَّادٌ وَا فِرَةٌ لِلتَّاَمُّلَاتِ الْعَدِيْدَةِ وَالنَّظْرِيَاتِ الْعَمِيْقَةِ فَضْلًا عَنْ اَنَّ عَلِيًّا حَفِظَ الْقَرْآنَ بِمَا فِيْهِ وَ مِنَ الْاٰيَاتِ وَكَانَ عَالِمًا كَاَكْثَرِ رِجَالِ عَصْرِهٖ بِكَثِيْرٍ مِنَ الْحِكَمِ الْبَلِيْغَةِ الْمَوْجُوْدَةِ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاَنْجِيْلِ فَاَمْكَنَهُ الْاَسْتِفَاءُ مِنْهَا.

پہلی بات یعنی خیالات کی بلندی اور فلسفی نکتہ پردازی اور مطالب کی صحت اور مضبوطی یہ ہر زمانہ میں پیدا ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ انسان کے غور وفکر اور زمانہ کے حالات سے تجربہ کے ساتھ سبق آموزی پر مبنی ہے اور مصنف (یعنی حضرت علی علیہ السلام) کی زندگی اور حضرتؑ کے مختلف مصائب اور رنج وغم کے واقعات میں ایسے کافی اسباب اور مواد فراہم ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کے غور وفکر کی قوت زیادہ ہوجائے اور آپ حالاتِ زمانہ میں تامل اور گہری فکر سے کام لیں۔ اس کے علاوہ آپ قرآن مجید اور اس کی تمام آیتوں کے حافظ تھے۔ اور پھر اپنے زمانہ کے بہت سے لوگوں کی طرح آپ ان فلسفی اور حکمی باتوں سے بھی مطلع تھے جو توریت وانجیل میں مذکور ہیں، اور اس لئے آپ کو ان سے اقتباس کا موقع بھی حاصل تھا۔ (اس عبارت میں تبصرہ نگار کے عیسائی مذہب کے جذبات بہت زیادہ کارفرما نظر آتے ہیں۔)

وَ اِنَّمَا التَّعْرِيْضُ بِالصَّحَابَةِ فَاِنَّهُ لَشَيْءٌ طَبِيْعِيٌّ فِي ابْنِ اٰدَمَ اَنْ يَتَاَفَّفَ وَ يَتَاَلَّمَ اِذَا يُرٰى نَفْسُهُ مَمْنُوْعًا مِنْ نَيْلِ

مُرَادِہٖ مَصْرُوْفًا عَنْ حَقِّہٖ وَ الْاِنْسَانُ مَہْمَا تَقَدَّمَ فِی الصَّلَاحِ یُظِلُّ اِنْسَانًا ضَعِیْفًا عَرْضَۃً لِعَوَامِلِ الطَّبِیْعَۃِ الْبَشَرِیَّۃِ.

دوسری بات یعنی صحابہ کے متعلق تعریض یہ تو انسان کا فطری خاصہ ہے کہ وہ اُف کہے اور رنجیدہ ہو۔ جب اپنے تئیں اپنے مقصد سے علیحدہ اور اپنے حق سے محروم ہوتے دیکھے۔ اور انسان جتنا بھی بلند مرتبہ ہو لیکن پھر بھی انسان ہے اور انسانی خصوصیات سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔

وَ اَمَّا عِلْمُ الْمَغَیِّبَاتِ فَلَا نَتَعَرَّضُ لَہٗ وَ ہُوَ لَیْسَ بِاَحْسَنِ مَا فِیْ نَہْجِ الْبَلَاغَۃِ.

رہ گیا علمِ مغیبات اس کے متعلق ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے (بیشک ایک عیسائی کو اس بارہ میں سکوت ہی اختیار کرنا چاہیے) اور یہ حصہ یعنی غیب کی چیزوں کا باب نہج البلاغہ میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا کہ اس کی نسبت خاص طور سے بحث کی جائے۔

وَاِذَا دَقَّقْنَا فِی الْوَصْفِ وَ کَمَالِہٖ وَ اَجَلَّ مَظْہَرَ لَہٗ فِیْ نَہْجِ الْبَلَاغَۃِ خُطْبَۃُ الْخُفَّاشِ وَ الطَّاؤُوْسِ نَحْکَمُ اَنَّہٗ سَبَبٌ فَاسِدٌ لِاَنَّ مِنْ اَخَصِّ صَفَاتِ الشِّعْرِ الْجَاہِلِیِّ وَ الْمُخَضْرِمِ اِتْمَامَ الْوَصْفِ وَ تَتَبُّعُ ہَیْئَاتَ الْمَوْصُوْفِ اِلٰی آخِرِہَا.

نَرٰی ذٰلِکَ فِیْ شِعْرِ الشَّنْفَرِیْ وَ اَمْرَءِ الْقَیْسِ وَ عَنْتَرَۃِ وَ بَشِیْرِ بْنِ عَوَانَۃِ مِنَ الْجَاہِلِیْنَ وَ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَۃِ وَ اَمْثَالِہٖ مِنْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ وَ کُلُّہُمْ یُجَارُوْنَ عَلِیًّا زَمَانًا وَ مَکَانًا.

اس کے بعد چوتھی وجہ یعنی وصف میں موشگافی اور اس کا نمایاں نمونہ خطبہ خفاشیہ اور طاوسیہ ہے۔ اس کے لئے بھی ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ سبب شک کا بالکل غلط ہے اس لئے کہ زمانہ جاہلیت اور پھر درمیانی دور کے اشعار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا وصف حدِ کمال پر ہوتا ہے۔ اور موصوف کی ہیئت اور اس کی شکل کے تمام خصوصیات کو پورے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ بات ہم کو شنفری اور امرالقیس اور عنترہ اور بشیر بن عوانہ کے اشعار میں نظر آتی ہے جو زمانہ جاہلیت کے شعراء ہیں اور عمر ابن ابی ربیعہ کے اشعار میں بھی کہ جو صدر اسلام کا شاعر ہے۔ اور یہ سب زمان و مکان کے اعتبار سے حضرت علی علیہ السلام سے قرب رکھتے ہیں اور یہی ہمارا فیصلہ ہے۔

وَ نَكَادَ نَقُوْلُ الْقَوْلُ نَفْسَهٗ عَنِ السَّجْعِ لَوْ لَا اَلْخُطْبَةُ الْمَعْرُوْفَةُ بِالشِّقْشِقِيَّةِ وَ هِيَ مِنْ اَسْبَابِ الشَّكِّ عِنْدَ الْكَثِيْرِيْنَ عَلٰى اَنَّهٗ يَرْوِيْ اِبْنُ اَبِي الْحَدِيْدِ اَشْهَرُ شَارِحِيْ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ عَنْ بَعْضِ مَشَايِخِهٖ اَنَّ الشِّقْشِقِيَّةَ كَانَتْ مَعْرُوْفَةً قَبْلَ مَوْلَدِ الرَّضِيِّ.

آخری وجہ یعنی سجع و قافیہ اور عبارت آرائی کے متعلق بیشک سب سے بڑا سبب بہت سے لوگوں کے شک کا خطبہ شقشقیہ ہے حالانکہ ابن ابی الحدید جو کہ نہج البلاغہ کا سب سے مشہور شارح ہے اس کا بیان ہے اپنے بعض اساتذہ کی زبانی کہ خطبہ شقشقیہ سید رضیؒ کی ولادت کے قبل سے مشہور و معروف تھا۔

اس کے بعد بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے:

هٰذَا وَ اَنَّهٗ لَمِنَ الْفُضُوْلِ الْاِفَاضَةِ بِذِكْرِ بَلَاغَةِ هٰذَا

التَّأْلِيْفُ وَ الْفَائِدَةُ الْجَمَّةُ النَّاتِجَةُ عَنْ دِرَاسَتِهٖ فَهُوَ كَمَا قَالَ الشَّيْخُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهٗ حَاوٍ جَمِيْعَ مَا يُمْكِنَ اَنْ يَعْرِضَ لِلْكَاتِبِ وَ الْخَاطِبِ مِنْ اَغْرَاضِ الْكَلَامِ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِلْمَدْحِ وَ الذَّمِّ الْاَدَبِيِّ وَ التَّرْغِيْبِ فِي الْفَضَائِلِ وَالتَّنْفِيْرِ مِنَ الرَّذَائِلِ وَالْمُحَاوِرَاتِ السِّيَاسِيَّةِ وَ الْمُخَاصِمَاتِ الْجَدْلِيَةِ وَ بِيَانِ حُقُوْقِ الرَّاعِي عَلَى الرَّعِيَّةِ وَ حُقُوْقِ الرَّعِيَّةِ عَلَى الرَّاعِي وَاَتٰى عَلَى الْكَلَامِ فِيْ اُصُوْلِ الْمَدْنِيَّةِ وَ قَوَاعِدِ الْعَدَالَةِ وَفِي النَّصَائِحِ الشَّخْصِيَّةِ وَ الْمَوَاعِظِ الْعُمُوْمِيَةِ اَوْ كَمَا قِيْلَ بِتَعْبِيْرٍ اَوْجَزَ وَ تَاْثِيْرٍ اَوْفَرَ هُوَ تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ.

اس کتاب کی فصاحت و بلاغت اور اس کے درس و تدریس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کا تذکرہ کرنا فضول ہے۔ اس لئے کہ حقیقتاً جیسا کہ شیخ محمد بن عبدہ نے کہا ہے: "یہ کتاب حاوی اور جامع ہے تمام ان اغراض و مقاصد کو جو کسی انشاء پرداز یا مقرر کو اپنی تحریر و تقریر میں پیش نظر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں مدح، مہذبانہ مذمت، فضائل و محاسن میں ترغیب، بری باتوں سے اظہارِ نفرت، سیاسی خیالات، مجادلانہ مکالمات، حاکم کے حقوق بذمہ رعیت، رعیت کے حقوق بذمہ حاکم سب کچھ موجود ہیں۔ پھر تمدن کے اصول، عدالت کے قواعد، انفرادی نصائح اور عمومی مواعظ سب کچھ مندرج پائے جاتے ہیں۔ مختصر اور موثر لفظوں میں وہی ہے جیسا کہا گیا ہے کہ خالق کے کلام سے پست اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔

اس کے علاوہ اگر انسان کتبِ تاریخ و سیَر کی سیر کرے تو اسے جستہ جستہ نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب و کتب کے اقتباسات اتنی کثرت سے مختلف مستند اسلامی کتب میں دستیاب ہوں گے جن کے بعد اگر وہ منصف مزاج اور حقیقت پرور ہے تو کبھی علامہ سید رضیؒ کی طرف کسی بدگمانی کا توہم بھی نہ کرے گا بلکہ وہ یقین کر لے گا کہ انہوں نے یہ تمام علمی و ادبی و مذہبی مواد مختلف مستند اسلامی کتب سے تتبع کے ساتھ جمع کیا ہے بلکہ بنظرِ احتیاط اس میں بھی انتخاب اور انتخاب در انتخاب کے اصول کو محفوظ رکھا ہے۔

کامل ابن اثیر، طبری، مروج الذہب وغیرہ میں اس کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ نجف اشرف کے علامہ شیخ ہادی کاشف الغطا دام ظلہ، جو ایک متبحر اور وسیع النظر عالم ہیں انہوں نے "مستدرک نہج البلاغہ" (یعنی امیر المؤمنینؑ کے خطب و کتب وکلمات جو نہج البلاغہ میں درج ہونے سے رہ گئے تھے) کی جمع و تالیف کے سلسلہ میں "مدارک نہج البلاغہ" کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے اور اس میں نہج البلاغہ کے تمام مندرجات کو جو دوسرے کتب میں ہیں اور وہ زیادہ تر نہج البلاغہ کے قبل کے ہیں تلاش کر کے ان کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔

نہج البلاغہ کے داخلی اسلوب اور طریقہ تالیف کو جو کوئی شخص دیکھے وہ اس شرط کے ساتھ کہ متعصب، معاند، ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہو ذاتی حیثیت سے یہ یقین کر لے گا کہ اس کتاب میں جمع و تالیف یعنی متفرق مواد کو مجتمع کر دینے کا کام انجام دیا گیا ہے اور اس میں کسی تصنیف یا ذاتی تحریر کا پتہ بھی نہیں ہے۔

یہ بھی شعبہ بہت وسیع ہے اور اس میں اس بات کی اہم ضرورت ہے کہ میں نہج البلاغہ کا تتبع کر کے وہ مقامات پیش کر دوں جہاں اس قسم کے خصوصیات نمایاں ہیں جو کتاب کی تالیفی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر سرِ دست اس جزو کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

علامہ سید رضیؒ کی طرف سے جہاں جہاں بطور حلِ لغات یا تبصرہ کے مختلف حواشی اور تذئیلات تحریر ہوئے ہیں ان کی اور نہج البلاغہ کے متن کی عبارت میں عظیم اختلاف جو ایک ساتھ انسان کی نظر کے سامنے دو مختلف نمونے پیش کر دیتا ہے اور ایک طرف کتنا ہی جلیل القدر اور علمِ ادب میں گرانمایہ سہی لیکن انسان کا کلام اور دوسری طرف مافوقِ کلام المخلوقات اور ماتحت کلام الخالق، کلامِ انسان کی نظر کو اپنے تفرقہ کی طرف پوری طور سے متوجہ کر لیتا ہے جس کے بعد ایسا ہی عقل کا نابینا ہو تو وہ کہے کہ اس کلام کا مصنف یہی شخص ہے جس کی طرف جمع و تالیف کی نسبت دی جاتی ہے۔

پھر سید رضیؒ کے دیگر تصانیف جیسے "مجازات النبی" "خصائص الائمہ" "حقائق التنزیل" وغیرہ جو فعلاً کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں اور اس کتاب (نہج البلاغہ) کے اسلوبِ تحریر، اندازِ بیان اور پایہ و مرتبہ میں موازنہ یہ ایک مستقل حقیقت رسا ذریعہ ہے جو شکوک کے لئے خرمن سوز بجلی کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان سب کے بعد علامہ سید رضیؒ کی جلالت و رفعت، امانت و دیانت، صداقت و حقانیت جس کے دوست و دشمن سب ہی معترف ہیں اور شیعوں کے علاوہ ان کے زمانہ والے اور بعد کے علمائے اہل سنت کی کتابیں ان کے بارے میں رطب اللسان ہیں اور عباسی خلیفۃ المسلمین کی طرف سے ان کا نقابت اشراف کا عہدہ جو انتہائی جلیل القدر منصب کی شان رکھتا ہے اور پھر دار السلام بغداد ایسے دار الخلافت اور سنی مرکز علم و حدیث میں ان کا قیام اور معاصرین کی رقیبانہ و ناقدانہ دیکھ بھال ایسی ذمہ دارانہ حیثیت کے شخص کی نسبت ان اسباب و حالات کی موجودگی میں یہ خیال کس قدر حقیقت سے دور اور تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ اس نے ایک پوری کتاب تصنیف کر کے ایک تاریخی مذہبی بلند ہستی یعنی امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی پھر نہ بغداد کی فضا میں کوئی انقلاب ہوا نہ اس

کے خلاف کوئی احتجاج کیا گیا نہ کسی قسم کی تنبیہ کی نوبت آئی۔ یہ ہرگز عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔

ہم جہاں تک دیکھتے ہیں علامہ سید رضیؒ کے زمانہ اور اس کے ایک عرصہ بعد تک کوئی آواز نہج البلاغہ کی صحت کے خلاف بلند نہیں ہوئی ہے اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ خود سید رضیؒ کی تصنیف ہے۔

بیشک سب سے پہلے مؤرخ ابن خلکان ہیں جنہوں نے کتاب کے مضامین کو دیکھ کر ان کے امیر المؤمنینؑ کی زبان کا کلام ہونے میں شک کیا ہے اور لاعلمی کی حیثیت سے اس کو خود سید رضیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ لاعلمی کے اوپر مبنی ہونے والی نفی کسی طرح اس ثبوت کے مقابل نہیں آسکتی جو یقینی اور قطعی دلائل کا نتیجہ ہو۔ انکار یا اعتراض کرنے والوں کے بیانات کو جب دیکھا جاتا ہے تو ان میں صاف نظر آتا ہے کہ یہ انکار کسی محققانہ جستجو اور کاہش و کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ان معترضین نے اکثر خود نہج البلاغہ کو اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں فرمائی ہے۔ ان کے مضطربانہ دور از کار بیانات ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اندھیرے میں تیر اندازی ہو رہی ہے۔

لطف یہ ہے کہ جدید زمانہ کے بہت سے مدعیانِ تحقیق نے بھی آنکھ بند کر کے ٹٹولتے ہوئے راستہ چلنا اچھا سمجھا ہے اور بلند بانگ دعوائے حقیقت کی ذمہ داریوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

جرجی زیدان ایسا شخص جو "تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ" کے ایسے موضوع پر قلم اٹھانے بیٹھا ہو وہ نہج البلاغہ کے متعلق کلامِ امیر المؤمنینؑ ہونے میں اظہارِ شک کے ساتھ اس کے جمع و تالیف کو جناب سید مرتضی علم الہدیٰ کی طرف منسوب کر دے جو سید رضیؒ کے بھائی اور ان سے تین برس بڑے ذو الثمانین کے لقب سے ملقب اور شافی، تنزیہ الانبیاء، انتصار

وغیرہ کے مصنف ہیں اور سید رضیؒ کے انتقال کے ۲۹ برس بعد تک زندہ رہے ہیں حالانکہ یہ خیال علاوہ اس تواتر سماعی کے جو ہر کتاب کے اس کے مصنف کی طرح صحیح طور سے منسوب کیے جانے کا واحد ذریعہ ہے اور نیز نہج البلاغہ کے قریب اور مصنفین کے تحریرات سے (کہ وہ چاہے ان کے کلامِ امیر المومنینؑ ہونے میں شک کریں مگر ان کی جمع و تالیف کو سید رضیؒ کی طرف نسبت دینے پر متفق ہیں) خود نہج البلاغہ کے مطالعہ سے بھی غلط ثابت ہوا اس لیے کہ اس میں "خصائص الآئمہ" کا حوالہ موجود ہے اس طرح کہ اس کو ہم نے "خصائص الآئمہ" میں لکھا ہے اور کتاب خصائص باتفاق کل علامہ سید رضیؒ ہی کی کتاب ہے سید مرتضیؒ کی نہیں ہے۔

کتاب "منتخب فی تاریخ آداب العرب" جو عطایا دمشقی کی تصنیف ہے اور مصر میں ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی ہے اس کے صفحہ ۴۰ پر امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حالات میں مذکورہ بالا تحقیق میں ترمیم کر کے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے اور عجیب و غریب گہر افشانی کی ہے جو نذر ناظرین ہے۔

اَلْخَلِیْفَةُ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ تُوُفِّیَ ۶۶۳ء وَقَدْ اَشْهَرُ فِی الْجَیْلِ الْاَوَّلِ مِنَ الْهِجْرَةِ بِعِلْمِهٖ وَ شِعْرِهٖ وَلَهٗ مَجْمُوْعٌ مِاَةَ حِکَمٍ تَرْجَمَ اِلَی الْفَارِسِیَّةِ وَ التُّرْکِیَّةِ وَ کِتَابُ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ وَ هُوَ مَجْمُوْعُ خُطَبٍ وَمَوَاعِظٍ وَیَنْسِبُوْنُ لَهٗ دِیْوَانُ شِعْرٍ یُدْعَی اَنْوَارُ الْعُقُوْلِ. وَ الصَّحِیْحُ اَنَّ بَعْضَ هٰذِهِ الْحِکَمُ وَ الْمَوَاعِظُ وَ الْعَقَائِدُ هُوَ مِنْ تَاْلِیْفٍ وَ نَظْمِ الْخَلِیْفَةِ عَلِیٍّ وَ لٰکِنْ اَکْثَرَهُمَا کَمَا یَظُنُّهُ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْ قَلَمِ اَحَدِ الشُّعَرَاءِ مِنْ نَسْلِهٖ وَ هُوَ الْاِمَامُ شَرِیْفُ مُرْشِدُ الْمُتَوَفّٰی ۱۰۴۲ء.

خلیفہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام، آپ کی وفات ۲۶۳ء میں ہوئی ہے اور آپ اسلام میں اپنے علم اور شاعری کے سبب سے بہت مشہور ہو گئے تھے۔ اور آپ کا ایک مجموعہ ہے حکیمانہ اقوال کا جس کا فارسی اور ترکی میں ترجمہ ہوا ہے۔ اور نہج البلاغہ ہے کہ جو مجموعہ ہے خطب اور مواعظ کا۔ اور ایک دیوان اشعار کا بھی آپ کی طرف منسوب ہے جس کا نام ہے انوار العقول اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض حکم اور مواعظ اور تقاریر تو تالیف اور نظم خلیفہ علی علیہ السلام کی ہیں لیکن اکثر ان میں سے جیسا کہ محققین علماء کا خیال ہے وہ آپ کی نسل کے ایک شاعر امام شریف مرشد کی تصنیف ہیں جن کا انتقال ۱۰۴۲ء میں ہوا۔

واہ سبحان اللہ کیا کہنا اس تاریخی تحقیقات کا جس پر علم و تحقیق آٹھ آٹھ آنسو روئیں۔ کتبِ رجال، تراجمِ علماء و تاریخِ اسلام سامنے ہیں ذرا دیکھا تو جائے کہ یہ شریف مرشد کون ہیں جن کی طرف اس کتاب کو منسوب کیا جا رہا ہے۔ اور پھر کاش اپنا خیال درج کیا ہوتا۔ مگر قیامت تو یہ ہے کہ محققین علماء کی طرف نسبت دی ہے۔ اب یہ محفلِ محققین دیکھنے کے قابل ہے جو مصنف کے عالمِ خواب میں مرتب ہوئی تھی اور جو ممنونِ تعبیر بھی نہیں ہے۔ کیا ایسے ہی کمزور متزلزل بے اصل خیالات سے ان قطعی اور یقینی دلائل اور اقوالِ علماء کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جو نہج البلاغہ کی صحت کے متعلق سابق میں درج کئے گئے۔

تعزیت نامہ

وفات علامہ مفتی جعفر حسینؒ

نہج البلاغہ پر محنت

علامہ علی نقی صاحب کے تاثرات اور نہج البلاغہ کے بارے گفتگو

طویل اور خطرناک علالت جس وقت کو قریب سے قریب تر لا رہی تھی بالآخر وہ آ گیا اور مفتی جعفر حسین صاحب ہم سے جدا ہو گئے ان کی وفات کا جو قلبی صدمہ مجھے ہوا، نہ اس کے اظہار کے لیے میرے پاس لفظیں ہیں نہ ان کے اظہار کی کوئی ضرورت ہے۔ ان کا جس طرح کا ربط مجھ سے تھا وہ آخر تک قائم رہا۔ وہ بہت سوں کو معلوم ہے اور خود ان کے قول و عمل سے اس کا برابر اظہار ہوتا رہا جو ان کی عظمت نفس کی بڑی دلیل ہے۔

ان میں جس طرح خوب سے خوب تر کے قبول کرنے کی صلاحیت تھی وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوعمری میں لکھنؤ گئے تو پنجابی ہوتے ہوئے اسی وقت انہوں نے بہت کم عرصے میں لکھنویت کو اس طرح جذب کر لیا کہ شروع شروع جب مجھ سے ملے ہیں جس کا حال انہوں نے خود اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے تو مجھے اگر بتاتے نہ کہ وہ پنجاب کے ہیں تو میں اسے سمجھ نہیں سکتا تھا آخر تک وہ ایسے ہی رہے کہ اگر ان کا وطن کسی کو معلوم نہ ہو تو ان کی رفتار گفتار سے کسی طرح بھی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ وہ یوپی کے نہیں بلکہ پنجاب کے، لکھنؤ، کے نہیں بلکہ گوجرانوالہ کے باشندے ہیں۔

لکھنؤ میں وہ آغا جعفر صاحب کہلاتے تھے اور ان کے خاص ساتھی مولانا حسین مہدی صاحب ہیں جو آخر میں مدرسہ ناصریہ جونپور کے پرنسپل تھے وہاں سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد مجھے ان کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ غالباً مولانا سید ایوب حسین صاحب موسوی ممتاز الافاضل بھی ان کے ساتھی ہیں جو فاطمہ کالج لکھنؤ سے بحیثیت مدرس تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا آغا حیدر صاحب بحیثیت عالم دین اکثر افریقہ میں رہے اور رہتے ہیں، حکیم سید محمد اطہر صاحب ممتاز الافاضل بھی دور آخر میں لکھنؤ کے ممتاز طبیب حاذق ہونے کے علاوہ مدرسہ ناظمیہ میں معقولات

کے مدرس تھے وہ بھی شاید ان کے ہم درس ہوں۔

لکھنؤ کے زمانہ طالب علمی میں عام تصور یہ تھا کہ ان پر عربی ادب کا ذوق غالب ہے چنانچہ جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ مجھ سے ملنے کی تقریب بھی یہی ہو مگر عراق جا کر فقہ واصول سے تعلق ان پر ایسا غالب ہوا پھر آخری لمحہ بھی ان کا فقہ جعفری کے سلسلے میں جہاد کے ساتھ وابستگی کے عالم میں آیا اور انہوں نے اس میں اپنی عمر اور صحت جسمانی کے تقاضے کے خلاف ایسی مسلسل جدوجہد کی کہ انہیں "فدیہ فقہ جعفری" کہنا درست ہوگا۔

ایک جوہر خاص ان کا یہ تھا کہ سوچنے سے زیادہ عمل کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے چاہا کہ مجھ سے اپنا ترجمہ نہج البلاغہ کا بسیط مقدمہ لکھوائیں تو اگر وہ بذریعہ خطوط مجھ سے تحریک کرتے رہتے یا تو میں ایک مختصر مقدمہ لکھ کر ان کی فرمائش کی رسمی تعمیل کر دیتا جو انہیں منظور نہ تھا یا میں اس کا ارادہ رکھتے ہوئے وعدہ کر لیتا اس کی تکمیل بلا مبالغہ شاید برسوں میں ہوتی لہذا انہوں نے یہ راہ اختیار کی مجھ سے کہے یا لکھے بغیر ہندوستان پہنچ گئے چونکہ پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ کی اتنی پابندیاں اس وقت عائد نہیں ہوئی تھی اور لکھنؤ پہنچ کر غالبا اپنے (مادر درس گاہ) مدرسہ ناظمیہ میں سامان رکھ کر سیدھے میرے مکان (واقع عبدالعزیز روڈ لکھنؤ) پر آگئے اور مجھ سے کہا کہ میں نے یہ سفر فقط آپ سے مقدمہ لکھوانے کے لیے کیا ہے اور وہ بس اس طرح ہو سکتا ہے کہ وقت مقرر کر دیجیے میں روز آؤں گا۔ اپ بولتے جایئے میں لکھتا جاؤں گا۔

چونکہ عرصہ سے میں اپنے ذہن میں اس موضوع پر ایک مقالہ لکھنے کے لیے مواد فراہم کیے ہوئے تھا۔ میں نے ان کی اس پیشکش کو اپنے مقصود کے حصول کے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور فورا وقت مقرر کر دیا چنانچہ روز ایک گھنٹہ کے لیے وقت معین پر پہنچ جاتے تھے۔

میں بولتا جاتا تھا وہ لکھتے جاتے تھے۔ اس ذیل میں محولہ کتابوں اور مندرجہ شخصیات کے نام میں نے اپنے حافظے کی بنیاد پر لکھائے مگر ان کتابوں کی طرف رجوع کر کے ان کے صفحات کے تعین اور جن شخصیات کے نام آئے ہیں ان کے سالہائے وفات کا اندراج یہ تمام خود ان پر

چھوڑے جنہیں میرے حسب دلخواہ انہوں نے انجام دیا۔ اس طرح اپنی قلمی کاوش سے میرا علمی ذہنی سرمایہ محفوظ کر دیا جو لوگوں کی نظر میں اتنی اہمیت کا حامل ثابت ہوا کہ اردو اور نیز انگریزی میں الگ بھی اور نہج البلاغہ کا ضمیمہ بنا کر بھی اس کے اتنے ایڈیشن شائع ہوئے جن کا شاید پورا علم بھی مجھ کو نہیں ہے۔

آب یہ واقعہ ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایک صاحب نے لندن سے مجھے خط لکھ کر کسی بیان کی ہوئی ناقابل قبول حقائق سمجھتے ہوئے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا واقعی آپ نے اس مقدمے کو "قلم برداشتہ" لکھا تھا؟ میں نے جواب دیا جی نہیں میں نے اس کے لیے قلم اٹھانے کی زحمت برداشت نہیں کی۔

یہ جواب میرا ان کے لیے ضرور ایک لقمے کی حیثیت رکھتا ہوگا مگر؟ اس کی تحریر کی کیفیت میں نے لکھی ہے اس لحاظ سے جواب بالکل واقفیت پر مبنی ہے۔

اس کے ساتھ ان کا یہ کارنامہ بھی ان سے خاص تھا چونکہ اس زمانے میں میرے سفر پنجاب وغیرہ کی طرف سال میں کئی دفعہ ہوتے تھے ان سفروں میں اپنے سب کام چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جاتے تھے اور تنہائی کے موقع کی تلاش کیے بغیر حاضرین کی موجودگی کو نظر انداز کر کے بلا تکلف وہ اپنا ترجمہ نہج البلاغہ کا جس کی تحریر میں وہ مصروف تھے مجھے سناتے تھے۔ اس طرح تقریباً پورے ترجمے کو اور بعض حواشی کو بھی جہاں ان کو ضرورت محسوس ہوئی مجھے سنایا۔

اس کارنامے کے انجام دینے میں ان کی وہ عظمت نفس شامل تھی جو راست بازی کے کمال کے ساتھ ان کی طبیعت کی سادگی اور ہر قسم کے تصنع سے بے تعلقی کے بھی جو ہر دو کی حامل تھی اور ان کا دل تو یہ چاہتا تھا کہ اب ترجمہ صحیفہ کاملہ بھی میری ہی تحریک سے انہوں نے لکھا تھا بعد کی کتابیں بھی سب مجھ کو اسی طرح سنا کر شائع کریں مگر اس کے بعد پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ کی دشواریاں ایسی ہوئیں کہ اس سفر کے بعد پھر ان کا بھی ہندوستان آنا نہ ہوا میرے بھی سفر ادھر کے موقوف ہو گئے جس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

جب اس دور میں پہلے سال میرا پاکستان جانا ہوا تو وہ اس سال عشرہ محرم جھنگ میں پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے میرے کراچی آنے کا حال سنا تو ٹیلی فون پر مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہا مگر میں ٹیلی فون پر بات نہیں کرتا لہذا بالواسطہ ان کا پیغام مجھ تک پہنچا اور مولانا غلام عباس صاحب نجفی جھنگ سے مجھے بلانے کے لیے آئے مگر اس وقت کراچی میں دو مہینے تک کے وعدے کا پابند ہو گیا تھا لہذا کہیں اور جانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اس دفعہ ان کی اور میری باہمی ملاقات نہ ہو سکی۔ یہی سال وہ تھا جب فقہ جعفری کے سلسلے میں ان کا جہاد عروج پر پہنچا اور بکھر کا عظیم اجتماع ہوا جس میں وہ قوم کے قائد تسلیم کیے گئے اور پھر ان کے اسلام آباد والا کارنامہ عالم ظہور میں آیا۔

اب جو محرم آیا اس سال کراچی کے بعد میں اسلام آباد گیا اور خواجہ محمد مرتضیٰ صاحب کے ہاں قیام ہوا تو مفتی صاحب گوجرانولہ کے لیے میرا پروگرام طے کرانے کے لیے میرے پاس اسلام آباد آئے۔ میں نے دیکھا کہ اتنے بڑے اعزاز کے حصول نے ان میں ذرا بھر تبدیلی نہیں کی تھی یہ مزید ان کی عظمت نفس کی دلیل ہے۔

دو سال ایام عزاء میں کئی کئی دفعہ لاہور، گوجرانوالہ میں ملاقات ہوتی رہی۔ سال گزشتہ 1403ھ عشرہ محرم سے پہلے یہ کراچی میں میرے پاس دو دفعہ آئے۔ معلوم ہوا کہ دبئی عشرہ پڑھنے جا رہے ہیں۔ وہاں سے واپس میں آئے پھر مجھ سے ملے۔ میں نے محسوس کیا بہت نڈھال ہیں۔ میں تو اس کو تھکن اور نیند کا غلبہ سمجھا اور ظاہر کیا، تب بھی انہوں نے اپنی علالت کا حال بیان نہیں کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہیں تو اس سے پہلے منہ سے خون آ چکا تھا اور تیز بخار رہ چکا تھا۔ دبئی میں مجالس بھی کامیابی کے ساتھ وہ بخار کے عالم میں پڑھیں۔

میرے قیام کراچی میں لاہور والے شریف صاحب کے بھائی جناب ناظم علی صاحب ہر سال اپنی کوٹھی پر کسی خاص موضوع پر جس کا پہلے سے اعلان ہو جاتا ہے میری بیان کے لیے ایک بڑی اہم اور عظیم الشان مجلس کرتے ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کو مفتی صاحب سے بڑی خاص خصوصیت رہی ہے اس لیے ناظم صاحب نے ان سے پہلے سے طے کر لیا تھا کہ دبئی سے واپسی

میں ان کی مجلس میں شرکت کے بغیر اپنے وطن گوجرانوالہ نہیں جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس وعدے کی پابندی کرتے ہوئے ان کی خاطر سے کراچی میں قیام کیا اور اس مجلس میں جو کراچی میں میرے سلسلہ مجالس کی آخری مجلس ہے اس کے بعد والے طعام میں شرکت فرما دوسرے دن جب کہ میں اسلام اباد لیے روانہ ہوا وہ اپنے وطن کے لیے روانہ ہوئے شاید مرض الموت والے لاہور لندن کے ہسپتالوں کے سفروں کے سوا یہ ان کا دور دراز کا آخری سفر تھا۔

اس کے بعد جب میں لاہور گیا اور مولانا اظہر حسن صاحب زیدی کی ملاقات کے لیے ان کے مکان پر گیا تو وہاں پر مفتی صاحب، اختر حسین صاحب شائق کی معیت میں موجود تھے اور یہاں حضرت اظہر حسن صاحب زیدی کے ہمراہ ہماری ان کی شائق صاحب وغیرہ کی شرکت کے ساتھ وہ تصویر کھینچی جو بطور یادگار میرے پاس علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ اس کے بعد گوجرانوالہ میں خود ان کے مدرسہ جعفریہ میں جہاں گوجرانوالہ کے قیام میں پہلے ہی سال سے ان کی تحریک پر میرا جانا ضروری ہو گیا ہے۔ اور اس کے بعد خواجہ رفعت علی صاحب پانی پتی کے یہاں کی دعوت میں جو ان کے باغ میں ہوتی ہے کئی گھنٹے مسلسل ملاقات رہی جس نے ان کی بیماری اور اس کے باوجود پابندی کے ساتھ مدرسہ میں حاضری، غذا کی طرف سے بے اعتنائی اور برابر منہ سے خون آنے اور بخار کے تسلسل کی کیفیت تفصیل سے معلوم ہوئی۔ اسی وقت شریف صاحب نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ آپ انہیں لاہور لے جائیں گے اور وہاں علاج ہوگا۔

بس یہ اخری ملاقات تھی اس کے بعد میں نے فیصل آباد میں پنجاب کے پروگرام کی آخری مجلس جو اس سلسلے کی انتہا پر ہوتی ہے پڑھ کر پاکستان سے رخصت ہونے کے لیے کراچی کی طرف مراجعت کی اور وہ اس کے بعد نا معلوم کتنے وقت کے بعد حسب قرارداد لاہور لے جائے گئے۔ جس کے بعد خطوط اور اخباروں سے پتا چلتا رہا کہ اپنے سفر حیات کی آخری منزل کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں جہاں آخر میں ان کے پہنچ جانے کی اطلاع غالباً ریڈیو کی نشریہ سے معلوم ہوئی جسے ہندوستانی اخباروں میں بھی نمایاں طور پر شائع کیا اور لکھنؤ میں بھی ان کی ایصال ثواب کی

مجلس ناظمیہ کالج میں بھی ہوئی اور مومنین کی طرف سے بھی مرکزی امام باڑے میں اور علی گڑھ میں امامیہ مسجد میں فاتحہ خوانی کی مجلس ہوئی جس میں میرا بیان ہوا۔

میرا گوجرانوالہ میں اس دفعہ جانا ہوا تو ان کے مکان پر بھی جانا ہوا ان کے مدرسہ جعفریہ میں حاضری دی اور خواجہ رفعت علی صاحب کے یہاں کی دعوت میں شرکت کی۔ سب کام جس ترتیب سے دو برس سے ہو رہے تھے آپ کے بھی ہوئے مگر اس مرتبہ وہ نہ تھے

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ واقعہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے قائد ملت جعفریہ مانے جانے سے پہلے ہی بعض اشخاص غالباً برابر ان کے خلاف زبان درازی کیے رہے اور ان کے قائد مانے جانے کے تو اعلانیہ تحریری طور پر ان کو نشانہ بنا کر درانداز ی کی مہم اختیار کی جو ان کے بستر الموت میں بلکہ تقریبا آخری لمحات جب کہ ہپتسال میں کشمکش حیات موت میں تھے پوری قوت کے ساتھ جاری رہی مگر ان تیروں سے نہ کبھی وہ ذرہ بھر متاثر ہوئے نہ مشتعل۔ یہ ان کی عظمت نفس کا وہ درجہ تھا جس تک بہت کم افراد کا پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔

وہ خوش بیان مقرر تھے اور مقبول اہل منبر میں سے تھے مگر انہوں نے اس کو ارزاں مقبولیت کی تن آسانی کے دامن پناہ لے کر ٹھوس اور دیر پا علمی و دینی خدمات سے کنارہ کشی نہیں کی جو ان کی تصانیف اور قائم کردہ عظیم الشان مدرسے سے ظاہر ہے جسے آپ قائم رہنا اور ترقی دینا قوم کے ہاتھ میں ہے۔

عموماً قوم ناقدر شناس ثابت ہوئی ہے مگر ان کی زندگی میں قوم کی ایک غیر معمولی اکثریت نے جسے تقریباً تمام قوم کہا جا سکتا ہے انہیں قائد تسلیم کر کے اور اس سے زیادہ ان کی وفات کے بعد جنازے کے اعزاز اور ان کی وفات پر اظہار تاثرات میں اس قدر شناسی کا ثبوت دیا ہے، اس سے زندگی میں انہوں نے کبھی کسی فائدے کے اٹھانے کا تصور نہیں کیا اور آپ تو اس دنیوی عزت سے انہیں کسی فائدے کی پہنچنے کا امکان ہی باقی نہیں رہا۔ مگر خود قوم نے اپنی حق بجانب انسان شناسی

اور احسان شناسی کا جو ثبوت دیا اس نے یقیناً خود قوم کے وقار کو ہر یگانا اور بیگانہ کی نگاہ میں اور امید ہے کہ باری تعالی کی بارگاہ میں بھی بلند کیا ہے جس سے وہ اس مصیبت پر تعزیت کے ساتھ مستحق مبارک باد بھی ہیں۔

رہ گئے وہ ان کے لیے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے اس منزل سے بہتر منزل میں پہنچ گئے جہاں راحت و آرام کے سوا کسی اور تکلیف و ازیت کا گزر نہیں ہے۔ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ خدا کرے ان کے ساتھ ہم بھی اس کے مصداق ہوں گے رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا۔

سوگوار

علی نقی النقوی

24 صفر، 1404ھ

شارجہ عرب امارات

حقائق نہج البلاغہ

امیر کلام، امام عارفان علی علیہ السلام کے کلام و بیان کی اہمیت و مقام کے لیے نہج البلاغہ کا ہر ہر جملہ بہترین ثبوت و گواہ ہے۔

امام علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

ہم اہلبیتؑ اقلیم سخن کے فرمانروا ہیں۔ کلام ہمارے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے اور اُس کی شاخیں ہم پر جھکی ہوئی ہیں۔ (خطبہ ۲۳۰)

ایک اور مقام پر فرمایا:

آج میں نے اپنی اس زبان کو گویا کیا ہے جس میں بڑی بیان کی قوت ہے۔ (خطبہ ۴)

علامہ سید رضیؒ نے ۴۰۰ھ میں امیر المومنین علیہ السلام کے منتخب کلام کو جمع کر کے "نہج البلاغہ" اُس کا نام رکھا۔ اس کتاب کو فوق العادہ اہمیت حاصل ہوئی اور اُس وقت سے علماء مختلف پہلوؤں سے اور مختلف زبانوں میں اس پر کام کر رہے ہیں۔ اردو زبان میں نہج البلاغہ پر کام کرنے والی شخصیات میں سے ایک علامہ علی نقی النقویؒ ہیں۔ اس کتاب میں آپ کی نہج البلاغہ پر لکھی گئی چار کتابیں اور نہج البلاغہ کے مشہور مترجم علامہ مفتی جعفر حسینؒ کی وفات پر اپنے تعزیتی پیغام میں نہج البلاغہ کے بارے تحریر کردہ بیان کو پیش کیا گیا ہے۔

امید ہے نقن صاحبؒ کے ان علمی جواہر پاروں کو یکجا کرنے سے زیادہ سے زیادہ افراد کو مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔



مرکز افکار اسلامی